جنگ مقدس

یعنے

مباحثہ مابین حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ

و

ڈپٹی عبد اللہ آتھم بمقام امرتسر

مطبع ضیاء الاسلام قادیان دار الامان

میں باہتمام حاجی حافظ حکیم فضلدین صاحب طبع ہوا

۲۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء

بار سوم　　تعداد ۴۰۰　　قیمت ۸ ر

فہرست کتب موجودہ و زیر طبع

یہ کتابیں بذریعہ وی پی حاجی حکیم فضلدین صاحب مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان سے مل سکتی ہیں

مصنفہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

نام کتاب	زبان	[illegible]
براہین احمدیہ حصہ اول اشتہار انعامی دس ہزار روپیہ	اردو	۵ر
" حصہ چہارم تفسیر چند آیات و رد آریہ وغیرہ	"	ـــ
سرمہ چشم آریہ۔ آریوں کے رد میں۔	"	۱۲ر
برکات الدعا	"	۲ر
آئینہ کمالات اسلام مع تبلیغ و حقیقت اسلام و تبلیغ رسالہ حقہ۔	عربی اردو فارسی مترجم اردو	عا
انوار الاسلام۔ عبد اللہ آتھم کی پیش گوئی پوری ہونے کی تفصیل و رد عیسائی	اردو	۴ر
نسیم دعوت۔ رد آریہ	"	۳ر
سناتن دھرم۔ رد آریہ	"	ـر
کتاب البریۃ۔ سوانح حضرت اقدس و چند پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔	"	عہ
ایام الصلح مع دلائل و پیشگوئی طاعون	"	۸ر
ایام الصلح	فارسی	۸ر
اربعین نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ نشان صداقت مرسلین اور لوگوں کو ایک نشان کیطرف دعوت	اردو	۳ر
حضرت اقدس کا ریویو عبد اللہ چکڑالوی و محمد حسین بٹالوی کے مباحثہ پر	"	۱ر
استفتاء۔ لیکھرام کا قتل پیشگوئی سے ہوا	"	۲ر
روئداد جلسہ دعا۔ ٹرنسوال کی فتح کے لیے دعا اور حضرت اقدس علیہ السلام کا لکچر	اردو	۲ر
نور القرآن حصہ اول و دوم۔ رد عیسائی	"	۶ر
ستارہ قیصرہ تہنیت سلطنت ملکہ معظمہ	"	ـر
تحفہ قیصریہ قیصرہ ہند اور اسکو دعوت	"	۲ر
مجموعہ آمین حضرت اقدس کے تینوں صاحبزادگان کی آمین	"	ـر
کرامات الصادقین۔ تفسیر سورہ فاتحہ۔	عربی	۸ر
حمامۃ البشریٰ ثبوت وفات مسیح و رسالت خود	عربی مترجم	۸ر
سیرۃ الابدال۔ مقربین کے علامات۔	عربی	۱ر
سچائی کا اظہار۔ رد عیسائی	اردو	ـر
نور الحق حصہ اول و دوم۔ رد عیسائی و پیشگوئی خسوف کسوف رمضان کا ثبوت و تفصیل	عربی مترجم اردو	۱۴ر
تحفہ بغداد۔ ایک بغدادی مولوی کے اعتراض کا جواب	عربی	۲ر
سراج منیر چند پیشگوئیوں کے پورا ہونیکی تفصیل۔	اردو	۴ر
درثمین اشعار تصانیف حضرت اقدس سے انتخاب۔	اردو و فارسی	۵ر
" " اشعار اردو	اردو	۱ر
حقیقۃ المہدی۔ آئینہ الامہدی ...	"	۲ر
شرائط بیعت عشرہ مع تکمیل تبلیغ عبارت جو بیعت کے وقت پڑھائی جاتی ہے۔	"	ـر
اعجاز المسیح۔ تفسیر سورہ فاتحہ اور پیر گولڑوی کو اس کی نظیر بنانے کی تحدی	عربی مترجم فارسی	۱۲ر

روئداد

جلسہ ۲۲- مئی ۱۸۹۳ء

۲۲- مئی ۱۸۹۳ء کو سوموار کے روز ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کی کوٹھی میں جلسہ مباحثہ منعقد ہوا- سوا چھ بجے کارروائی شروع ہوئی- مسلمانوں کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی سیالکوٹ میر مجلس قرار پائے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب میر مجلس قرار پائے-

مرزا صاحب کے معاون مولوی نورالدین صاحب حکیم- سید محمد احسن صاحب اور شیخ الہ دیا صاحب قرار پائے- اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے معاون پادری جے- ایل ٹھاکر داس صاحب اور پادری عبداللہ صاحب اور پادری ٹامس ہاول صاحب قرار پائے- چونکہ پادری جے ایل ٹھاکر داس صاحب آج تشریف نہیں لائے تھے اس لیئے آج کے دن اُن کی بجائے پادری احسان اللہ صاحب معاون مقرر کیئے گئے- سوا چھ بجے مرزا صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور سوا سات بجے ختم کیا- اور بلند آواز سے جلسہ کو سُنایا گیا- پھر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا اعتراض پیش کرنے میں صرف پانچ منٹ خرچ کیئے- پھر مرزا صاحب نے جواب الجواب لکھایا- مگر اسپر یہ اعتراض پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو سوال لکھایا ہے وہ شرائط کی ترتیب کے موافق نہیں یعنی پہلا سوال الوہیت مسیح کے متعلق ہونا چاہیئے اسپر شرائط کی طرف توجہ کیگئی انگریزی اصلی شرائط اور ترجمہ کا مقابلہ کیا گیا- اور معلوم ہوا- کہ مرزا صاحب کے پاس جو ترجمہ ہے اُسمیں غلطی ہے- بنا بران اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ الوہیت مسیح پر سوال شروع کیا جائے اور جو کچھ اس سے پہلے لکھایا گیا ہے اپنے موقع پر پیش ہو-

۸ بجے ۲۴ منٹ پر مرزا صاحب نے الوہیت مسیح پر سوال لکھانا شروع کیا- ۹ بجے ۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا- مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے ۹ بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور اُن کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ اُن کا وقت گزر گیا- اسپر مرزا صاحب اور میر مجلس اہل اسلام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ مسٹر موصوف اپنا جواب ختم کرلیں اور پانچ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں ایک دوسرے فریق کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا-

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان-

دستخط بحروف انگریزی- غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام-

تقریر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امّا بعد واضح ہو کہ آج کا روز جو ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء ہے اُس مباحثہ اور مناظرہ کا دن ہے جو مجھ میں اور ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب میں قرار پایا ہے۔ اور اس مباحثہ سے مدعا اور غرض یہ ہے کہ حق کے طالبوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اسلام اور عیسائی مذہب میں سے کونسا مذہب سچا اور زندہ اور کامل اور منجانب اللہ ہے اور نیز حقیقی نجات کس مذہب کے ذریعہ سے مل سکتی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے بطور کلام کلی کے اسی امر میں جو مناظرہ کی علت غائی ہے انجیل شریف اور قرآن کریم کا مقابلہ اور موازنہ کیا جاوے لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس مقابلہ اور موازنہ میں کسی فریق کا ہرگز یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اپنی کتاب سے باہر جاوے یا اپنی طرف سے کوئی بات مونھ پر لاوے بلکہ لازم اور ضروری ہوگا کہ جو دعوے کریں وہ دعوے اس الہامی کتاب کے حوالہ سے کیا جاوے جو الہامی قرار دی گئی ہے اور جو دلیل پیش کریں وہ دلیل بھی اسی کتاب کے حوالہ سے ہو کیونکہ یہ بات بالکل سچی اور کامل کتاب کی شان سے بعید ہے کہ اُس کی وکالت اپنے تمام ساختہ پرداختہ سے کوئی دوسرا شخص کرے اور وہ کتاب بکلّی خاموش اور ساکت ہو۔

اب واضح ہو کہ قرآن کریم نے **اسلام** کی نسبت جس کو وہ پیش کرتا ہے یہ فرمایا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام (سیپارہ ۳- رکوع ۱۰) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین (سیپارہ ۳- رکوع ۱۷) ترجمہ یعنی دین سچا اور کامل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور جو کوئی بجز اسلام کے کسی اور دین کو چاہیگا تو ہرگز قبول نہیں کیا جاویگا اور وہ آخرت میں زیان کاروں میں سے ہوگا۔

پھر فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (سیپارہ ۶- رکوع ۵) یعنی آج میں نے تمہارے لئے دین تمہارا کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو پسندیدہ کر لیا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا (سیپارہ ۲۶- رکوع ۱۲) وہ خدا جس نے

اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا وہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے۔
پھر اللہ جل شانہٗ چند آیتیں قرآن کریم کی تعریف میں جو دین اسلام کو پیش کرتا ہے فرماتا ہے۔
چونکہ قرآن کریم کی تعریف درحقیقت دین اسلام کی تعریف ہے اس لئے وہ آیتیں بھی ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ ولقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا (سیپارہ ۱۵- رکوع ۱۰) اور البتہ طرح طرح بیان کیا ہمنے واسطے لوگوں کے قرآن میں ہر ایک مثال سے پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر کفر کرنا۔ یعنی ہم نے ہر ایک طور سے دلیل اور حجت کے ساتھ قرآن کو پورا کیا مگر پھر بھی لوگ انکار سے باز نہ آئے۔

قل اللہ یھدی للحق (سیپارہ ۱۱- رکوع ۹) اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان (س ۲۵- ر ۳) یعنی وہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن شریف کو حق اور میزان کے ساتھ اُتارا یعنی وہ ایسی کتاب ہے جو حق اور باطل کے پرکھنے کے لئے بطور میزان کے ہے۔

انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا (سیپارہ ۱۳- رکوع ۸) ترجمہ آسمان سے پانی اُتارا پس ہر ایک وادی اپنے اپنے قدر میں بہ نکلا۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (سیپارہ ۱۵ رکوع ۱) یہ قرآن اُس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو بہت سیدھی اور بہت کامل ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً کہ اگر جن اور انس سب اس بات پر اتفاق کریں کہ اگر اَور کتاب جو کمالات قرآنی کا مقابلہ کر سکے پیش کر سکے تو نہیں پیش کر سکینگے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

پھر ایک اَور جگہ فرماتا ہے مافرطنا فی الکتاب من شیءٍ (سیپارہ ۷- رکوع ۱۰) یعنی تعلیمات ضروریہ میں سے کوئی چیز قرآن سے باہر نہیں رہی۔ اور قرآن ایک مکمل کتاب ہے جو کسی دوسری تکمیل کا منتظر نہیں بناتا۔ انہٗ لقول فصل (سیپارہ ۳۰ رکوع ۱۱) حکمۃ بالغۃ (س ۲۷ ر ۸) قرآن قول فصل ہے جو ہر ایک امر میں سچا فیصلہ دیتا ہے۔ اور انتہائی درجہ کی حکمت ہے فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم (سیپارہ ۲۷- رکوع ۱۶) انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسہٗ الا المطھرون یعنی میں قسم کھاتا ہوں مطالع اور مناظر نجوم کی اور یہ قسم ایک بڑی قسم ہے۔ اگر تمہیں حقیقت پر اطلاع ہو کہ یہ قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے اور اس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک باطن ہیں۔ اور اس قسم کی مناسبت اس مقام میں یہ ہے کہ قرآن کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ کریم ہے یعنی روحانی بزرگیوں پر مشتمل ہے اور باعث نہایت بلند اور رفیع دقائق حقائق کے بعض کوتاہ بینوں کی نظروں میں اسی وجہ سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے جس وجہ سے ستارے چھوٹے اور نقطوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ بات نہیں کہ درحقیقت وہ نقطوں کی مانند ہیں۔

بلکہ چونکہ مقام اُنکا نہایت اعلےٰ وارفع ہے اسلیئے جو نظریں قاصر ہیں اُن کی اصل ضخامت کو معلوم نہیں کرسکتیں انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم (سیپارہ ۲۵ - رکوع ۱۴) ہم نے قرآن کو ایک ایسی بابرکت رات میں اُتارا ہے جس میں ہر ایک امر پرحکمت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے ایک رات بڑی ظلمت کے ساتھ نمودار ہوئی تھی اسی کے مقابل پر اس کتاب میں انوار عظیمہ رکھے گئے ہیں جو ہر ایک قسم کے شک اور شبہ کی ظلمت کو ہٹاتے ہیں اور ہر ایک بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہر ایک قسم کی حکمت کی تعلیم کرتے ہیں - اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (سیپارہ ۳ رکوع ۲) اللہ دوستدار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے اور اُن کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتا ہے - وانہ لتذکرۃ للمتقین (س ۲۹ - ر ۵) - ان ھذا لھو حق الیقین (س ۲۷ ر ۱۴) وما ھو علی الغیب بضنین (س ۳۰ ر ۶) یعنی قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو اُنکی فطرت میں مخفی اور مستور تھے اور یہ حق محض ہے جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے اور یہ غیب کے بیان کرنے میں بخیل نہیں ہے یعنی بخیلوں کی طرح اس کا یہ کام نہیں کہ صرف آپ ہی غیب بیان کرے اور دوسرے کو غیبی قوت نہ دیسکے بلکہ آپ بھی غیب پر مشتمل ہے - اور پیروی کرنے والے پر بھی فیضان غیب کرتا ہے - یہ قرآن کا دعوے ہے جس کو وہ اپنی تعلیم کی نسبت آپ بیان فرماتا ہے اور پھر آگے چلکر اسکا ثبوت بھی آپ ہی دیگا لیکن چونکہ اب وقت تھوڑا ہے اس لیئے وہ ثبوت جواب الجواب میں لکھایا جاویگا - بالفعل ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ بپابندی اُن اُمور کے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں انجیل شریف کا دعوے بھی اسی طرز اور اسی شان کا پیش کریں کیونکہ ہر ایک منصف جانتا ہے کہ ایسا تو ہرگز ہو نہیں سکتا کہ مدعی سُست اور گواہ چست - خاصکر اللہ جل شانہٗ جو قوی اور قادر اور نہایت درجہ کے علوم وسیع رکھتا ہے جس کتاب کو ہم اُس کی طرف منسوب کریں وہ کتاب اپنی ذات کی آپ قیوم چاہیئے - انسانی کمزوریوں سے بالکل مبرا اور منزہ چاہیئے - کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے سہارا کی اپنے دعوے میں اور اثبات دعوے میں محتاج ہے تو وہ خدا کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا اور یہ مکرر یاد رہے کہ اس وقت صرف مدعا یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی جامعیت اور کاملیت کا دعوے کیا ہے یہی دعوے انجیل کا وہ حصہ بھی کرتا ہو جو حضرت مسیح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کم سے کم اس قدر تو ہو کہ حضرت مسیح اپنی تعلیم کو مختتم قرار دیتے ہوں اور کسی آیندہ وقت پر انتظار میں نہ چھوڑتے ہوں +

نوٹ

یہ سوال اس قدر لکھا گیا تھا تو اُس کے بعد فریق ثانی نے اس بات پر اصرار کیا کہ سوال نمبر ۲ بحث کے کسی دوسرے موقع میں پیش ہو بالفعل الوہیت مسیح کے بارے میں سوال ہونا چاہیئے چنانچہ اُن کے اصرار کی وجہ سے یہ سوال جو ابھی غیر مختتم ہے اسی جگہ چھوڑا گیا - بعد میں بقیہ اس کا شائع کیا جائیگا

سوال الوہیت مسیحؑ پر

۲۲-مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امّا بعد واضح ہو کہ بموجب شرائط قرارداد پرچہ علیحدہ مورخہ ۲۴-اپریل ۱۸۹۳ء پہلا سوال ہماری طرف سے یہ تجویز ہوا تھا کہ ہم **الوہیت** حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کرینگے - چنانچہ مطابق اسی شرط کے ذیل میں لکھا جاتا ہے -

واضح ہو کہ اس بحث میں یہ نہایت ضروری ہوگا کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے ہو جس کو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو - اور ایسا ہی ہر ایک دلیل اور ہر ایک دعوےٰ جو پیش کیا جاوے وہ بھی اسی التزام سے ہو - غرض کوئی فریق اپنی اس کتاب کے بیان سے باہر نہ جائے جس کا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے -

بعد اس کے واضح ہو کہ حضرت **مسیح** علیہ السلام کی الوہیت کے بارہ میں قرآن کریم میں بغرض ردّ کرنے خیالات اُن صاحبوں کے جو حضرت موصوف کی نسبت **خدا** یا **ابن اللہ** کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ آیات موجود ہیں -

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یاکلان الطعام ؕ انظر کیف نبین لھم الآیات ثم انظر انّٰی یؤفکون (س ۶ - ر ۱۴)

یعنی مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں - اور یہ کلمہ کہ اس سے پہلے بھی رسول ہی آتے رہے ہیں - یہ قیاس استقرائی کے طور پر ایک استدلال لطیف ہے کیونکہ قیاسات کے جمیع اقسام میں سے استقراء کا مرتبہ وہ اعلےٰ شان کا مرتبہ ہے کہ اگر یقینی اور قطعی مرتبہ سے اسکو نظر انداز کر دیا جائے تو دین اور دنیا کا تمام سلسلہ بگڑ جاتا ہے - اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حصہ کثیرہ دنیا کا اور ازمنہ گزشتہ کے واقعات کا ثبوت اسی استقراء کے ذریعہ سے ہوا ہے - مثلاً ہم جو اس وقت کہتے ہیں کہ انسان مونہہ سے کھاتا اور

آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سُنتا اور ناک سے سُونگھتا اور زبان سے بولتا ہے اگر کوئی شخص کوئی مقدس کتاب پیش کرے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ واقعات زمانہ گزشتہ کے متعلق نہیں ہیں۔

بلکہ پہلے زمانہ میں انسان آنکھوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا اور کان کے ذریعہ سے بولتا تھا۔ اور ناک کے ذریعہ سے دیکھتا تھا ایسا ہی اَور باتوں کو بھی بدل دے۔ یا مثلاً یہ کہے کہ کسی زمانہ میں انسان کی آنکھیں دو نہیں ہوتی تھیں بلکہ بیس ہوتی تھیں۔ دس تو سامنے چہرہ میں اور دس پُشت پر لگی ہوئی تھیں۔ تو اب ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ گو فرض کے طور پر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اِن عجیب تحریروں کا لکھنے والا کوئی مقدس اور راستباز آدمی تھا۔ مگر ہم اس یقینی نتیجہ سے کہاں اور کدھر گریز کرسکتے ہیں جو قیاس استقرائی سے پیدا ہوا ہے۔ میری رائے میں ایسا بزرگ اگر نہ صرف ایک بلکہ کروڑ سے بھی زیادہ اور قیاس استقرائی سے نتائج قطعیہ یقینیہ کو توڑنا چاہیں تو ہرگز توڑ نہیں سکیں گے۔ بلکہ اگر ہم منصف ہوں اور حق پسندی ہمارا شیوہ ہو تو اس حالت میں کہ اس بزرگ کو ہم درحقیقت ایک بزرگ سمجھتے ہیں اور اُس کے الفاظ میں ایسے ایسے کلمات خلاف حقایق مشہودہ محسوسہ کے پاتے ہیں تو ہم اُس کی بزرگی کی خاطر سے صرف **عن الظاہر** کرینگے اور ایسی تاویل کرینگے جس سے اُس بزرگ کی عزت قائم رہجاوے۔ ورنہ یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ جو حقائق استقرا کے یقینی اور قطعی ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہیں وہ ایک روایت دیکھکر ٹال دئیے جاویں۔ اگر ایسا کسی کا خیال ہو تو یہ بار ثبوت اُسکی گردن پر ہے کہ وہ استقرا مثبتہ موجودہ قطعیہ یقینیہ کے برخلاف اس روایت کی تائید اور تصدیق میں کوئی امر پیش کردیوے۔ مثلاً جو شخص اس بات پر بحث کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے کہ صاحب ضرور پہلے زمانہ میں لوگ زبان کے ساتھ دیکھتے اور ناک کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کرے۔ اور جب تک ایسا ثبوت پیش نہ کرے تب تک ایک مہذب عقلمند کی شان سے بہت بعید ہے کہ ان تحریرات پر بھروسہ کرکے کہ جن کے بصورت صحت بھی بیس بیس معنی ہوسکتے ہیں وہ معنی اختیار کرے جو حقائق ثابت شدہ سے بالکل مغائر اور منافی پڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً اگر ایک ڈاکٹر ہی سے اس بات کا تذکرہ ہو کہ سم الفار اور وہ زہر جو تلخ بادام سے تیار کیا جاتا ہے اور بیش یہ تمام زہریں نہیں ہیں۔ اور اگر اُن کو دو دو سیر کے قدر بھی انسان کے بچوں کو کھلایا جاوے تو کچھ ہرج نہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ دیوے کہ فلاں مقدس کتاب میں ایسا ہی لکھا ہے اور راوی معتبر ہے۔ تو کیا وہ ڈاکٹر صاحب اس مقدس کتاب کا لحاظ کرکے ایک ایسے امر کو چھوڑ دیں گے جو قیاس استقرائی سے ثابت ہو چکا ہے۔ غرض جبکہ قیاس استقرائی دنیا کے حقائق ثابت کرنے کے لیئے اوّل درجہ کا مرتبہ رکھتا ہے تو اسی

حجت ہے اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے قیاس استقرائی کو ہی پیش کیا - اور فرمایا **قد خلت من قبلہ الرسل** یعنی حضرت مسیح علیہ السلام بے شک نبی تھے اور اللہ جل شانہ کے پیارے رسول تھے مگر وہ انسان تھے - تم نظر اٹھا کر دیکھو کہ جب سے یہ سلسلہ تبلیغ اور کلام الٰہی کے نازل کرنے کا شروع ہوا ہے ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا مرتبہ پا کر دنیا میں آتے رہے ہیں یا کبھی اللہ تعالےٰ کا بیٹا بھی آیا ہے اور **خلت** کا لفظ اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ جہاں تک تمہاری نظر تاریخی سلسلہ کو دیکھنے کے لیئے وفا کر سکتی ہے اور گزشتہ لوگوں کا حال معلوم کر سکتے ہو خوب سوچو اور سمجھو کہ کبھی یہ سلسلہ ٹوٹا بھی ہے - کیا تم کوئی ایسی نظیر پیش کر سکتے ہو جس سے ثابت ہو سکے کہ یہ امر ممکنات میں سے ہے - پہلے بھی کبھی ہوتا ہی آیا ہے - سو عقلمند آدمی اس جگہ ٹھہر کر اور اللہ جل شانہ کا خوف کر کے دل میں سوچے کہ حادثات کا سلسلہ اس بات کو چاہتا ہے کہ اسکی نظیر بھی کبھی کسی زمانہ میں پائی جاوے -

ہاں اگر بائبل کے وہ تمام انبیاء اور صلحاء جن کی نسبت بائبل میں بھی الفاظ موجود ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے بیٹے تھے یا خدا تھے حقیقی معنوں پر حمل کر لیئے جاویں تو بیشک اس صورت میں ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ خدا تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ بیٹے بھی بھیجا کرتا ہے بلکہ بیٹے کیا کبھی کبھی بیٹیاں بھی اور بظاہر یہ دلیل تو عمدہ معلوم ہوتی ہے اگر حضرات عیسائی صاحبان اس کو پسند فرما دیں اور کوئی اس کو توڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ حقیقی غیر حقیقی کا تو وہاں کوئی ذکر ہی نہیں بلکہ بعض کو تو پہلوٹا ہی لکھدیا ہاں اس صورت میں بیٹوں کی میزان بہت بڑھ جائیگی - غرضکہ **اللہ جل شانہ** نے سب سے پہلے ابطال الوہیت کے لیئے یہی دلیل استقرائی پیش کی ہے - پھر بعد اس کے ایک اور دلیل پیش کرتا ہے **وامہ صدیقہ** یعنی والدہ حضرت مسیح کی راستباز تھی - یہ تو ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح ع کو اللہ جلشانہ کا حقیقی بیٹا فرض کر لیا جاوے تو پھر یہ ضروری امر ہے کہ وہ دوسروں کی طرح ایسی والدہ کے اپنے تولد میں محتاج نہ ہوں جو باتفاق فریقین انسان تھی - کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر اور کھلی کھلی ہے کہ قانون قدرت اللہ جل شانہ کا اسی طرح پر واقع ہے کہ ہر ایک جاندار کی اولاد اسکی نوع کے موافق ہوا کرتی ہے - مثلاً دیکھو کہ جس قدر جانور ہیں مثلاً انسان اور گھوڑا اور گدھا اور ہر ایک پرندہ وہ اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے وجود پذیر ہوتے ہیں یہ تو نہیں ہوتا کہ انسان کبھی پرندہ سے پیدا ہو جاوے یا پرند کسی انسان کے پیٹ سے نکلے پھر ایک تیسری دلیل یہ پیش کی ہے **کانا یاکلان الطعام** یعنی وہ دونوں حضرت مسیح اور آپکی والدہ صدیقہ کھانا کھایا کرتے تھے اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کیوں کھانا کھاتا ہے اور کیوں کھانا کھانے کا محتاج ہے - اس میں اصل بھید یہ ہے کہ ہمیشہ انسان

کے بدن میں سلسلہ تحلیل کا جاری ہے۔ یہاں تک کہ تحقیقات قدیمہ اور جدیدہ سے ثابت ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ جیسے اگر روح کو یکدفعہ کوئی خوشی پہونچتی ہے تو اُس خوشی کے آثار یعنی بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے اور کبھی جسم کے آثار ہنسنے رونے کے روح پر پڑتے ہیں۔ اب جبکہ یہ حال ہے تو کس قدر مرتبہ خدائی سے یہ بعید ہوگا کہ اپنے اللہ کا جسم بھی ہمیشہ اُڑتا رہے اور تین چار برس کے بعد اَور جسم آوے ماسوا اسکے کھانے کا محتاج ہونا بالکل اس مفہوم کے مخالف ہے جو خدا تعالےٰ کی ذات میں مسلّم ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح اُن حاجتمندیوں سے بری نہیں تھے جو تمام انسانوں کو لگی ہوئی ہیں۔ پھر یہ ایک عمدہ دلیل اس بات کی ہے کہ وہ باوجود ان دردوں اور دُکھوں کے خدا ہی تھے یا ابن اللہ تھے اور درد ہمنے اس لیئے کہا کہ بھوک بھی ایک قسم درد کی ہے اور اگر زیادہ ہوجائے تو موت تک نوبت پہونچاتی ہے ✣

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ از جانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ از جانب عیسائی صاحبان

جواب
از طرف مسٹر عبداللہ آتھم صاحب مسیحی

اگر یہ جناب کا قول صحیح ہے کہ ہر امر کی حقیقت تجربہ ہی پر مدار رکھتی ہے یعنے جو تجربہ کے برخلاف ہے وہ باطل ہے۔ تب تو ہمکو صفت خالقہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے تجربہ میں کوئی چیز خلق نہیں ہوتی اور آدم کا بغیر والدین پیدا ہونے کا بھی انکار کرنا پڑے گا اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا ہم کیوں کریں کیونکہ ناممکن مطلق ہم اُس کو کہتے ہیں جو کوئی امر کسی صفت ربانی کے مخالف ہو اور یہ چیزیں جو ہمارے تجربہ کے باہر ہیں مثلاً خلقت کا ہونا یعنی بلا سامان کے عدم سے وجود میں آنا اور آدم کا بخلاف سلسلہ موجودہ کے پیدا ہونا ہم کسی صفت مقدسہ خدائے تعالےٰ کے مخالف نہیں دیکھتے۔

دوم۔ بجواب آپ کے دوسرے مقدمہ کے آپ کو یقین ہونا چاہیئے کہ ہم اُس شے مرئی کو جو کھانے پینے وغیرہ حاجتوں کے ساتھ ہے اللہ نہیں مانتے بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں اور یہ ایک

ایسا مقدمہ ہے جیسا قرآن میں بابت اُس آگ کے جو جھاڑی میں نظر آتی تھی لکھا ہے کہ اے موسیٰ اپنی نعلین دُور کر کیونکہ یہ وادی طوی ہے اور کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں موسیٰ نے اس کو تسلیم کیا۔ اب فرمائیے شے مرئی تو خدا نہیں ہو سکتی۔ اور رویت مرئی تھی۔ پس ہم اس کو مظہر اللہ کہتے ہیں۔ اللہ نہیں کہتے۔ ویسے ہی یسوع مخلوق کو ہم اللہ نہیں کہتے۔ بلکہ مظہر اللہ کہتے ہیں۔ کیا یہ ستون جو خشت وخاک کا سامنے نظر کے ہے اُس میں سے اگر خدا آواز دیکر کہنا چاہے کہ میں تمہارا خدا ہوں اور میری فلاں بات سُنو۔ تو گو تجربہ کے برخلاف یہ امر ہے۔ تو کیا امکان کے برخلاف ہے کہ خدا ایسا نہیں کرسکتا۔ (ہمارے نزدیک تو امکان کے برخلاف نہیں)

سوم۔ ہمنے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا۔ ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں جسم نہیں۔

چہارم امر کے بارہ میں ہماری التماس یہ ہے کہ بیشک تاویل طلب امر کو تاویل کرنا چاہیئے لیکن حقیقت کو چاہیئے کہ تاویل کو نہ بگاڑے۔ اگر کوئی حقیقت برخلاف امر واقعی کے ہے تو بالمرہ حکم بطلان کا اُسپر دینا چاہیئے نہ کہ بطلان کو مروڑ کے حق بنانا۔

پنجم امر کے بارہ میں جناب کی خدمت میں واضح ہو کہ لفظ بیٹے اور پہلوٹھے کا بائبل میں دو طرح پر بیان ہوا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ یکتن ساتھ خدا کے ہو۔ دوم یہ کہ یک من ساتھ رضا الٰہی کے ہو۔ (یکتن وہ ہے جو ماہیت میں واحد ہو۔ اور یک من وہ ہے جو ماہیت کا شریک نہیں بلکہ رضا کا شریک ہو) کس نبی یا بزرگ کے بارہ میں بائبل میں یہ لکھا ہے کہ اے تلوار میرے چرواہے اور ہمتا پر اُٹھ (زکریا ۱۳-۷) اور پھر کس کے بارہ میں ایسا لکھا ہے کہ تخت داؤدی پر یہوداصد قنو آویگا (یرمیا) اور کس نے یہ کہا کہ میں الفا او میگا وقادر مطلق خداوند ہوں اور کس کے بارہ میں یہ لکھا گیا کہ میں جو حکمت ہوں قدیم سے خدا کے ساتھ رہتی تھی اور میرے وسیلہ سے یہ ساری خلقت ہوئی اور یہ کہ جو کچھ خلقت کا ظہور ہے اسی کے وسیلہ سے ہے خدا باپ کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن اکلوتے (خدا) نے اسے ظاہر کر دیا (یوحنا ۱-۱۸)

اب اسپر انصاف کیجئے کہ یہ الفاظ متعلق یکتن کے ہیں یا یک من کے۔ نیز یہ بھی ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے۔ یسعیاہ ۹-۶ میں کہ وہ جو بیٹا ہمکو بخشا جاتا ہے اور فرزند تولد ہوتا ہے وہ ان خطابوں سے مزین ہے یعنی خدائے قادر۔ آب ابدیت۔ شاہ سلامت۔ مشیر۔ عجوبہ۔ تخت داؤدی پر آنے والا جس کی سلطنت کا زوال کبھی نہ ہوگا۔

ششم جو آپ نے قرآن سے استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں ابتک اُسکے الہامی ہونے کا قائل نہیں جب آپ اسکو الہامی ثابت کر کے قائل کر دیں گے تو اُس کی سندات آپ ہی مانی جائیں گی۔

ہفتم - جناب من فطرت یا خلقت فعل الٰہی ہے اور الہام قول الٰہی فعل اور قول میں تناقض نہیں ہونا چاہیئے اگر کوئی کلام مبہم معلوم ہووے یا بادی النظر میں مشکل معلوم ہووے تو اسکی تاویل ہم معقولات ہی سے کرینگے ورنہ کہاں جائینگے ؟ چنانچہ جناب نے خود ہی فرمایا کہ امور تاویل طلب کی تاویل واجب ہے - اور جناب اس سے بھی بڑھکر فرماتے ہیں کہ تجربہ کے برخلاف ہم کچھ نہ لیویں گے - تو گویا یہ بھی رجوع کرنا طرف فطرت کے ہے جس کے ہم کلّیۃً متفق نہیں ہیں -

ہشتم - بجواب آٹھویں کے اتنی ہی عرض ہے کہ جہاں بیٹے حقیقی اور غیر حقیقی کی امتیاز بائبل میں نہ ہو تو ہماری عقل کو روک نہیں کہ ہم اُس میں امتیاز نہ کریں اور دوسروں کے ساتھ بھی اگر یہی صفات ملحقہ ہوں جیسے مسیح کے ساتھ ہیں تو ہم اُن کو بھی مسیح جیسا مان لیں گے +

دستخط بحروف انگریزی
(ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان)

دستخط بحروف انگریزی
(غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام)

دوسرا پرچہ

مباحثہ ۲۳۔ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ اور آج پادری جے۔ ایل ٹھاکرداس صاحب بھی جلسہ میں تشریف لائے یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے منظور ہوئی کہ کوئی تحریر جو مباحثہ میں کوئی شخص اپنے طور پر قلمبند کرے قابل اعتبار نہ سمجھی جائے جب تک کہ اُسپر ہر دو میر مجلس صاحبان کے دستخط نہ ہوں۔

اُسکے بعد ۶ بجے ۳۰ منٹ اوپر مرزا صاحب نے اپنا سوال لکھانا شروع کیا اور اُن کا جواب ختم نہ ہوا تھا کہ اُن کا وقت گزر گیا۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب اور میر مجلس عیسائی صاحبان کی طرف سے اجازت دیگئی کہ مرزا صاحب اپنا جواب ختم کرلیں اور ۱۶ منٹ کے زائد عرصہ میں جواب ختم کیا۔ بعد ازاں یہ قرار پایا کہ مقررہ وقت سے زیادہ کسی کو نہ دیا جائے۔ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے ۸ بجے ۱۱ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا۔ درمیان میں فہرست آیات کے پڑھے جانے کے متعلق تنازعہ میں صرف ہوا یعنی ۵ منٹ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کے وقت میں ایزاد کیئے گئے اور ۹ بجے ۱۶ منٹ پر جواب ختم ہوا۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۷ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۷ منٹ پر ختم ہوگیا اور بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیئے گئے اور تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریذیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریذیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کل ۲۲- مئی ۱۸۹۳ء کو جو مَیں نے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب سے سوال کیا تھا۔ اُس میں قابل جواب تو امر تھے سب سے پہلے میں نے یہ لکھا تھا کہ فریقین پر لازم وواجب ہوگا کہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے سوال وجواب تحریر کریں۔ پھر ساتھ ہی اسکے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ہر ایک دلیل یعنے دلیل عقلی اور دعوے جس کی تائید میں وہ دلیل پیش کیجائے اپنی اپنی کتاب کے حوالہ اور بیان سے دیا جائے میرا اس میں یہ مدعا تھا کہ ہر ایک کتاب کی اس طور سے آزمائش ہو جائے کہ اُن میں یہ قوت اعجازی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں جو مثلاً قرآن کریم پر قریب تیرہ سو برس کے گزر گئے۔ جب وہ نازل ہوا تھا۔ ایسا ہی انجیل پر قریب انیس سو برس کے گزرتے ہیں۔ جب انجیل حواریوں کی تحریر کے مطابق شائع ہوئی۔ تو اس صورت میں صرف اُن منقولات پر مدار رکھنا جو اُن کتابوں میں لکھی گئی ہیں اُس شخص کے لئے مفید ہوگا جو اُن پر ایمان لاتا ہے اور اُن کو صحیح سمجھتا ہے اور جو معنی اُن کے کیئے جاتے ہیں۔ اُن معنوں پر بھی کوئی اعتراض نہیں رکھتا لیکن اگر معقولی سلسلہ اس کے ساتھ شامل ہو جاوے تو اس سلسلہ کے ذریعہ سے بہت جلد سمجھ آجائیگا کہ خدا تعالےٰ کا سچا اور پاک اور کامل اور زندہ کلام کون سا ہے سو میرا یہ مطلب تھا کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فی حد ذاتہٖ کامل ہے اور تمام مراتب ثبوت کے وہ آپ پیش کرتی ہے تو پھر اُسی کتاب کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے اثبات دعاوی کے لیئے دلائل معقولی بھی آپ ہی پیش کرے نہ یہ کہ کتاب پیش کرنے سے بالکل عاجز اور ساکت ہو اور کوئی دوسرا شخص کھڑا ہو کر اُسکی حمایت کرے اور ہر ایک منصف بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر اس طریق کا التزام فریقین اختیار کریں تو احقاق حق اور ابطال باطل بہت سہولیت سے ہو سکتا ہے مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب جو پہلے سے یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ انجیل درحقیقت ایک کامل کتاب ہے وہ اس دعوے کے ساتھ ضرور اس بات کو مانتے ہوں گے کہ انجیل اپنے دعاوی کو معقولی طور پر آپ پیش کرتی ہے۔ لیکن صاحب موصوف کے کل کے جواب سے مجھے بہت تعجب اور افسوس بھی ہوا کہ صاحب موصوف نے اس طرف ذرا توجہ نہیں فرمائی بلکہ اپنے جواب کی دفعہ ششم میں مجھکو مخاطب

کرکے فرماتے ہیں کہ "آپ نے قرآن سے جو استدلال کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں ابتک اُسکے الہامی ہونے کا قائل نہیں جب آپ اُسکو الہامی ثابت کرکے قائل کردیں گے تو اُس کی سندات آپ ہی مانی جائیں گی"۔ اب ہر ایک سوچنے والا غور کرسکتا ہے کہ میرا یہ منشا کب تھا کہ وہ ہر ایک بات قرآن شریف کی بے تحقیق مان لیں۔ میں نے تو یہ لکھا تھا یعنی میرا یہ منشا تھا کہ دلائل عقلیہ جو فریقین کی طرف سے پیش ہوں وہ اپنے ہی خیالات کے منصوبوں سے پیش نہیں ہونی چاہئیں بلکہ چاہیئے کہ جس کتاب نے اپنے کامل ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ دعویٰ بھی بتصریح ثابت کردیا جاوے اور پھر وُہی کتاب اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لیئے معقولی دلیل پیش کرے اور اس طور کے التزام سے جو کتاب اخیر پر غالب ثابت ہوگی اُس کا یہ اعجاز ثابت ہوگا۔ کیونکہ قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ میں کامل کتاب ہوں جیسا کہ فرماتا ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (سیپارہ ۶۔ رکوع ۹۶) اور جیسا کہ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ان ھذا القراٰن یھدی للتی ھی اقوم (سیپارہ ۱۵۔ رکوع ۱) دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے کہ آج میں نے دین تمہارا تمہارے لیئے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پُورا کیا۔ اور یہ قرآن ایک سیدھے اور کامل راہ کی طرف رہبری کرتا ہے یعنی رہبری میں کامل ہے اور رہبری میں جو لوازم ہونے چاہئیں دلائل عقلیہ اور برکات سماویہ میں سے وہ سب اس میں موجود ہیں اور حضرات عیسائی صاحبوں کا یہ خیال ہے کہ انجیل کامل کتاب ہے اور رہبری کے تمام لوازم انجیل میں موجود ہیں پھر جبکہ یہ بات ہے تو اب دیکھنا ضرور ہوا کہ اپنے دعویٰ میں صادق کون ہے۔ اسی بنا پر الوہیت حضرت مسیح کے دلائل بھی جو معقولی طور پر ہوں انجیل سے پیش کرنے چاہئیں تھے جیسا کہ قرآن کریم نے ابطال الوہیت کے دلائل معقولی طور پر بھی علاوہ اَور دلائل کے جو برکات وغیرہ انوار سے اپنے اندر رکھتا ہے پیش کیئے۔ سو اب اُمید کہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب ہمارے سوال کا منشاء سمجھ گئے ہوں گے تو چاہیئے کہ اس منشاء کے مطابق انجیل کی طاقت اور قُوت سے ایسے دلائل پیش کیئے جائیں نہ اپنی طرف سے اور جو شخص ہم فریقین میں سے اپنی طرف سے کوئی معقولی دلیل یا کوئی دعوے پیش کرے گا تو ایسا پیش کرنا اُس کا اس بات پر نشان ہوگا کہ اُس کی وہ کتاب کمزور ہے اور وہ طاقت اور قوّت اپنے اندر نہیں رکھتی جو کامل کتاب میں ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ جائز ہوگا کہ اگر کوئی کتاب کسی معقولی دلیل کو اجمالی طور پر پیش کرے مگر ایسے طور سے کہ اُس کا پیش کرنا کوئی امر مشتبہ نہ ہو اور اسی کے سیاق سباق اور اُسی کے اَور دوسرے مقامات سے پتہ مِل سکتا ہو کہ اُس کا یہی منشاء ہے کہ ایسی دلیل پیش کرے گو وہ دلیل اجمالی ہو مگر ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ عوام کے سمجھانے کے لیئے کچھ بسط کے ساتھ اس دلیل کے مقدمات بیان کردیوے لیکن یہ ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کرکے الہامی

کتاب کی ایسے طور سے مدد دی جائے کہ جیسے ایک کمزور اور بے طاقت انسان کو یا ایک میت کو
اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے۔ پھر بعد اس کے استقراء کے بارے میں جو
مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جرح کیا ہے وہ جرح بھی قلت تدبر کی وجہ سے ہے وہ فرماتے
ہیں کہ اگر یہ قول یعنی دلیل استقراء صحیح سمجھی جائے جو قرآن کریم پیش کرتا ہے تو پھر آدم کا بغیر والدین
پیدا ہونا قابل تسلیم نہیں ہوگا اور صفت خالقیہ کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ افسوس کہ صاحب موصوف
اس بات کے سمجھنے سے غافل رہے کہ دلائل استقرائیہ میں یہی قاعدہ مسلم الثبوت ہے کہ جبتک
اس حقیقت ثابت شدہ کے مقابل پر جو بذریعہ دلیل استقرائی کے ثابت ہو چکی ہے کوئی امر اس کا
مخالف اور جائز پیش نہ کیا جائے جس کا ظاہر ہونا بھی بہ پایہ ثبوت پہنچ چکا ہے تب تک دلیل
استقرائی ثابت اور برقرار رہیگی۔ مثلاً انسان کا ایک سر ہوتا ہے اور دو آنکھ۔ تو اس کے مقابل پر
صرف اس قدر کہنا کافی نہیں ہوگا کہ ممکن ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہوں جن کے دس سر
اور بیس آنکھ ہوں بلکہ ایسا انسان کہیں سے پکڑ کر دکھلا بھی دینا چاہیئے۔ اس بات میں فریقین میں سے
کس کو انکار ہے کہ حضرت آدم ع بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے اور اُن کی نسبت
سنت اللہ اسی طرح پر ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن امر متنازعہ فیہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو
فریقین کے نزدیک مسلم اور ثابت شدہ قرار پائی ہو بلکہ فریق مخالف حضرات عیسائیوں کے جو کتاب ہے
یعنی **قرآن کریم** وہ آپ سے یہ بات پیش کرتا ہے کہ دلیل استقرائی سے یہ امر باطل ہے
اب اگر یہ دلیل تام اور کامل نہیں ہے تو چاہیئے کہ انجیل میں سے یعنی حضرت مسیح کے کلام میں سے
اس کے مخالف کوئی دلیل پیش کیجائے جس سے ثابت ہو کہ یہ دلیل پیش کردہ قرآن کی یہ ضعف
رکھتی ہے اور خود ظاہر ہے کہ اگر دلائل استقرائیہ کو بغیر پیش کرنے نظیر مخالف کے یوں ہی رد کر دیا
جائے تو تمام علوم و فنون ضائع ہو جائیں گے اور طریق تحقیق بند ہو جائیگا۔ مثلاً میں مسٹر عبداللہ
آتھم صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ کسی اپنے ملازم کو ایک ہزار روپیہ بطور امانت کے
رکھنے کو دیں اور وہ روپیہ صندوق میں بند ہو اور تالی اس کی اُس ملازم کے پاس ہو اور کوئی صورت
اور کوئی شبہ چوری جانے مال کا نہ ہو اور وہ آپ کے پاس یہ عذر پیش کرے کہ حضرت وہ روپیہ
پانی ہو کر بہ گیا ہے یا ہوا ہو کر نکل گیا ہے تو کیا آپ یہ اُس کا عذر قبول کرلینگے۔ آپ فرماتے ہیں کہ
جب تک کوئی امر صفات الٰہیہ کے مخالف نہ پڑے تب تک ہم اس کو جائز اور ممکن کی ہی مد میں
رکھینگے۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ ایک مدت تک عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی پر مامور رہکر
مقدمات دیوانی و فوجداری وغیرہ کرتے رہے ہیں۔ کیا اس عجیب طرز کا بھی کوئی مقدمہ آپ نے
کیا ہے کہ ایسے بیہودہ عذر کو قابل اطمینان علاالتفت قرار دیکر فریق عذر کنندہ کے حق میں ڈگری

کردی ہو۔ حضرات آپ پھر ذرا توجہ سے غور کریں کہ یہ بات ہرگز درست نہیں ہے کہ جو شخص دلائل استقرائیہ کے برخلاف کوئی امر جدید اور خلاف دلائل استقراء پیش کرے تو اس امر کو بدون اس کے کروہ نظائر سے ثابت کردیا جائے قبول کرلیں اور یہ نظیر جو آپ نے پیش کی ہے کہ اس صورت میں ہمکو صفت خالقیت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ میں حیران ہوں کہ یہ دلیل کیوں پیش کی ہے اور اس محل سے اس دلیل کو تعلق ہی کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں اور مسلمانوں اور عیسائیوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صفات الٰہیہ جو اس کے افعال سے متعلق ہیں یعنی خلق وغیرہ سے وہ اپنی مفہوم میں قوت عموم کی رکھتی ہیں یعنی اُن کی نسبت یہ مان لیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ابدی ازلی طور پر اُن صفات سے کام لے سکتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم کو جو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ہے تو کیا ہم فریقین میں کوئی اپنی کتاب کی رُو سے ثبوت دے سکتا ہے کہ اس طرز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت جو استقراء سے ثابت ہے اس حد تک ختم ہوچکی ہے۔ بلکہ فریقین کی کتابیں اس بات کو ظاہر کررہی ہیں کہ اللہ جل شانہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے ایسا ہی وہ پھر بھی پیدا کرسکتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اولیس الذی خلق السّمٰوٰت والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم بلٰی وھو الخلّاق العلیم۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیءٍ والیہ ترجعون (س ۲۳ - ر ۴) کیا وہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان تمام چیزوں کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کرے بیشک قادر ہے اور وہ خلاق علیم ہے یعنی خالقیت میں وہ کامل ہے اور ہر ایک طور سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ حکم اس کا اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔ پھر ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے الحمد للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین یعنی تمام محامد اللہ کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے یعنی اُس کی ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے وھو بکل خلق علیم یعنی وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے اور ڈپٹی عبداللہ صاحب نے جو چند پیشگوئیاں اپنے تائید دعویٰ میں پیش کی ہیں وہ ہماری شرط سے بالکل مخالف ہیں۔ ہماری شرط میں یہ بات داخل ہے کہ ہر ایک دعوے اور دلیل اُس کی الہامی کتاب آپ پیش کرے۔ ماسوا اس کے ڈپٹی صاحب کو اس بات کی خوب خبر ہے کہ یہ پیشگوئیاں صرف زبردستی کی راہ سے حضرت مسیح پر جمائی جاتی ہیں اور ایسے طور کی یہ پیشگوئیاں نہیں ہیں کہ اوّل حضرت مسیح نے آپ پوری پیشگوئی نقل کرکے ان کا مصداق اپنے تئیں ٹھہرایا ہو

اور مفسرین کا اسپر اتفاق بھی ہو اور اصل عبری زبان سے اسی طور سے ثابت بھی ہوتی ہوں - سو یہ بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے - جب تک آپ اس التزام کے ساتھ اس کو ثابت نہ کردیں تب تک یہ بیان آپ کا ایک دعوے کے رنگ میں ہے جو خود دلیل کا محتاج ہے - چونکہ ہمیں ان پیشگوئیوں کی صحت اور پھر صحت تاویل اور پھر صحت ادعا مسیح ؑ میں آپ کے ساتھ اتفاق نہیں ہے اور آپ مدعی صحت ہیں تو یہ آپ پر لازم ہوگا کہ آپ ان مراتب کو مصفا اور منقح کرکے ایسے طور سے دکھلاویں کہ جس سے ثابت ہوجائے کہ ان پیشگوئیوں کی تاویل میں یہودی جو اصل وارث توریت کے کہلاتے ہیں وہ بھی آپ کے ساتھ ہیں اور کل مفسر بھی آپ کے ساتھ ہیں اور حضرت مسیح نے بھی تمام پیشگوئیاں جو آپ ذکر کرتے ہیں بحوالہ کتاب و باب و آیت پورے طور پر بیان کرکے اپنی طرف منسوب کی ہیں اور آپکی رائے کے مخالف آج تک کسی وارث توریت نے اختلاف بیان نہیں کیا اور صاف طور پر حضرت مسیح ابن مریم کے بارہ میں جن کو آپ خدائی کے رتبہ پر قرار دیتے ہیں قبول کرلیا ہے اور اُن کے خدا ہونے کے لیئے یہ ثبوت کافی سمجھ لیا ہے تو پھر ہم اُسکو قبول کرلیں گے اور بڑے شوق سے آپ کے اس ثبوت کو سُنیں گے - لیکن اس نازک مسئلہ کی زیادہ تصریح کے لیئے پھر یاد دلاتا ہوں کہ آپ جب تک ان تمام مراتب کو جو میں نے لکھے ہیں بغیر کسی اختلاف کے ثابت کرکے نہ دکھلاویں اور ساتھ ہی یہود کے علماء کی شہادت ان پیش گوئیوں کی بنا پر حضرت ابن مریم کے خدا ہونے کے لیئے پیش نہ کریں - تب تک یہ قیاسی ڈھکوسلے آپ کے کسی کام نہیں آسکتے - دوسرا حصہ اس کا جواب الجواب میں بیان کیا جائیگا - اب وقت تھوڑا ہے -

دستخط دستخط

بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

جواب

از طرف مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب مسیحی

اوّل - بجواب آپ کے اے مرزا صاحب میرے مکرم! میں لفظ استقراء کی شرح کا

آپ سے طلبگار ہوں۔ کیا آپکی مراد تجربہ یا معمول سے نہیں جو اس کے سوا ہو وہ فرما دیجئے۔

دوم ۔ آپنے کے دوسرے مقدمہ میں جو آپ فرماتے ہیں کہ الہام شرح اپنی آپ ہی کرے اور اس کو محتاج معقولات کا نہ کیا جائے بہت سا حصہ صحیح ہے مگر سمجھنے کے واسطے الہام اور عقل کی وہی تشبیہ ہے جو آنکھ اور روشنی کی ہے۔ روشنی ہو اور آنکھ نہ ہو تو فائدہ نہیں ہے۔ آنکھ گو ہو اور روشنی نہ ہو تب بھی فائدہ نہیں۔ سمجھنے کے واسطے عقل مددگار ہے اور جس امر کو سمجھیں وہ چاہیئے کہ الہامی ہو۔ مراد میری یہ ہے کہ وہ امر جو مدد نہیں پاتا الہام سے اور صرف انسانی خیال کی گھڑت ہو وہ البتہ الہام میں شامل نہیں کیا جائیگا۔ مگر جو الہام میں ہے اور شمع الہامی ہے جو رکھی ہوتی ہے تو اُس کے واسطے عقل انسانی شمعدان ہو سکتی ہے؟

امر سوم ۔ جناب یہودیوں کا اتفاق ہم سے کیوں طلب کرتے ہیں جبکہ لفظ موجود ہیں اور لغت موجود ہے اور قواعد موجود ہیں خود معنی کرلیں جو معنی بن سکیں وہ ٹھیک ہیں۔ لفظ بلفظ کا میں ذمہ نہیں اُٹھا سکتا۔ مگر بالاجمال ساری نبوتوں کو اس مقدمہ میں مسیح نے اپنے اوپر لیا ہے۔ چنانچہ یوحنا کے ۵ باب ۳۹ آیت میں اور لوقا کے ۲۴ باب ۲۷ آیت میں یہ امر مشرح ہے یوحنا

تم نوشتوں میں ڈھونڈھتے ہو کیونکہ تم گمان کرتے ہو کہ اُن میں تمہارے لیئے ہمیشہ کی زندگی ہے اور یہ وے ہی ہیں جو مجھپر گواہی دیتے ہیں اور موسٰے اور سب نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اُس کے حق میں ہیں اُن کے لیئے تفسیر کیں۔

ماسوا اس کے بعض خاص نبوتیں بھی مسیح پر نوشتوں میں لگائی گئی ہیں۔ چنانچہ متی کے ۲۶ باب ۳۱ آیت میں اُس پیش خبری کا جو بابت ہمتا کے ہے حوالہ دیا گیا۔ علٰے ہذا القیاس بہت سی اور بھی مثالیں ہیں جنکی فہرست ذیل میں دیدیتا ہوں۔

یسعیا ۶ باب ۱ سے ۱۲ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۴۰ و ۴۱۔ اعمال ۲۸ باب ۲۶۔ پھر یسعیا ۴۰ باب ۳ ملاکی ۳ باب ۱ بمقابلہ متی ۳ باب ۳۔ ذکریا ۱۲ باب ۱ و ۱۰ بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷۔ یرمیا ۳۱ باب ۳۱۔ ۳۴ بمقابلہ عبرانی ۸ باب ۶ سے ۱۲۔ عبرانی ۱۰ باب ۱۲ سے ۱۹۔ خروج ۱۷ باب ۲۔ گنتی ۲۰ باب ۳ و ۴۔ گنتی ۲۱ باب ۴ و ۵۔ استثنا ۶ باب ۱۶۔ یہ چاروں مقام بمقابلہ پہلا قرنتی ۱۰ باب ۹ سے ۱۱ یسعیا ۴۱ باب ۴ و ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۱/۸-۱۱-۱۷ و ۲/۸ و ۲۱/۹ و ۲۲/۱۲ دیوئیل ۲/۳۲ بمقابلہ رومی ۱۰/۹ سے ۱۴ ویسعیا ۲۶/۱۴ و ۹/۱۰ بمقابلہ متی ۱/۲۳ +

زبان عبرانی سے جس امر کی آپ گرفت کریں موجود ہے ابھی پیش کیا جائے گا

چوتھا ۔ لفظ کمال کی جو جناب گرفت فرماتے ہیں کہ انجیل وجود کامل ہونی چاہیئے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس امر میں کامل۔ کیا سُنار کے کام میں یا لوہار کے کام میں؟ یہ تو دعوئے ہی

ان کتابوں کا نہیں - مگر راہِ نجات کے دکھلانے کے کام میں یہ دعوےٰ ان کا ہے - انجیل نے جو اس باب میں اپنا کمال دکھلایا وہ ہم پیش کر دیتے ہیں - چنانچہ لکھا ہے کہ "آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس سے ہم نجات پا سکیں سوائے مسیح کے" اور رومیوں کے خط میں لکھا ہے "اگر نجات فضل سے ہے تو عمل عمل نہیں واگر نجات عمل سے ہے تو فضل فضل نہیں" - اس سے پھر وُہی امر ثابت ہوا کہ مسیح نے خود کہا کہ "راہ حق اور زندگی مَیں ہی ہوں" (یوحنا ۱۴ باب ۶) اور یاد رکھنا چاہیئے کہ کلام الٰہی میں اکثر خداوند یہ فرمایا کرتا ہے - کہ میں ہی ہوں - میں ہوں - اور اُس کا ایما اس نام پر ہے جو موسےٰ سے خدا نے کہا کہ میرا نام مَیں ہوں سو ہوں اور اس نام سے میں پہلے معروف نہ تھا - یہ تجھکو جتایا جاتا ہے (خروج ۳ باب ۱۴ - آیت)

(قلّتِ وقت کے سبب جواب ناتمام رہا)

دستخط (بحروف انگریزی)
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط (بحروف انگریزی)
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام

بقیّہ بیانِ جوابِ حضرت مرزا صاحب

میرا جواب جو ناتمام رہ گیا تھا اب بقیہ حصہ اُسکا لکھواتا ہوں مسٹر عبداللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں " جو ہم جسمانی چیز کو جو مظہر اللہ تھی اللہ نہیں مانتے اور ہمنے ابن اللہ کو جسم نہیں مانا ہم تو اللہ کو روح جانتے ہیں " - صاحب موصوف کا یہ بیان بہت پیچیدہ اور دھوکہ دینے والا ہے - صاحب موصوف کو صاف لفظوں میں کہنا چاہیئے تھا کہ ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا جانتے ہیں اور ابن اللہ مانتے ہیں کیونکہ یہ بات تو ہر ایک شخص سمجھتا اور جانتا ہے کہ جسم کو ارواح کے ساتھ ایسا ضروری تلازم نہیں ہے کہ تا جسم کو حصہ دار کسی شخص کا ٹھہرایا جائے مثلاً انسان کو جو ہم انسان جانتے ہیں تو کیا بوجہ اُس کے ایک خاص جسم کے جو اس کو حاصل ہے انسان سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ خیال تو بہ بداہت باطل ہے کیونکہ جسم ہمیشہ معرض تحلل میں پڑا ہوا ہے چند برس کے بعد گویا پہلا جسم دُور ہوکر ایک نیا جسم آجاتا ہے اس صورت میں حضرت مسیح کی کیا خصوصیت ہے - کوئی انسان بھی باعتبار جسم کے انسان نہیں ہے بلکہ باعتبار روح کے انسان کہلاتا ہے - اگر جسم کی شرط ضروری

ہوتی تو چاہیئے تھا کہ مثلاً زید جو ایک انسان ہے ساٹھ برس کی عمر پانے کے بعد زید نہ رہتا بلکہ کچھ اور ہوجاتا کیونکہ ساٹھ برس کے عرصہ میں اُس نے کئی جسم بدلے۔ یہی حال حضرت مسیح کا ہے جو جسم مبارک اُن کو پہلے ملا تھا جس کے ساتھ انہوں نے تولد پایا تھا وہ تو نہ کفارہ ہو سکا اور نہ کسی کام آیا۔ بلکہ قریباً تیس برس کے ہوکر انھوں نے ایک اور جسم پایا اور اسی جسم کی نسبت خیال کیا گیا کہ گویا وہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور پھر ہمیشہ کے لیئے خدا تعالےٰ کے داہنے ہاتھ روح کے ساتھ شامل ہوکر بیٹھا ہے۔ اب جبکہ صاف اور صریح طور پر ثابت ہے کہ جسم کو روح کے صفات اور القاب سے کچھ تعلق نہیں اور انسان ہو یا حیوان ہو وہ باعتبار اپنے روح کے انسان یا حیوان کہلاتا ہے اور جسم ہر وقت معرض تحلل میں ہے تو اس صورت میں اگر حضرات عیسائی صاحبان کا یہی عقیدہ ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالیٰ ہے تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا ہم انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ ایسا ہی اگر حضرت مسیح کی روح انسانی روح کی سی نہیں ہے اور انہوں نے مریم صدیقہ کے پیٹ میں اس طریق اور قانون قدرت سے روح حاصل نہیں کی جس طرح انسان حاصل کرتے ہیں اور جو طریق طبابت اور ڈاکٹری کے ذریعہ سے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ تو اول تو یہ ثبوت دینا چاہیئے کہ اُن کے جنین کا نشوونما پانا کسی نرالے طریق سے تھا اور پھر بعد اس کے اس عقیدہ کو چھپ چھپ کر خوف زدہ لوگوں کی طرح اور پیراؤں اور رنگوں میں کیوں ظاہر کریں۔ بلکہ صاف کہہ دینا چاہیئے کہ ہمارا خدا مسیح ہے اور کوئی دوسرا خدا نہیں ہے جس حالت میں خدا اپنی صفات کاملہ میں تقسیم نہیں ہو سکتا اور اگر اُس کی صفات تامہ اور کاملہ میں سے ایک صفت بھی باقی رہ جائے تب تک خدا کا لفظ اُس پر اطلاق نہیں کر سکتے۔

تو اس صورت میں میری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ تین کیونکر ہو گئے۔ جب آپ صاحبوں نے اس بات کو خود مان لیا اور تسلیم کر لیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے لیئے ضروری ہے کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہو۔ تو اب یہ تقسیم جو کی گئی ہے کہ ابن اللہ کامل خدا۔ اور باپ کامل خدا۔ اور روح القدس کامل خدا۔ اس کے کیا معنی ہیں اور کیا وجہ ہے کہ یہ تین نام رکھے جاتے ہیں۔ کیونکہ تفریق ناموں کی اس بات کو چاہتی ہے کہ کسی صفت کی کمی و بیشی ہو۔

مگر جب کہ آپ مان چکے کہ کسی صفت کی کمی و بیشی نہیں تو پھر وہ تینوں اقنوم میں مابہ الامتیاز کون ہے جو ابھی تک آپ لوگوں نے ظاہر نہیں فرمایا۔ جس امر کو آپ مابہ الامتیاز قرار دیں گے وہ بھی منجملہ صفات کاملہ کے ایک صفت ہوگی جو اس ذات میں پائی جانی چاہیئے جو خدا کہلاتا ہے اب جبکہ اس ذات میں پائی گئی جو خدا قرار دیا گیا تو پھر اُس کے مقابل پر کوئی اور نام تجویز کرنا یعنے ابن اللہ کہنا یا روح القدس کہنا بالکل لغو اور بیہودہ ہو جائیگا۔

آپ صاحب اس میرے بیان کو خوب سوچ لیں کیونکہ یہ دقیق مسئلہ ہے ایسا نہ ہو کہ جواب لکھنے کے وقت یہ امور نظر انداز ہو جائیں۔ خدا وہ ذات ہے جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور غیر کا محتاج نہیں اور اپنے کمال میں دوسرے کا محتاج نہیں۔ اور جو مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے دفعہ ۲ میں موسیٰ کی جھاڑی کی تمثیل پیش کی ہے یہ محل متنازعہ فیہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی۔ صاحب موصوف مہربانی فرما کر قرآن کریم سے ثابت کر کے دکھلاویں کہ کہاں لکھا ہے کہ وہ آگ ہی خدا تھی یا آگ ہی میں سے آواز آئی تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے۔ فلما جاءھا نودی ان بورک من فی النار ومن حولھا وسبحان اللہ رب العالمین (سورہ نمل۔ س۱۹ ر۱۶) یعنی جب موسیٰ آیا تو پکارا گیا کہ برکت دیا گیا ہے جو آگ میں ہے اور جو آگ کے گرد ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے تجسم اور تحیز سے اور وہ رب ہے تمام عالموں کا۔ اب دیکھئے اس آیت میں صاف فرمادیا کہ جو آگ میں ہے اور جو اسکے گرد میں ہے اس کو برکت دی گئی۔ اور خدا تعالیٰ نے پکار کر اس کو برکت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ میں وہ چیز تھی جس نے برکت پائی نہ کہ برکت دینے والا۔ وہ تو نودی کے لفظ میں آپ اشارہ فرمارہا ہے کہ اس نے آگ کے اندر اور گرد کو برکت دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آگ میں خدا نہیں تھا اور نہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے بلکہ اللہ جل شانہ اس وہم کا خود دوسری آیت میں ازالہ فرماتا ہے وسبحان اللہ رب العالمین یعنی خدا تعالیٰ اس حلول اور نزول سے پاک ہے وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔

اور اسی طرح خروج ۳ باب آیت ۲ میں لکھا ہے کہ اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے میں سے اسپر ظاہر ہوا۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب جو تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن میں اس موقعہ پر یہ بھی لکھا ہے "میں تیرے باپ اسحاق اور ابراہیم اور یعقوب کا خدا ہوں" یہ بیان سراسر خلاف واقع ہے۔ قرآن میں ایسا کہیں نہیں لکھا۔ اگر صاحب موصوف کے حوالجات کا ایسا ہی حال ہے کہ ایک خلاف واقعہ امر جرأت کے ساتھ تحریر فرمادیتے ہیں تو پھر وہ حوالجات جو توریت اور انجیل کے تحریر فرماتے ہیں وہ بھی کتابیں پیش کر کے ملاحظہ کے لائق ہوں گی۔

اور پھر صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ توریت میں مسیح کو یک تن اور انبیا کو یک من کر کے لکھا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ توریت میں نہ تو کہیں یک تن کا لفظ ہے اور نہ یک من کا۔ صاحب موصوف کی بڑی مہربانی ہوگی کہ یہ تشریح توریت کے رو سے ثابت کریں کہ توریت نے جب دوسرے انبیا کا نام ابناء اللہ رکھا تو اس سے مراد یک من ہونا تھا۔ اور جب مسیح علیہ السلام کا نام ابن اللہ

کہا تو اس کا لقب یک تن رکھدیا۔ میری دانست میں تو اَور انبیا حضرت مسیح علیہ السلام سے اس القاب بابی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حضرت مسیحؑ خود اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے ابن اللہ کہنے میں تم کیوں رنجیدہ ہوگئے۔ یہ کونسی بات تھی زبور میں تو لکھا ہے کہ تم سب الہٰ ہو۔

حضرت مسیح کے اپنے الفاظ جو یوحنا ۱۰ باب ۳۵ میں لکھے ہیں یہ ہیں کہ جیسے کہا تم خدا ہو جبکہ اُس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اب منصف لوگ اللہ تعالےٰ سے خوف کرکے اِن آیات پر غور کریں کہ کیا ایسے موقعہ پر کہ حضرت مسیحؑ کی ابنیت کے لیئے سوال کیا گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ پر یہ بات فرض نہ تھی کہ وہ حقیقت میں ابن اللہ تھے تو انہیں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں درحقیقت خدا تعالےٰ کا بیٹا ہوں اور تم آدمی ہو مگر انہوں نے تو ایسے طور سے الزام دیا جیسے اُنہوں نے مُہر لگا دی کہ میرے خطاب میں تم اعلےٰ درجہ کے شریک ہو مجھے تو بیٹا کہا گیا اور تمہیں خدا کہا گیا۔

پھر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ توریت میں اگرچہ دوسروں کو بھی بیٹا کہا گیا ہے مگر مسیح کی بہت بڑھکر تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعریفیں مسیح کے حق میں اُس وقت قابل اعتبار سمجھی جائینگی جس وقت ہماری شرائط پیش کردہ کے موافق اُس کو ثابت کردو گے۔ اور دوسری یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوحنا ۱۰ باب میں آپکی تاویل کے مخالف اور ہمارے بیان کے موافق ہیں۔ اور یہ خیالات آپ کے حضرت مسیح علیہ السلام نے خود رد فرما دیئے ہیں۔
بقیہ کا جواب آپ کے جواب کے بعد لکھا جائے گا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریذیڈنٹ)	(پریذیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

تیسرا پرچہ

مباحثہ ۲۴-مئی ۱۸۹۳ء

روئیداد

آج سولہ منٹ اوپر چھ بجے مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے اپنا جواب لکھنا شروع کیا۔ اور سولہ منٹ اوپر سات بجے ختم ہوا۔ اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ مرزا صاحب نے سات بجے پچاس منٹ اوپر جواب لکھنا شروع کیا اور آٹھ بجے چھیالیس منٹ پر ختم کیا اور پھر بلند آواز سے سنا دیا گیا۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے نو بجے پچیس منٹ پر شروع کیا اور دس بجے پچیس منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں۔ بعد ازاں چند ایک تجاویز صورت مباحثہ کے تبدیل کرنے کے متعلق پیش ہوئیں مگر سابقہ صورت ہی بحال رہی۔ اِس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح پریزیڈنٹ ازجانب اہل اسلام

مورخہ ۲۴-مئی ۱۸۹۳ء ازجانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

اوّل میں خوش ہوا یہ سنکر کہ پیدائش آدم و حوا میں دلیل استقراء نہیں لگ سکتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قاعدہ عامہ میں استثنا جائز ہے۔

اوّل - جناب جو فرماتے ہیں کہ مسیح کا جسم زوال پذیر تھا۔ اس واسطے نہ وہ کفارہ ہو سکا اور نہ کسی کام آیا اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہم انسانی جسم مسیح کو مسیح قرار نہیں دیتے مگر سارا وجود انسانی جو گناہ سے پاک تھا اور سوائے گناہ کے اور سب باتوں میں ہمارے مساوی اور مخلوق تھا اور ماسوائے انسانیت کے وہ مظہر اللہ بھی تھا یعنی جائے ظہور اللہ کا جس پاک انسانیت میں بار گناہان سب کا اپنے اوپر اٹھالیا اور اقنوم ثانی اللہ نے وہ بار اٹھوا دیا۔ اور یوں معاوضہ گناہاں کا ہو کر کفارہ پورا ہو گیا پھر وجود ثانی کے قائم و دائم رہنے کی کیا ضرورت تھی۔

دوم - آپ کا دوسرا اعتراض مسیح خدا تعالے ہے تو مظہر اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا انسان کو مظہر انسان کہا کرتے ہیں۔ **جواب** - مسیح انسان کو اس کی الوہیت متعلقہ کے مشابہ کیوں کرتے ہیں انسان میں تو جسم علیحدہ چیز ہے اور روح علیحدہ چیز ہے اور جان ایک علیحدہ شے ہے۔ چنانچہ روح وہ شے ہے جس کے متعلق صفات علم اور ارادہ کے ہیں۔ جسم وہ شے ہے جس میں نہ علم ہے نہ ارادہ ہے۔ جان وہ قانون ہے جو نباتات میں بھی غذا کو بذریعہ رگ و ریشہ کے پہنچاتی ہے لیکن خدا یا مظہر اللہ ان ساری علل سے علیحدہ ہے۔ اور وہ قائم فی نفسہ ہے۔

سوم - جناب میرزا صاحب کے خیال میں مسیح کی روح قانون قدرت کے موافق مریم سے حاصل ہوئی تھی اسی لیئے وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ مسیح کی انسانی روح اگرچہ قانون قدرت کے موافق نہیں پیدا ہوئی تاہم خلقیت میں مساوی ہے۔ اور اشتقاق روح کا دوسری روح سے نہیں ہوتا جو مریم سے شق ہو کے وہ روح آئی ہو کیونکہ روح جوہر فرد ہے اور کسی قانون اور آئین کا نام نہیں بلکہ شے جمع صفات و تعریف شخص کی ہے تو پھر آپ یوں کیوں فرماتے ہیں کہ مسیح کی روح مریم سے حاصل ہوئی تھی۔ کیوں نہ اس کو کہیں کہ نئی مخلوق ہوئی تھی اور ماسوا اس کے الوہیت سے اس بات کا کیا علاقہ ہے ہم تو بار بار کہہ چکے کہ مظہر اللہ ماسوا اسکے انسانیت کی ہے۔

چہارم - جناب کا سوال ہے کہ خدا منقسم نہیں ہو سکتا پھر تین خدا کیونکر ہوئے اور اس تقسیم کی استیانہ کی بنا کیا ہے۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ تثلیث کا یہ صورت واحدہ میں تو ایک ہے اور صورت ثانی میں تین ہیں اس کو ہم مشرح آیندہ تمہید میں کریں گے۔

صفت بینظیری کی صفت بیحدی سے نکلی ہے کیونکہ بے نظیر مطلق وہ شے ہو سکتی ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا ڈالے اور یہ امکان تب مٹ سکتا ہے کہ جب مکان گنجائش نظیر کا مٹ سکے یعنی وہ شے بیحد بھی ہو جس کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ قدامت اور ماہیت بیحدی اور بے نظیری کی واحد ہے کیونکہ نہیں کہہ سکتے کہ بے نظیری بے حدی سے کب نکلی اور کہاں رہتی ہے کیونکہ وہ بیحدی سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ پس اس نظیر سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک شے بمثل

بے حدی کے قائم فی نفسہ ہے اور دوسری شے مثل بے نظیری کے لازم اور ملزوم ساتھ اُس
بے حدی کے ہے اور خوب غور سے دیکھ لینا چاہیئے کہ ان دونوں صفتوں میں ایک تمہید
ایسی واقع ہے جس کو بداہت کہا جاوے تو یہ ہر دو ایک صورت میں تو ایک سی ہیں اور
دوسری صورت میں متفرق جیسے مثال ہمنے دو صفات سے دی ہے تو یہ صفات بجائے اجزاء
شے ہونے کے حاوی بر کل شے ہیں۔ ایسا ہی جسکو ہم کہتے ہیں خدا باپ اور وہ بمثل
بے حدی کے قائم فی نفسہ ہے اور جن کو ہم کہتے ہیں ابن و روح القدس وہ لازم و ملزوم ساتھ
خدا باپ کے ہیں۔

اب ہمنے اُن کی یہ تمیز دکھلا دی ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ ماہیت ان کی منقسم ہے پس ہم
مشرک بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم وحدہٗ لاشریک کے قائل ہیں۔ ہم تین خدا نہیں بناتے بلکہ ہم
تینوں اقانیم یا شخص مساوی یکدیگر کو صفات الٰہیہ سے کلام میں مزین پاتے ہیں اور یہ ماہیت
میں ایک ہیں اور فی نفسہ لازم و ملزوم ہونے کے باعث تین ہیں۔

پنجم۔ جناب استفسار فرماتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کر دکھلاؤ کہ وہ آگ ہی خدا
تھی یا آگ میں سے آواز آئی تھی اور یہ آواز جو آئی تھی کہ میں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا خدا ہوں
بجواب اس کے عرض یہ ہے کہ آواز غیب سے جو آئی اور جو مخاطب ساتھ موسٰی کے ہوئی اسکا
ذکر ابھی ہم نہیں کرتے لیکن وہ آواز یہ تھی کہ تحقیق میں تیرا رب ہوں (س طٰہٰ ر ۱) اگر جناب
یہ کہیں کہ آگ میں سے یہ آواز نہ تھی تو قرینہ الفاظ تو یہ نہیں ظاہر کرتا کہ سوائے آگ کے اور
جگہ سے ہووے۔

اور سورہ قصص میں یوں لکھا ہے کہ اسی آواز کے بارے میں جو آگ یا جھاڑی میں سے
آئی کہ تحقیق میں ہوں رب عالموں کا۔ اور تیسری آیہ ماسوائے ان دو آیات کے جو جناب نے
پیش کی ہے یہ جملہ کہ میں ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہوں یہ فی الواقع توریت میں ہے کہ
جس ہو بہو کا قرآن میں یہ غلط اقتباس ہوا ہے آپ نے میری غلطی مان لیں کہ میں نے توریت
کے الفاظ قرآن میں بیان کر دیئے مگر در اصل کچھ فرق نہیں کہ میں تیرا رب ہوں اور رب العالمین
ہوں اور اُسے جو توریت میں لکھا ہے کہ میں تیرے باپ ابراہیم و اسحاق و یعقوب کا خدا ہوں
نہ کم ہیں نہ زیادہ۔ دلیل مظہر اللہ کی اس سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ شے مرئی خدا نہیں ہو سکتا۔

ششم۔ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ یک تن اور یک من یہ ہر دو الفاظ توریت میں پائے
نہیں جاتے بجواب اس کے ہماری عرض ہے کہ ہمنے یہ استنباط کیا تھا یعنے خلاصہ نکالا تھا
اگر ایسا ہی آپ گرفت فرمائینگے تو یہ وہ نقل ہو جائے گی کہ ایک شخص محمد بخش نامی کو کسی نے

کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھا کرتا تو اُس نے کہا کہ کہاں لکھا ہے محمد بخش نماز پڑھا کرے۔ اب یہ کوئی دلیل نہیں مگر لطیفہ ہے۔

ھفتم۔ آپ ان الفاظ سے جو مسیح خداوند نے کہے کہ تم اس کو کفر نہیں کہتے ہو جو تمہاری قضات اور بزرگوں کو الوہیم کہا تب تو مجھکو ابن اللہ کہنے سے کیوں الزام دیتے ہو۔ یہودی لوگوں سے خداوند مسیح اپنے آپکو کہتے تھے کہ میں بیٹا خدا کا ہوں تو سنگسار کرنے کو طیار ہوتے کہ تو اپنے آپ کو بیٹا خدا کا کہہ کے مساوی خدا کا بناتا ہے اور یہ کفر ہے اس لیئے ہم تجھکو سنگسار کرتے ہیں۔ ہمارے خداوند نے اُن کے زعم کو اس طرح پر ہٹایا کہ مساوی خدا خدا ہوا۔ اگر میں نے اپنے آپ کو خدا کہا تو تمہارے بزرگوں کو خدایاں کہا گیا وہاں تم نے اُن کے کفر کا الزام کیوں نہ دیا۔ پس اُن کی یہ دہان بندی خداوند نے کردی نہ کہ اپنی الوہیت کا اُس نے انکار کردیا اور نہ اُس کا کچھ ثبوت پیش کیا۔ گویا اُس کی یہ علیحدہ بات رہی اور اُس میں نہ کمی کا اقرار ہے اور نہ زیادتی کا۔

ھشتم۔ یہ جو جناب فرماتے ہیں کہ مسیح کی تعریفیں توریت میں اور انبیاء سے بڑھکر بیان نہیں کی گئیں۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ اُن سب نے مدار نجات کا المسیح پر رکھا ہے پھر آپ ہی یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ مسیح کی صفات اَور نبیوں سے بڑھکر نہیں کی گئیں۔ کس نبی کے بارہ میں بجز مسیح یہ کہا گیا۔ کہ وہ ہمتائے خدا ہے۔ ذکریا باب ۱۳-۷۔ وہ ہیوا صدق و تخت داؤدی پر آنے والا ہے یرمیاہ باب ۲۳-۵و۶و۷۔ وہ خدائے قادر۔ اب ابدیت شاہ سلامت ہے۔ مشیر مصلح جو تخت داؤدی پر ابد تک سلطنت کریگا۔ یسعیاہ ۹-۶و۷۔

تتمتاً

بقایا دیروزہ جس میں جناب نے فضیلت کلام انجیل کی پوچھی ہے ملاحظہ فرمایئے۔ یوحنا کے باب ۱۲-۴۸ سے ۵۰ تک انجیل وہ کلام ہے کہ جس کے موافق عدالت سب لوگوں کی ہوگی یعنی کل عالم کی۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

جواب حضرت مرزا صاحب

۲۴- مئی ۹۳ سنہ ۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی قدر کل کے سوالات کا بقیہ رہ گیا تھا۔ اب پہلے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ **استقراء** کیا چیز ہے اور استقراء کی کیا تعریف ہے؟ اِس کے جواب میں واضح ہو کہ استقراء اُس کو کہتے ہیں کہ جزئیات مشہودہ کا جہاں تک ممکن ہے تتبع کر کے باقی جزئیات کا اُنہیں پر قیاس کر دیا جاوے۔ یعنی جس قدر جزئیات ہماری نظر کے سامنے ہوں یا تاریخی سلسلہ میں اُن کا ثبوت مل سکتا ہو تو جو ایک شان خاص اور ایک حالت خاص قدرتی طور پر وہ رکھتے ہیں اسی پر تمام جزئیات کا اُس وقت تک قیاس کریں جب تک اُن کے مخالف کوئی اور جزی ثابت ہو کر پیش نہ ہو۔ مثلاً جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں نوع انسان کی تمام جزئیات کا تتبع جہاں تک حد امکان میں ہے ہو کر یہ امر مسلّم الثبوت قرار پا چکا ہے کہ انسان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ تو اب یہ دو آنکھیں ہونے کا مسئلہ اُس وقت تک قائم اور برقرار سمجھا جائیگا جب تک اُس کے مقابل پر مثلاً چار یا زیادہ آنکھوں کا ہونا ثابت نہ کر دیا جائے۔

اسی بنا پر مَیں نے کہا تھا کہ اللہ جل شانہ کی یہ دلیل معقولی کہ قد خلت من قبلہ الرسل جو بطور استقراء کے بیان کی گئی ہے یہ ایک قطعی اور یقینی دلیل استقرائی ہے۔ جب تک کہ اس دلیل کو توڑ کر نہ دکھلایا جائے اور یہ ثابت نہ کیا جائے کہ خدا تعالےٰ کی رسالتوں کو لیکر خدا تعالےٰ کے بیٹے بھی آیا کرتے ہیں اُس وقت تک حضرت مسیح کا خدا تعالےٰ کا حقیقی بیٹا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ جل شانہ اس دلیل میں صاف توجہ دلاتا ہے کہ تم مسیح سے لیکر انبیا کے انتہائی سلسلہ تک دیکھ لو جہاں سے سلسلہ نبوت کا شروع ہوا ہے کہ بجز نوع انسان کے کبھی خدا یا خدا کا بیٹا بھی دنیا میں آیا ہے اور اگر یہ کہو کہ آگے تو نہیں آیا مگر اب تو آ گیا تو فن مناظرہ میں اس کا نام مصادرہ علی المطلوب ہے یعنے جو امر متنازعہ فیہ ہے اُسی کو بطور دلیل پیش کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ زیر بحث تو یہی امر ہے کہ حضرت مسیح ؑ اس سلسلہ متصلہ مرفوعہ کو توڑ کر کیوں کر بحیثیت ابن اللہ ہونے کے دنیا میں آ گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت آدمؑ نے بھی اپنی طرز جدید پیدایش میں اس سلسلہ معمولی پیدائش کو توڑا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو خود اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دلائل معقولی سے یا تاریخی سے سلسلہ استقراء کے مخالف کوئی امر خاص پیش کیا جائے

اور اُسکو ادلہ عقلیہ سے یا ادلہ تاریخیہ سے ثابت کرکے دکھلا دیا جائے تو ہم اس کو مان لینگے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ فریقین نے حضرت آدمؑ کی اس پیدایش خاص کو مان لیا ہے گو وہ بھی ایک سنت اللہ طرز پیدائیش میں ثابت ہو چکی ہے۔ جیسا کہ نطفہ کے ذریعہ سے انسان کو پیدا کرنا ایک سنت اللہ ہے۔ اگر حضرت مسیحؑ کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مشابہ کرنا ہے اور اس نظیر سے فائدہ اُٹھانا مدنظر ہے تو چاہیئے کہ جس طرح پر اور جن دلائل عقلیہ سے انتہائی سلسلہ نوع انسان کا حضرت آدمؑ کی پیدائیش خاص تسلیم کی گئی ہے اسی طرح پر حضرت مسیح کا ابن اللہ ہونا یا خدا ہونا اور سلسلہ سابقہ مشہودہ مشبتہ کو توڑ کر بحیثیت خدائی و ابنیت خدا تعالےٰ دنیا میں آنا ثابت کر دکھلاویں پھر کوئی وجہ انکار کی نہ ہوگی کیونکہ سلسلہ استقراء کے مخالف جب کوئی امر ثابت ہو جائے تو وہ امر بھی قانون قدرت اور سنت اللہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ سو ثابت کرنا چاہیئے۔ مگر دلائل عقلیہ سے پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب فرماتے ہیں کہ الہام چاہیئے کہ اپنی شرح آپ کرے۔ سو واضح ہو کہ اس میں ہمارا اتفاق رائے ہے۔ بیشک الہام صحیح اور سچے کے لیئے یہی شرط لازمی ہے کہ اُس کے مقامات مجملہ کی تفصیل بھی اُسی الہام کے ذریعہ سے کیجائے جیسا کہ قرآن کریم میں یعنی سورہ فاتحہ میں یہ آیت ہے اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم۔ اب اس آیت میں جو انعمت علیہم کا لفظ ہے یہ ایک مجمل لفظ تھا اور تشریح طلب تھا تو خدا تعالےٰ نے دوسرے مقام میں خود اُس کی تشریح کر دی اور فرمایا کہ فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین (س ۵ ر ۶)

اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف اپنی عبارت میں جس کا خلاصہ لکھتا ہوں یہ فرماتے ہیں کہ الہام الٰہی کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے دعاوی کو دلائل عقلیہ سے ثابت کرے بلکہ اُس کے لیئے صرف بیان کر دینا کافی ہوگا اور پھر اُس کتاب کے پڑھنے والے دلائل آپ پیدا کرلیں گے۔ یہ بیان ڈپٹی صاحب کا اُس روک اور حفاظت خود اختیاری کے لیئے ہے کہ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خدا تعالےٰ کی سچی کتاب کی یہ ضروری علامت اور شرط ہے کہ وہ دعوےٰ بھی آپ کرے اور اُس دعوےٰ کی دلیل بھی آپ بیان فرماوے تاکہ ہر ایک پڑھنے والا اُس کا دلائل شافیہ پاکر اُس کے دعاوی کو بخوبی سمجھ لیوے اور دعوےٰ بلا دلیل نہ رہے۔ کیونکہ ہر ایک متکلم کا ایک نقص سمجھا جاتا ہے کہ دعاوی کرتا چلا جائے اور اُن پر کوئی دلیل نہ لکھے۔ اب ڈپٹی صاحب موصوف کو یہ شرط سُن کر یہ فکر پڑی کہ ہماری انجیل اس مرتبہ عالیہ سے خالی ہے اور وہ کسی صورت سے قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بہتر ہے کہ کسی طرح سے اُس کو ٹال ہی دیا جائے سو میری دانست میں ڈپٹی صاحب موصوف کا انجیل شریف پر یہ ایک احسان ہے جو

آپ اُس کی پردہ پوشی کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ آپ نے اِن کلمات کے لکھتے وقت اِس بات کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ آپ ایک زمانہ دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے ہیں اور آپکو بخوبی معلوم ہے کہ کیونکر ایک حاکم بہ حیثیت اپنی حکومت کے متخاصمین میں فیصلہ کیا کرتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ صرف ڈگری یا ڈسمس کا حکم سُنا کر روبکار اخیر کا لکھنا جس میں مدلل وجوہات سے صادق کو صادق اور کاذب کو کاذب ٹھہرایا جاوے فضول سمجھا ہو اور یہ تو دنیا کا کام ہے اِس کے نقصان میں بھی چنداں ہرج نہیں لیکن اُس خدا تعالے کا کلام جو غلط فہمی پر جہنم ابدی کے وعید سُناتا ہے کیا وہ ایسا ہونا چاہیئے کہ صرف دعوے سُنا کر ایک عالم کو مصیبت میں ڈالدے اور اس دعوے کی براہین اور دلائل جن کا بیان کرنا خود اُسکا ذمہ تھا بیان نہ فرماوے۔ کیا اُس کی رحیمیت کا یہی تقاضا ہونا چاہیئے۔ ماسوا اس کے آپ جانتے ہیں کہ انبیا اُس وقت میں آیا کرتے ہیں کہ جب دنیا تاریکی میں پڑی ہوتی ہے اور عقلیں ضعیف ہوتی ہیں اور فکر ناتمام ہوتے ہیں اور جذبات نفسانیہ کے دُخان غلبہ اور جوش میں ہوتے ہیں۔ اب آپ انصاف کریں کہ کیا اس صورت میں خدا تعالے کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام کو ظلمت کے اُٹھا ڈالنے کے لیئے مدلل طور پر پیش کرے اور ظلمت سے نکالے نہ یہ کہ گول مول اور پیچیدہ بیانات پیش کر کے اَور بھی ظلمت اور حیرت میں ڈال دیوے۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح سے پہلے یہود لوگ بنی اسرائیل سیدھے سادے طور پر خدا تعالے کو مانتے تھے اور اِس ماننے میں وہ بڑے مطمئن تھے اور ہر ایک دل بول رہا تھا کہ خدا حق ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مصنوعات کا صانع حقیقی ہے اور واحد لاشریک ہے اور کسی قسم کا دغدغہ خدا شناسی میں کسی کو نہ تھا۔ پھر جب حضرت مسیحؑ تشریف لائے تو وہ آنحضرت علیہ السّلام کے بیانات سُن کر گھبرا گئے کہ یہ شخص کس خدا کو پیش کر رہا ہے۔ توریت میں تو ایسے خدا کا کوئی پتہ نہیں لگتا تب حضرت مسیحؑ نے کہ خدا تعالے کے سچے نبی اور اُس کے پیارے اور برگزیدہ تھے۔ اِس وہم باطل کو دُور کرنے کے لیئے کہ یہودیوں نے بباعث کوتہ اندیشی اپنی کے اپنے دلوں میں جما لیا تھا۔ وہ اپنے کلمات مبارکہ پیش کیئے جو یوحنا ۱۰ باب ۲۹ - ۳۰ آیت میں موجود ہیں چنانچہ وہ عبارت بجنسہ ذیل میں لکھدی جاتی ہے چاہیئے کہ تمام حاضرین حضرت مسیحؑ کی اس عبارت کو غور سے اور توجہ سے سُنیں کہ ہم میں اور حضرات عیسائی صاحبوں میں پُورا پُورا فیصلہ دیتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

میرا باپ جس نے اُنھیں مجھے دیا ہے سب سے بڑا ہے۔ اور کوئی انھیں میرے باپ کے ہاتھ سے چھین نہیں لے سکتا میں اور باپ ایک ہیں۔ تب یہودیوں نے پھر پتھر اُٹھائے

کر اُس پر پتھراؤ کریں یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں اُن میں سے کس کام کے لیئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو۔ یہودیوں نے اُسے جواب دیا اور کہا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لیئے نہیں بلکہ اس لیئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر بکتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے اُنھیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ مَیں نے کہا تم خدا ہو جبکہ اُس نے اُنہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے۔ کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں۔

اب ہر ایک منصف اور ہر ایک متدیّن سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں کا یہ اعتراض تھا کہ اُنہوں نے باپ کا لفظ سُن کر اور یہ کہ میں اور باپ ایک ہیں یہ خیال کر لیا کہ یہ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا حقیقی طور پر بیٹا قرار دیتا ہے تو اُس کے جواب میں حضرت مسیح نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ مجھ میں کوئی زیادہ بات نہیں دیکھو تمہارے حق میں تو خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ جانتے اور حقیقی طور سے اپنے تئیں خدا تعالیٰ کا بیٹا تصور کرتے تو اس بحث اور پرخاش کے وقت میں جب یہودیوں نے اُن پر الزام لگایا تھا مردِ میدان ہو کر صاف اور کھلے کھلے طور پر کہدہ کہ میں درحقیقت ابن اللہ ہوں اور حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کا بیٹا ہوں بھلا یہ کیا جواب تھا کہ اگر میں اپنے تئیں بیٹا قرار دیتا ہوں تو تمہیں بھی تو خدا کہا گیا ہے بلکہ اس موقعہ پر تو خوب تقویت اپنے اثبات دعوے کی اُن کو ملی تھی کہ وہ بقول ڈپٹی صاحب وہ تمام پیشین گوئیاں پیش کر دیتے جو ڈپٹی صاحب موصوف نے اپنے کل کے جواب میں لکھائے ہیں بلکہ ایک فہرست بھی ساتھ دیدی ہے اور انہیں اُس وقت کہنا چاہیئے تھا کہ تم تو اسی قدر بات پر ناراض ہو گئے کہ میں نے کہا کہ مَیں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور میں تو بموجب بیان تمہاری کتابوں کے اور بموجب فلاں فلاں پیش گوئی کے خدا بھی ہوں قادر مطلق بھی ہوں۔ خدا کا ہمتا بھی ہوں۔ کونسا مرتبہ خدائی کا ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ غرض کہ یہ مقام انجیل شریف کے تمام مقامات اور بائبل کی تمام پیش گوئیوں کو حل کرنے والا اور بطور اُن کی تفسیر کے ہے۔ مگر اُس کے لیئے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

پھر ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ "یہودں کا اتفاق کیوں مانگا جائے"۔ سو واضح ہو کہ یہودیوں کا اتفاق اس لیئے مانگا جاتا ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد اور نبیوں سے سلسل طور پر تعلیم پاتے آئے اور انجیل شریف کا بھی مقام شہادت دے رہا ہے کہ ہر ایک تعلیم نبیوں کی معرفت اُن کو سمجھائی بلکہ حضرت عیسےٰ خود شہادت دیتے ہیں کہ "فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر

بیٹھے ہیں جو کچھ وہ تمہیں ماننے کو کہیں وہ عمل میں لاؤ۔ لیکن اُن کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں پر کرتے نہیں۔" (متی ۲۳ باب ۱) +

اب حضرت مسیح کے اس فرمودہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے متبعین اور شاگردوں کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ یہودیوں کی رائے عہد عتیق کے بارہ میں ماننے کے لائق ہے تم ضرور اس کو مانا کرو کہ وہ حضرت موسےٰ کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی شہادت کو رد کرنا ایک قسم کی نافرمانی حضرت مسیحؑ کے حکم کی ہے۔ اور یہودی یہ تو اپنی تفسیروں میں کہیں نہیں لکھتے کہ کوئی حقیقی خدا یا خدا کا بیٹا آئے گا۔ ہاں ایک سچے مسیح کے منتظر ہیں اور اُس مسیح کو خدا نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہیں تو ان کی کتابوں میں سے اس کا ثبوت دیں۔ (باقی آیندہ)

دستخط دستخط

بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام

بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی صاحب مسٹر عبداللہ آتھم

۲۴- مئی ۱۸۹۳ء

بقیہ جواب - خدا کے کلام کی فضیلت و کمالیت

پہلے - انجیل اس بات کی مدعی ہے کہ وہ لازوال کلام ہے حتّےٰ کہ لوگوں کی بات اُسی کے موافق ہوگی (یوحنا ۱۲ باب ۴۸ سے ۵۰ تک)

دوم - انجیل اپنے تئیں نجات کے ازلی بھید کا کاشف کہتی ہے (رومی ۱۶ باب ۲۵ و ۲۶)- (پطرس کا پہلا خط ۱- باب ۲۰)

سوم - انجیل اپنے تئیں خدا کی قدرت کہتی ہے (رومی ایک باب ۱۶) +

چہارم - انجیل اپنے تئیں زندگی اور بقا کی روشنی کرنیوالی کہتی ہے (طمطاؤس کا دوسرا خط ا باب ۱۰)

پنجم - انجیل انسانی حکمت کا نہیں لیکن اپنے تئیں خدا کی روح کا فرمایا ہوا کلام فرماتی ہے (قرنتیوں

کے نام کا پہلا خط ۲- باب ۱۲ و ۱۳ و پطرس کا دوسرا خط پہلا باب ۱۹)
ششم - اس انجیل کے مقابل میں ہر ایک انجیل ہیچ ہے (گلاتی کے نام کا خط ا باب ۶)
پس یہ وہ امور ہیں کہ جو کلام اللہ کی فضیلت و کاملیت و خوبی و فیض رسانی پر دال ہیں نہ وہ امور جو معاشرت کے متعلق ہیں کہ جن کی نسبت حکیم و ڈاکٹر بھی انسان کو واجبی شرح بتا سکتے ہیں۔
جناب نے جو فرمایا قرآن میں لکھا ہے اکملت لکم دینکم غالباً بروئے متن کلام قرآن متعلق معاشرت کے ہے کہ جس میں حل و حرمت کا ذکر ہے۔

بجواب اعتراضات ۲۴ مئی ۱۸۹۳ء

اوّل - استقراء کے معنی ہم سمجھ چکے ہیں کہ معمول اور گذشتہ پیوستہ میں جو تجربہ قانون بتاتا ہے اُس کو استقرا کہتے ہیں۔ اس کے بارہ میں جناب مرزا صاحب کا فرمانا درست ہے کہ اگر کچھ استثنا اس کا ہو تو امکان محض اس کا ثابت کرنا کافی نہیں ہے مگر واقعی اسکا ثابت کرنا ضروری ہے سو اسکے بارہ میں عرض اتنی ہے کہ مقدمہ مسیح کا بالکل استثنائی ہے جس کے واسطے ہم نے آیات کلام الٰہی پیش کی ہیں - مزید براں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ **کثرت فی الوحدت** عہد عتیق میں موجود ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہوتی تو یہودی صادق ٹھہر سکتے تھے اور چونکہ یہ امر وہاں موجود ہے تو اُن کو کچھ عذر نہ ہونا چاہیئے۔ پس میں بطور مثال دو نظیریں پیش کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ پیدایش ا باب ۲۶ میں لکھا ہے دیومر الوہیم نعشا آدام سلمنو قد میتونو یعنی کہا الوہیم خدا نے ہم بناویں آدم کو اوپر صورتوں اپنیوں کے اور اوپر شکلوں اپنیوں کے۔
دوم پیدایش $\frac{۳}{۲۲}$ میں ہے یہوا الوہیم نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔
اس آیت میں جس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا (عبرانی میں کاحد ممنو ہے) اس جملے متکلم مع الغیر کو دیکھکر یہودیوں نے یہ معنی کئے ہیں کہ خدائے تعالےٰ اس موقعہ پر فرشتگان کو اپنی معیت میں لیتا ہے اور سر سید احمد خاں بہادر نے یہ لکھا ہے کہ غیر اس جملہ میں وہ آدم یا طبقہ ماقبل آدم معروفہ کے ہیں جو گناہ کر کے تباہ ہو گئے اور کلمہ لو ممنو میں متکلم مع الغیر نہیں بلکہ جمع غائب ہے۔ مراد ان دونوں صاحبوں کی یہ ہے کہ کثرت فی الوحدت کی تعلیم ثابت نہ ہونے پائے۔
دوم - اب ہم اُن صاحبوں سے سوال ذیل رکھتے ہیں۔ اوّل یہودیوں سے یہ کہ آپکے فرشتوں کا مرجع متن کلام میں کہاں ہے۔ کیا جیسے ہم کا اسم ضمیر نہیں؟ اور کیا اسم ضمیر کے لیئے

مرجوع کا ہونا اُس کے قرب میں ضرور نہیں ؟ اور اگر کوئی کلام بغیر مرجوع کی نشان دہی کے درخود نہو تو کیا اسکو مبہم اور مخبط نہیں کہتے ؟ جیسا کہ اگر میں کسی سے کہوں کہ وہ بات یوں تھی اور قبل اور مابعد میں اُس کا ذکر نہ ہو کہ کونسی بات - تو کیا یہ خبط کلامی نہیں ؟ پس جب فرشتگان کا ذکر معیت میں کرتے ہیں تو اُن کو متن ہی میں اُن فرشتوں کو دکھانا چاہیئے - **دوم** اگر فرشتے ہی اِس کے مصداق ہوویں تو ضرور ہے کہ بدی کا علم اُن کا ذاتی ہو یا کسبی - اگر ذاتی ہو تو وہ مخلوق نہیں ہو سکتے کیونکہ علم ذاتی قائم بالذات کا ہوتا ہے اور اگر کسبی ہو تو یہ کسب اُن کو ناپاک کر دیتا ہے تو پس وہ صحبت اقدس خالق کے لائق کیونکر ہوئی جو معیت میں اُس کے لیئے جاویں - مسٹر سید صاحب سے اول سوال ہمارا وُہی ہے کہ متن میں مرجوع اُن آدم ہا کا جو ماقبل آدم معروف کے متصور ہیں کہاں ہیں - فی متن تو درکنار جناب کے جیالوجی میں بھی کہاں ہے کہ جس کا فخر جناب کرتے ہوں - ماسوا اِس کے اگر جیالوجی سے گزر کر کسی اَور سائنس میں ہووے تو اُس کا پتہ دیویں ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز ایسا پتہ نہ دے سکینگے اور نہ اس عہدہ برآئی سے یہودی باہر آ سکتے ہیں مگر مسیحیوں کا موُنھ بند کرنے کے لیئے خیالات باطلہ پیش کرتے ہیں اور اس سے صاف تو فقرہ کیا ہو سکتا ہے اور کیا تاویل ایسے فقرہ کی ہو سکتی ہے - کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا - لغت و اصطلاح منطق و معانی صرف و نحوان سارے معیاروں کے آگے ہم اس فقرہ کو رکھتے ہیں - سر سید احمد خاں بہادر نے جو الوہیم میں جمع تعظیمی بیان کی حضرت ہمکو کہیں سے دکھلا دیویں کہ نیچر میں یا واقعات میں اسمار خاص میں بھی کہیں تعظیم و تذلیل ہو سکتی ہے - کیا سر سیّد کا نام سر سید احمدان بھی ہو سکتا ہے ؟ یہ ڈھکوسلہ بازی نہیں تو اَور کیا ہے ؟

سر سید صاحب نے فرمایا ہے کہ تعلیم اور استرافیم میں یہ ی ہیم تعظیمیہ ہے وہ بھی باطل بلکہ ابطل ہے اس لیئے یہ فرضی دیوتا تھے واقعی اشخاص نہ تھے اور بروئے مور تہائے ان کی کے متفرق جگہوں میں پوجے جاتے تھے اور کثرت موُرتوں کے لحاظ سے کثرت ناموں میں رکھی گئی جیسے کہ جسمیر سے کرشن یا رامچندر کی موُرتیں آتی ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ ہمارا بیوپار کرشنوں اور رامچندروں کا ہے غرض ہماری یہ ہے کہ نام خاص میں تعظیم اور تذلیل کچھ نہیں -

سوم - ایک امر جو ادراک سے باہر ہو اُس کا امکان تو عقل ہے ہم پیش کرینگے اور واقع ہونا کلام سے - سو الہامی کتابوں سے ہمنے الوہیت مسیح اور مسئلہ تثلیث فی التوحید کو بخوبی پیش کر دیا ہے اور امکان بھی عقل سے دکھلا دیا ہے - پس اب ہمارے ذمہ بار ثبوت کچھ باقی نہیں -

چہارم - الہام کا شرح الہام ہی ہونا چاہیئے - اس بارہ میں آپکا فرمانا بہت سا درست ہے

اور افضل ہے کیونکہ اگر الہام کسی جگہ مجمل اور مبہم معلوم ہو تو دوسرے موقعہ الہام سے اسکی شرح اچھی طرح ہو سکتی ہے لیکن اگر کسی الہام میں کوئی تعلیم ایک ہی موقع پر ہو اور وہ بھی مشرح نہ ہو تو تاویل عقلی کو اُس میں گنجائش ہے۔

ہم اس کو ردیات میں نہیں پھینک سکتے ہیں بلکہ وہاں اس کی تاویل عقلی کرینگے۔

پنجم۔ وہ جو خداوند مسیح نے کہا کہ تم میرے ابن اللہ کہنے پر کفر کا الزام کیوں لگاتے ہو کیا تمہارے قضات اور بزرگوں کو الوہیم نہیں کہا گیا۔ ان پر کفر کا الزام نہیں ہے تو مجھ پر کیوں فی اِس سے اُس نے اپنی الوہیت کا انکار کچھ نہیں کیا۔ مگر ان کے غصہ کو بیجا ٹھہرایا اور تھام دیا علاوہ براں متی کے ۱۶ باب ۱۳ تا ۱۶ میں اس خطاب کو خداوند نے حواریوں سے منظور بھی فرمایا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا ہے۔ پھر متی ۲۶ - ۶۳ میں مرقوم ہے۔ تب سردار کاہن نے اُسے کہا میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں۔ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ۔ یسوع نے اُسے کہا۔ ہاں۔ وہ جو تو کہتا ہے۔ (باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

چوتھا پرچہ

مباحثہ ۲۵ مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج چھ بجے آٹھ منٹ پر میرزا صاحب نے اپنا جواب لکھانا شروع کیا اور سات بجے آٹھ منٹ پر ختم کیا۔ اس موقع پر یہ تحریک پیش ہوئی اور باتفاق رائے پیش ہوئی کہ چونکہ مضمون سُنائے جانے کے وقت کاتب تحریروں کا مقابلہ بھی کرتے ہیں اس لیئے اُن کی روک ٹوک کی وجہ سے مضمون بے لطف ہو جاتا ہے اور سامعین کو مزہ نہیں آتا۔ بنابران ایسا ہونا چاہیئے کہ کاتب پیشتر مضمون سُنائے جانے کے باہم تحریروں کا مقابلہ کر لیا کریں۔ پھر ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۴ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور آٹھ بجے ۵۴ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ پھر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۴ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ½ ۲۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہوئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

۲۵ مئی ۱۸۹۳ء وقت ۶ بجے ۸ منٹ

بیان حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے میرے پہلے بیان پر جو میں نے کتاب آسمانی کے لیئے بطور ضروری اعجازی علامت کے یہ لکھا تھا کہ دونوں کتابیں انجیل اور قرآن شریف کا اُن کے کمالات ادائیہ میں مقابلہ

کیا جائے تو ڈپٹی صاحب **کمال** کے لفظ پر گرفت فرماتے ہیں کہ کمال کیا چیز ہے کیا سنار اور لوہار کا کمال بلکہ راہ نجات دکھلانے کا کمال ہونا ہے۔ اس کے جواب میں لکھا جاتا ہے کہ راہ نجات دکھلانے کا دعوٰے اُس صورت میں اور اُس حالت میں کمال متصور ہوگا کہ جب اُس کو ثابت کر کے دکھلا دیا جاوے اور پہلے اُس سے اس بات کا ذکر کرنا بھی میرے نزدیک بے محل ہے۔ اب واضح ہو کہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعوٰے فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الخ کہ آج میں نے تمہارے لیئے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنی تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایک دوسرے محل میں اس اکمال کی تشریح کے لیئے کہ اکمال کسکو کہتے ہیں فرماتا ہے الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔ ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ویضل اللہ الظلمین (س ۱۳۔ ر ۱۵)۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اُسکی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو اور یہ مثالیں اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیئے بیان کرتا ہے تا لوگ اُن کو یاد کرلیں اور نصیحت پکڑ لیں اور ناپاک کلمہ کی مثال اُس ناپاک درخت کی ہے جو زمین پر سے اُکھڑا ہوا ہے اور اُس کو قرار و ثبات نہیں سو اللہ تعالےٰ مومنوں کو قول ثابت کے ساتھ یعنی جو قول ثابت شدہ اور مدلل ہے اس دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اختیار کرنا کرتے ہیں اُن کو گمراہ کرتا ہے یعنی ظالم خدا تعالےٰ سے ہدایت کی مدد نہیں پاتا جب تک ہدایت کا طالب نہ ہو۔

اب دیکھئے کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے آیۃ **اکملت لکم** کی تشریح میں صرف اتنا فرمایا تھا کہ یہ غالباً امور معاشرت کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ڈپٹی صاحب موصوف اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ کسی آیت کے وہ معنی کرنے چاہیئے کہ الہامی کتاب آپ کرے اور الہامی کتاب کی شرح دوسری شرحوں پر مقدم ہے۔ اب اللہ تعالےٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں پر موقوف قرار دیتا ہے۔ اول یہ کہ **اصلھا ثابت** یعنے اصول ایمانیہ اسکے ثابت اور محقق ہوں اور فی حد ذاتہ یقین کامل کے درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں اور فطرت انسانی اس کو قبول کرے کیونکہ ارض کے لفظ سے اس جگہ فطرت انسانی مُراد ہے جیسا کہ **من فوق الارض** کا لفظ صاف بیان کر رہا ہے اور ڈپٹی صاحب اس سے انکار نہیں کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ اصول ایمانیہ ایسے چاہیئں کہ

ثابت شدہ اور انسانی فطرت کے موافق ہوں - پھر دوسری نشانی کمال کی یہ فرماتا ہے کہ فرعہا فی السما یعنی اُس کی شاخیں آسمان پر ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھیں یعنی صحیفۂ قدرت کو غور کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو اُس کی صداقت اُن پر کھل جائے - اور دوسری یہ کہ وہ تعلیم یعنی فروعات اُس تعلیم کے جیسے اعمال کا بیان - احکام کا بیان - اخلاق کا بیان یہ کمال درجہ پر پہونچے ہوئے ہوں جسپر کوئی زیادہ متصور نہ ہو جیسا کہ ایک چیز جب زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہونچ جائے تو اُسپر کوئی زیادہ متصور نہیں -

پھر تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی کہ توتی اکلہا کل حین ہر ایک وقت اور ہمیشہ کے لیئے وہ اپنا پھل دینا رہے ایسا نہ ہو کہ کسی وقت خشک درخت کی طرح ہو جاوے جو پھل پھول سے بالکل خالی ہے - اب صاحبو دیکھو کہ اللہ تعالے نے اپنے فرمودہ الیوم اکملت کی تشریح آپ ہی فرمادی کہ اس میں تین نشانیوں کا ہونا ازبس ضروری ہے سو جیسا کہ اُس نے یہ تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں اسی طرح پر اُس نے ان کو ثابت کر کے بھی دکھلا دیا ہے اور اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جس سے مراد کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے اسکو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اگر میں تمام دلائل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہوں گے مگر تھوڑا سا اُن میں سے بطور نمونہ کے ذیل میں لکھتا ہوں جیسا کہ ایک جگہ یعنی سیپارہ دوسرے سورۃ البقر میں فرماتا ہے -

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا و بث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایات لقوم یعقلون یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور اُن کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لیئے چلتی ہیں اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اُتارا اور اُس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا - یہ سب خدا تعالے کے وجود اور اُسکی توحید اور اُس کے الہام اور اُس کے مدبر بالارادہ ہونے پر نشانات ہیں - اب دیکھیئے اس آیت میں اللہ جلشانہ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنی اپنے اُن مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہٗ لاشریک اور مدبر بالارادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے - وجہ یہ کہ خدا تعالے کی تمام یہ مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر

کے سامنے موجود ہے یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اس کا ایک موجد اور صانع ہے جس کے لئے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مدبر بالارادہ بھی ہو اور مستجمع جمیع صفات کاملہ بھی ہو اور وحی کو نازل کرنے والا بھی ہو۔ **دوسری** نشانی یعنی فرعھا فی السّماء جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان تک اُس کی شاخیں پہونچی ہوئی ہیں اور آسمان پر نظر ڈالنے والے یعنے قانون قدرت کے مشاہدہ کرنے والے اسکو دیکھ سکیں اور نیز وہ انتہائی درجہ کی تعلیم ثابت ہو اس کے ثبوت کا ایک حصّہ تو اسی آیت موصوفہ بالا سے پیدا ہوتا ہے کس لئے کہ جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے مثلاً قرآن کریم میں یہ تعلیم بیان فرمائی ہے کہ الحمدُ للہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم مالکِ یوم الدّین جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ جل شانہٗ تمام عالموں کا رب ہے یعنی علۃ العلل ہر ایک ربوبیت کا وُہی ہے۔ دوسری یہ کہ وہ رحمان بھی ہے یعنی بغیر ضرورت کسی عمل کے اپنی طرف سے طرح طرح کے آلاء اور نعماء شامل حال اپنی مخلوق کے رکھتا ہے اور رحیم بھی ہے کہ اعمال صالحہ کے بجالانے والوں کا مددگار رہتا ہے اور اُن کے مقاصد کو کمال تک پُہنچاتا ہے اور مالک یوم الدّین بھی ہے کہ ہر ایک جزا سزا اُس کے ہاتھ میں ہے جس طرح پر چاہے اپنے بندہ سے معاملہ کرے چاہے تو اُس کو ایک عمل بد کے عوض میں وہ سزا دیوے جو اس عمل بد کے مناسب حال ہے اور چاہے تو اُس کے لئے مغفرت کے سامان میسّر کرے یہ تمام امور اللہ جل شانہٗ کے اس نظام کو دیکھکر صاف ثابت ہوتے ہیں۔

پھر **تیسری نشانی** جو اللہ تعالےٰ نے یہ فرمائی توءتی اکلھا کلّ حین یعنی کامل کتاب کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ جس پھل کا وہ وعدہ کرتی ہے وہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہ ہو بلکہ وہ پھل ہمیشہ اور ہر وقت میں دیتی رہے اور پھل سے مراد اللہ جلشانہ نے اپنا لقاء معہ اس کے تمام لوازم کے جو برکات سماوی اور مکالمات الٰہیہ اور ہر ایک قسم کی قبولیتیں اور خوارق ہیں رکھی ہیں جیسا کہ خود فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰٓئکۃ الّا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدّعون۔ نزلا من غفور رحیم (س ۲۴ - ر ۱۸) وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی یعنی اپنی بات سے نہ پھرے اور طرح طرح کے زلازل اُن پر آئے مگر انہوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کچھ خوف نہ کرو اور نہ کچھ حُزن اور اس بہشت سے خوش ہو جس کا تم وعدہ دیئے گئے تھے یعنی اب وہ

بہشت تمہیں مل گیا اور بہشتی زندگی اب شروع ہوگئی - کس طرح شروع ہوگئی نحن اولیاءکم الخ اس طرح کہ ہم تمہارے متولی اور متکفل ہوگئے اس دنیا میں اور آخرت میں اور تمہارے لیئے اس بہشتی زندگی میں جو کچھ تم مانگو وہی موجود ہے یہ غفور رحیم کی طرف سے مہمانی ہے - مہمانی کے لفظ سے اس پھل کی طرف اشارہ کیا ہے جو آیۃ توتی اکلھا کل حین میں فرمایا گیا تھا اور آیۃ فرعھا فی السماء کے متعلق ایک بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ کمال اس تعلیم کا باعتبار اُس کے انتہائی درجہ ترقی کے کیونکر ہے اِس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن شریف سے پہلے جس قدر تعلیمیں آئیں درحقیقت وہ ایک قانون مختص القوم یا مختلف الزمان کی طرح تھیں اور عام افادہ کی قوت ان میں نہیں پائی جاتی تھی - لیکن قرآن کریم تمام قوموں اور تمام زمانوں کی تعلیم اور تکمیل کے لیئے آیا ہے مثلاً نظیر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت موسے کی تعلیم میں بڑا زور سزادہی اور انتقام میں پایا جاتا ہے جیساکہ دانت کے عوض دانت اور آنکھ کے عوض آنکھ کے فقروں سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت مسیح کی تعلیم میں بڑا زور عفو اور درگذر پر پایا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں تعلیمیں ناقص ہیں نہ ہمیشہ انتقام سے کام چلتا ہے اور نہ ہمیشہ عفو سے بلکہ اپنے اپنے موقعہ پر نرمی اور درشتی کی ضرورت ہوا کرتی ہے جیساکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا ومن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ (س ۲۵ ر ۵) یعنی اصل بات تو یہ ہے کہ بدی کا عوض تو اسی قدر بدی ہے جو پہنچ گئی ہے لیکن جو شخص عفو کرے اور عفو کا نتیجہ کوئی اصلاح ہو نہ کہ کوئی فساد یعنے عفو اپنے محل پر ہو نہ غیر محل پر پس اجر اُس کا اللہ پر ہے یعنی یہ نہایت احسن طریق ہے - اب دیکھیئے اس سے بہتر اَور کون سی تعلیم ہوگی کہ عفو کو عفو کی جگہ اور انتقام کو انتقام کی جگہ رکھا - اور پھر فرمایا ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربےٰ (س ۱۴ ر ۱۹) یعنی اللہ تعالےٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور عدل سے بڑھکر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو اور احسان سے بڑھکر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروت کرو کہ جیسے کہ گویا وہ تمہارے پیارے اور ذوالقربےٰ ہیں - اب سوچنا چاہیئے کہ مراتب تین ہی ہیں اول انسان عدل کرتا ہے یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے پھر اگر اس سے بڑھے تو مرتبہ احسان ہے اور اگر اس سے بڑھے تو احسان کو بھی نظر انداز کردیتا ہے اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے یعنی ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریذیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

بیان مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب

۲۵- مئی ۱۸۹۳ء

بقیہ دیوزہ

جناب مرزا صاحب مکرم میرے جو فرماتے ہیں کہ جو امور تعلیمیہ کسی کتاب الہامی سے ہوں ان کا ثبوت بھی اسی کتاب کے بیان سے ہو یعنی اس قسم کی کھچڑی نہ ہو جائے کہ کچھ تو کتاب کی تعلیم سے پیدا ہو جائے اور کچھ ذہن اُس شخص کے سے جو تائید کرنے کے واسطے اس تعلیم کے کھڑا ہے۔ جس کے جواب میں میری التماس یہ ہے کہ میں نے مختصر ایک فہرست بنا دی ہے کہ جس کو پادری ٹامس ہاول صاحب لکھوا دیں کہ میں کمزور آدمی ہوں۔ وھو ھذا :-

اوّل کثرت فی الوحدت - یرمیا ۲۳ باب ۶- اسکے دنوں میں یہوداہ نجات پاویگا اور اسرائیل سلامتی سے سکونت کریگا اور اس کا یہ نام رکھا جائیگا- خداوند ہماری صداقت اصل میں ہے یھوصد قنو-

یسعیاہ ۷ باب ۱۴ و ۸ باب ۱۰ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اسکا نام ایمانوائیل رکھینگے تم منصوبہ باندھو پر وہ باطل ہوگا حکم سُناؤ پر وہ نہ ٹھہرے گا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے- اسجگہ لفظ ایمانوائیل ہے- یسعیاہ ۴۰ باب ۳- ملاکی ۳ باب ۱- بمقابلہ متی ۳ باب ۳ زکریا ۱۲ باب ۱ و ۱۰ بمقابلہ یوحنا ۱۹ باب ۳۷ یسعیا ۶ باب ۵ بمقابلہ یوحنا ۱۲ باب ۳۷ و ۴۰ و ۴۱ +

دوم الوہیت کی لازمی صفات المسیح میں-

اوّل ازلیت یوحنا ۱ باب ۱ سے ۳ تک - ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا سب چیزیں اُس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اُس کے ہوئی- یوحنا ۸ باب ۵۸- یسوع نے انھیں کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں پیشتر اس سے کہ ابراہام ہوئیں ہوں- مکاشفات ۱ باب ۸- خداوند یوں فرماتا ہے کہ مَیں الفا اومیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں- یوحنا ۱۷ باب ۵- یسعیاہ ۴۴ باب ۶ بمقابلہ مکاشفات ۲ باب ۸ و میکہ ۵ باب ۲ +

دوم خالقیت یوحنا $\frac{1}{3}$ و $\frac{1}{10}$ سب چیزیں اُس سے موجود ہوئیں کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اُسکے

ہوئی وہ جہان میں تھا اور جہان اُسی سے موجود ہوا۔ اور جہان نے اُسے نہ جانا۔ عبرانی ۱/۲ و ۳
ان آخری دنوں میں ہم سے بیٹے کے وسیلہ سے بولا جس نے اُس کو ساری چیزوں کا وارث
ٹھہرایا اور جس کے وسیلے اُس نے عالم بنائے وہ اُس کے جلال کی رونق اور اُس کی ماہیت کا
نقش ہو کے سب کچھ اپنی ہی قدرت کے کلام سے سنبھال لیتا ہے۔ قلسی ۱/۱۵ و ۱۶ و ۱۷ فلپی ۲/۹
مکاشفات ۴/۱۱ ان سب کا مقابلہ اشال ۸ باب سے۔

تیسرا محافظ کُل ہستی

قلسی ۱/۱۷ وہ سب سے آگے ہے اور اُس سے ساری چیزیں بحال رہتی ہیں مقابلہ یسعیاہ ۴۴/۲۴
عبرانی ۱/۱۰ و ۲ و ۳ و ۱۰

چوتھا لاتبدیل

عبرانی ۱۳/۸ یسوع مسیح کل اور آج اور ابد تک ایک سا ل ہے۔ مزمور ۱۰۲/۲۵ و ۲۶ و ۲۷
بمقابلہ عبرانی ۱/۸ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲

پانچواں ہمہ دانی

پہلا سلاطین ۸/۳۹ تو اپنے مسکن آسمان پر سے سُن اور بخشدے اور عمل کر اور ہر ایک آدمی کو
جس کے دل کو تو جانتا ہے اُسکی سب روش کے مطابق بدلہ دے اس لیئے کہ تو ہاں تو ہی اکیلا
سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے (یہ خدا تعالےٰ کی تعریف ہے) بمقابلہ مکاشفات ۲/۲۳
اور سارے کلیساؤں کو معلوم ہوگا کہ میں وُہی ہوں یعنی یسوع مسیح جو دلوں اور گردوں کا جانچنے والا
ہوں اور میں تم میں سے ہر ایک کو اُس کے کاموں کے موافق بدلا دوں گا۔ متی ۱۱/۲۷ و ۹/۴ و
۱۲/۲۵ لوقا ۶/۸ ۹/۴۷ یوحنا ۱/۴۸ ۱۶/۳۰ و ۲۱/۱۷ قلسی ۲/۳

چھٹا حاضر ناظر

(مکانی) متی ۱۸/۲۰ کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں اُن کے بیچ میں
ہوں۔ یوحنا ۳/۱۳ اور کوئی آسمان پہ نہیں گیا سوا اُس شخص کے جو آسمان پر سے اُترا یعنی ابن آدم
جو آسمان پر ہے۔ (زمانی) متی ۲۸/۲۰ یوحنا ۱/۴۸

ساتواں قادر مطلق

یوحنا ۵/۲۱ جس طرح باپ مُردوں کو اُٹھاتا ہے اور جلاتا ہے بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے جلاتا ہے

مکاشفات ۱/۸ میں الفا اور امیگا اول اور آخر جو ہے اور تھا اور آنے والا ہے قادر مطلق ہوں متی ۲۸/۱۸ مرقس ۱/۲۷ یوحنا ۳/۳۱-۳۵ ۱۶/۱۵ قلپی ۳/۲۱ عبرانی ۷/۲۵ اول پطرس ۳/۲۲ ۔

آٹھواں ہمیشہ کی زندگی

یوحنا ۱۱/۲۵ یسوع نے اُسے کہا کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں پہلا یوحنا ۵/۲۰۔

سوم - المسیح مالک کل ہے - رومی ۱۴ باب ۹ کہ مسیح اس لیئے موا اور اُٹھا اور جیا کہ مُردوں اور زندوں کا بھی خداوند ہو پہلا تمطاؤس ۶/۱۵ جسے وہ بروقت ظاہر کریگا جو مبارک اور اکیلا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے اعمال ۱۰/۳۶ افسی ۱/۲۲ و ۲۳ مکاشفات ۱۹/۱۶ ۔

چہارم - کل عالم کا اختیار رکھتا ہے - متی ۲۸/۱۸ اور یسوع نے پاس آکر اُسے کہا کہ آسمان اور زمین کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے - متی ۱۱/۲۷ عبرانی ۱/۲

پنجم - المسیح کی پرستش - ان آیات میں جس لفظ کا ترجمہ سجدہ ہوا ہے اصل زبان میں پراس انومائی ہے جس کے خاص معنی پرستش الٰہی کے ہیں متی ۲/۱۱ و ۸/۲ و ۹/۱۸ و ۱۴/۳۳ و ۱۵/۲۵ و ۲۰/۲۰ و ۲۸/۹ مرقس ۵/۶ پہلا تسبیلقون ۳/۱۱ عبرانی ۱/۶ فلپی ۲/۱۰ و ۱۱ نبی اور بزرگ اور فرشتے ایسی پرستش اپنی سے سخت انکار کرتے رہے مگر مسیح نے انکار نہیں کیا مکاشفات ۱۹/۱۰ یوحنا نے انکار کیا اعمال ۱۰/۲۶ پطرس نے انکار کیا ۱۴/۱۴ پولوس نے انکار کیا -

ششم - المسیح سے دعا مانگی جاتی ہے - اعمال ۷/۵۹ ستفنس پر پتھراؤ کیا جو یہ کہے دُعا مانگتا تھا کہ اے خداوند یسوع میری روح کو قبول کر مرقس ۹/۲۴ لوقا ۲۳/۴۲ یوحنا ۹/۳۸ دوسری قرنتی ۱۲/۸ و ۹ مکاشفات ۵/۸-۱۲-۱۳

ہفتم المسیح دنیا کی عدالت کرے گا - متی ۱۶/۲۷ کیونکہ ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آویگا - تب ہر ایک کو اُس کے اعمال کے موافق بدلہ دیگا - دوسری قرنتی ۵/۱۰ کیونکہ ہم سب کو ضرور ہے کہ مسیح کی مسند عدالت کے آگے حاضر ہوویں تاکہ ہر ایک جو کچھ اُس نے بدن میں ہوکے کیا بھلا یا بُرا مطابق اُسکے پاوے متی ۱۳/۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۲۵/۳۱ سے ۴۶ یوحنا ۵/۲۲ و ۲۳ اعمال ۱۰/۴۲

ہشتم المسیح گناہ بخشتا ہے - متی ۹/۶ لیکن تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے لوقا ۵/۲۰ سے ۲۶ ۷/۴۸

نہم - المسیح اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے - متی ۱۳/۴۱ ابن آدم اپنے

فرشتوں کو بھیجے گا۔ مکاشفات ۱/۱ و ۲۲/۶

نوٹ - اگر مسیح محض انسان ہی ہوتا تو صفات مذکورہ بالا جو فقط ذات باری تعالےٰ پر عائد ہو سکتی ہیں اس پر کس طرح عائد ہوتیں۔ علاوہ اس کے واضح ہو کہ انسان کی نجات و سزا وغیرہ کے متعلق المسیح کو وہ کام منسوب کیئے گئے ہیں جو سوائے خالق کے مخلوق نہیں کر سکتا اور نہ بائبل میں کسی اَور کو منسوب کیئے گئے۔

اَب جناب کے اُن امور کا جواب جو پہلے پورا نہ ہوا تھا سو یہ ہے کہ جناب نے مسیح کی الوہیت کے مخالف اُس کا وہ بیان لیا ہے جو تمہاری کتب میں لکھا ہے تم سب خدا ہو تب تم میرے خدا ہونے کو کیوں رد کرتے ہو۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ مناسب تو یہ تھا کہ اِسجگہ مسیح اپنے دعویٰ الوہیت کو مفصل پیش اور ثابت کرتا۔

جواب - میری التماس یہ ہے کہ ایک شخص کا کچھ بیان کرنا منجملہ اُس کی وجوہات مضمنہ کے منافی اُس کے مابقی مضمنہ کا نہیں یعنی الوہیت کا انکار اُس میں نہیں اس میں مراد المسیح کی صرف اُن کے غصہ کو فرو کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اِس امر پر اُس کو پتھراؤ کرنا چاہتے تھے کہ اُس نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور اُنہوں نے یہ معنی کیئے اور صحیح کیئے کہ تو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہراکر خدا کا مساوی بنتا ہے۔ پس یہ تیرا کفر ہے ہم اس لیئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں اُس نے کہا کہ لفظ اللہ کہنے سے میرے پر کفر کس طرح عائد کرتے ہو کیا تمہارے ہاں کتب انبیا میں نہیں لکھا کہ قضاتن اور بزرگ الوہیم کہلائے۔ اگر وہ الوہیم کہلائے اور کفر اُن پر عائد نہ ہوا اور مجھکو جسے خدا نے مخصوص کیا ہے کفر کا الزام لگاتے ہو۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ اُن کی دیوانگی کے شعلہ کو فرو کیا ہے اور اپنی الوہیت کا (ان لفظوں میں) نہ انکار کیا نہ اقرار۔ فقط (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) ازجانب عیسائی صاحبان	دستخط بحروف انگریزی غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۵۔ مئی سنہ ۱۸۹۳ء

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے کمال کے لفظ پر گرفت کی تھی اُس کا کسی قدر جواب برعایت اختصار

دیکھ چکا ہوں مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے ساتھ اُس کے یہ فقرہ بھی ملا دیا ہے کہ نجات دینے میں کمال ہونا چاہیئے اور منجی حضرت مسیحؑ ہیں اور اُس کی تائید میں ڈپٹی صاحب نے بہت سی پیش گوئیاں بائبل اور نیز خطوط عبرانیوں وغیرہ سے لکھکر پیش کی ہیں۔ مگر میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ یہ دردسر بیفائدہ اُٹھائی گئی۔ میری طرف سے یہ شرط ہو چکی تھی کہ فریقین میں سے جو صاحب اپنی الہامی کتاب کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہیں اس میں یہ قاعدہ ہونا چاہیئے کہ اگر وہ بیان از قسم دعویٰ ہو تو وہ دعویٰ بھی الہامی کتاب آپ پیش کرے اور اگر وہ بیان از قسم دلائل عقلیہ ہو تو چاہیئے کہ الہامی کتاب دلائل عقلیہ آپ پیش کرے نہ یہ کہ الہامی کتاب پیش کرنے سے عاجز ہو اور اُسکی حالت پر رحم کر کے اُسکی مدد کیجائے ڈپٹی صاحب توجہ فرماویں کہ منجملہ ابطال الوہیت کی جب دلیل پیش کی تو وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ وہ عقلی دلیل پیش کی جو قرآن کریم نے آپ فرمائی تھی۔ مگر میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے مطابق شرائط قرار یافتہ کے عقلی دلائل میں سے کیا پیش کیا۔ اگر ڈپٹی صاحب یہ فرماویں کہ ہمنے ایک ذخیرہ کثیرہ پیش گویوں کا جو پیش کر دیا تو اس سے زیادہ کیا پیش کیا جاتا تو اُس کے جواب میں افسوس سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ پیش گوئیاں دلائل عقلیہ میں سے نہیں ہیں وہ تو منوز دعاوی کے رنگ میں ہیں جو اپنے ثبوت کے بھی محتاج ہیں چہ جائیکہ دوسری چیز کی مثبت ہو سکیں۔ اور میں شرط کر چکا ہوں کہ دلائل عقلیہ پیش کرنی چاہئیں۔ ماسوا اس کے جس قدر پیش کیا گیا ہے حضرت مسیحؑ اس کی تصدیق سے انکار کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں اپنے کل کے بیان میں کسی قدر اس کا ثبوت دیکھ چکا ہوں مگر ناظرین کی زیادت معرفت کی غرض سے پھر کسی قدر لکھتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ **یوحنا باب ۱۰/۳۰** میں ۳۷ تک صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ مجھ میں اور دوسرے مقربوں اور مقدسوں میں ان الفاظ کی اطلاق میں جو بائبل میں اکثر انبیا وغیرہ کی نسبت بولے گئے ہیں جو ابن اللہ ہیں یا خدا ہیں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں ذرا سوچ کر دیکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح پر یہودیوں نے یہ بات سُن کر کہ وہ اپنے تئیں ابن اللہ کہتے ہیں یہ الزام لگایا تھا کہ تو کفر کہتا ہے یعنی کافر ہے اور پھر اُنہوں نے اس الزام کے لحاظ سے اُن کو پتھراؤ کرنا چاہا اور بڑے افروختہ ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر کہ جب حضرت مسیحؑ یہودیوں کی نظر میں اپنے ابن اللہ کہلانے کی وجہ سے کافر معلوم ہوتے تھے اور اُنہوں نے اُس کو سنگسار کرنا چاہا۔ تو ایسے موقعہ پر کہ اپنی بریت یا اثبات دعوے کا موقعہ تھا مسیحؑ کا فرض کیا تھا؟ ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس موقعہ پر کہ کافر بنایا گیا حملہ کیا گیا سنگسار کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنا مسیح کا کام تھا اول یہ کہ اگر حقیقت میں حضرت مسیحؑ خدا تعالےٰ کے بیٹے ہی تھے تو یوں جواب دیتے کہ یہ میرا دعویٰ حقیقت میں سچا ہے اور میں واقعی طور پر خدا تعالےٰ کا بیٹا ہوں اور اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لیئے میرے پاس

دو ثبوت ہیں - ایک یہ کہ تمہاری کتابوں میں میری نسبت لکھا ہے کہ مسیح درحقیقت خدا تعالےٰ کا بیٹا ہے بلکہ خود خدا ہے - قادر مطلق ہے - عالم الغیب ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر تمکو شبہ ہے تو لاؤ کتابیں پیش کرو میں اُن کتابوں سے اپنی خدائی کا ثبوت تمہیں دکھلا دوں گا - یہ تمہاری غلط فہمی اور کم توجہی اپنی کتابوں کی نسبت ہے کہ تم مجھے کافر ٹھہراتے ہو تمہاری کتابیں ہی تو مجھے خدا بنارہی ہیں - اور قادر مطلق بتلا رہی ہیں پھر میں کافر کیوں کر ہوا بلکہ تمہیں تو چاہیئے کہ اب میری پرستش اور پوجا شروع کردو کہ میں خدا ہوں -

پھر دوسرا ثبوت یہ دینا چاہیئے تھا کہ آؤ خدائی کی علامتیں مجھ میں دیکھ لو جیسے خدا تعالیٰ نے آفتاب - ماہتاب - سیارے - زمین وغیرہ پیدا کیا ہے - ایک قطعہ زمین کا یا کوئی ستارہ یا کوئی اور چیز میں نے بھی پیدا کی ہے اور اب بھی پیدا کر کے دکھلا سکتا ہوں اور نبیوں کے معمولی معجزات سے بڑھکر مجھ میں قوت اور قدرت حاصل ہے - اور مناسب تھا کہ اپنے خدائی کے کاموں کی ایک مفصل فہرست اُن کو دیتے کہ دیکھو آجتک یہ یہ کام میں نے خدائی کے کیئے ہیں - کیا حضرت موسیٰ سے لیکر تمہارے کسی آخری نبی تک ایسے کام کسی اور نے بھی کیئے ہیں اگر ایسا ثبوت دیتے ہو تو یہودیوں کا مونھ بند ہوجاتا اور اُسی وقت تمام فقیہ اور فریسی آپ کے سامنے سجدہ میں گرتے کہ ہاں حضرت! ضرور آپ خدا ہی ہیں ہم بھولے ہوئے تھے - آپ نے اس آفتاب کے مقابل پر جو ابتدا سے چمکتا ہوا چلا آتا ہے اور دن کو روشن کرتا ہے اور اُس ماہتاب کے مقابل پر جو ایک خوبصورت روشنی کے ساتھ رات کو طلوع کرتا ہے اور رات کو منور کر دیتا ہے آپ نے ایک آفتاب اور ایک ماہتاب اپنی طرف سے بناکر ہمکو دکھلا دیا ہے اور کتابیں کھول کر اپنی خدائی کا ثبوت ہماری مقبولہ مسلمہ کتابوں سے پیش کر دیا ہے - اب ہماری کیا مجال ہے کہ بھلا آپ کو خدا نہ کہیں جہاں خدا نے اپنی قدرتوں کے ساتھ تجلّی کی وہاں عاجز بندہ کیا کر سکتا ہے - لیکن حضرت مسیح نے ان دونوں نمونوں میں سے کسی ثبوت کو بھی پیش نہ کیا اور پیش کیا تو ان عبارتوں کو پیش کیا سُن لیجئے -

تب یہودیوں نے پھر پتھر اُٹھائے کہ اُسپر پتھراؤ کریں - یسوع نے اُنھیں جواب دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بہت سے اچھے کام تمہیں دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے لیئے تم مجھے پتھراؤ کرتے ہو - یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کے لیئے نہیں بلکہ اس لیئے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تو کفر کہتا ہے اور انسان ہو کے اپنے تئیں خدا بناتا ہے - یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو جبکہ اُس نے اُنہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں -

اب منصفین سوچ لیں کہ کیا الزام کفر کا دور کرنے کے لیئے اور اپنے آپ کو حقیقی طور پر بیٹا اللہ تعالےٰ کا ثابت کرنے کے لیئے یہی جواب تھا کہ اگر میں نے بیٹا کہلایا تو کیا حرج ہو گیا تمہارے بزرگ بھی خدا کہلاتے رہے ہیں۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب اس جگہ فرماتے ہیں کہ گویا حضرت مسیح اُن کے بلوے سے خوفناک ہو کر ڈر گئے اور اصلی جواب کو چھپا لیا اور تقیہ اختیار کیا مگر میں کہتا ہوں کہ کیا یہ اُن نبیوں کا کام ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی راہ میں ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے ہیں **قرآن کریم** میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کے سچے پیغمبر جو اُس کے پیغام پہونچاتے ہیں وہ پیغام رسانی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ پس حضرت مسیح قادر مطلق کہلا کر کمزور یہودیوں سے کیونکر ڈر گئے۔

اب اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حقیقی طور پر ابن اللہ ہونے کا یا خدا ہونیکا کبھی دعوےٰ نہیں کیا اور اس دعوےٰ میں اپنے تئیں اُن تمام لوگوں کا ہمرنگ قرار دیا اور اس بات کا اقرار کیا کہ اُنھیں کے موافق یہ دعوےٰ بھی ہے تو پھر اس صورت میں وہ پیشگوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب پیش فرماتے ہیں وہ کیونکر بموجب شرط کے صحیح سمجھی جائینگی ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے کہ مدعی سُست گواہ چُست۔ حضرت مسیح تو کفر کے الزام سے بچنے کے لیئے صرف یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ میری نسبت اسی طرح بیٹا ہونے کا لفظ بولا گیا ہے جس طرح تمہارے بزرگوں کی نسبت بولا گیا ہے گویا یہ فرماتے ہیں کہ میں تو اس وقت قصوروار اور مستوجب کفر ہوتا کہ خاص طور پر بیٹا ہونے کا دعوےٰ کرتا۔ بیٹا کہلانے اور خدا کہلانے سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں دیکھ لو۔ پھر حضرت مسیح نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ نے کئی مقامات انجیل میں اپنی انسانی کمزوریوں کا اقرار کیا جیسا کہ جب قیامت کا پتہ اُن سے پوچھا گیا تو آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی اور کہا کہ بجز اللہ تعالےٰ کے قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ **علم** روح کی صفات میں سے ہے نہ جسم کی صفات میں سے۔ اگر ان میں اللہ تعالیٰ کی رُوح تھی اور یہ خود اللہ تعالےٰ ہی تھے تو لاعلمی کے اقرار کی کیا وجہ۔ کیا خدا تعالےٰ بعد علم کے نادان بھی ہو جایا کرتا ہے۔ پھر **متی** ۱۹ باب ۱۶ میں لکھا ہے " دیکھو ایک نے آکے اُسے (یعنی مسیح سے) کہا اے نیک استاد میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اُس نے اُسے کہا تو کیوں نیک مجھے کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنے خدا۔ پھر **متی** ۲۰/۲۰ میں لکھا ہے کہ زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کو حضرت مسیح کے دائیں بائیں بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا اس میں میرا اختیار نہیں۔ اب فرمائیے قادر مطلق ہونا کہاں گیا۔ قادر مطلق بھی بھی

سے اغنیا ہو جایا کرتا ہے اور جبکہ اس قدر تعارض صفات میں واقع ہو گیا کہ حضرات حواری تو آپ کو قادر مطلق خیال کرتے ہیں اور آپ قادر مطلق ہونے سے انکار کر رہے ہیں تو ان پیش گوئیوں کی کیا عزت اور کیا وقعت باقی رہی جس کے لیئے یہ پیش کی جاتی ہیں۔ وہی انکار کرتا ہے کہ میں قادر مطلق نہیں یہ خوب بات ہے۔ پھر متی ۲۶ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ مسیح نے تمام رات اپنے بچنے کے لیئے دعا کی اور نہایت غمگین اور دلگیر ہو کر اور رو رو کر اللہ جلشانہ سے التماس کی کہ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے اور نہ صرف آپ بلکہ اپنے حواریوں سے بھی اپنے لیئے دعا کرائی جیسے عام انسانوں میں جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اکثر مسجدوں وغیرہ میں اپنے لیئے دعا کرایا کرتے ہیں لیکن تعجب یہ کہ باوجود اس کے کہ خواہ نخواہ قادر مطلق کی صفت اُن پر تھوپی جاتی ہے اور اُن کے کاموں کو اقتداری سمجھا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ دعا منظور نہ ہوئی اور جو تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو ہی گیا۔ اب دیکھو اگر وہ قادر مطلق ہوتے تو چاہیئے تھا کہ یہ اقتدار اور یہ قدرت کاملہ پہلے اُن کو اپنے نفس کے لیئے کام آتا۔ جب اپنے نفس کے لیئے کام نہ آیا تو غیروں کو اُن سے توقع رکھنا ایک طمع خام ہے۔

اب ہمارے اس بیان سے وہ تمام پیش گوئیاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے پیش کی ہیں رد ہو گئیں اور صاف ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح ؑ اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں اور خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بے شک ہیں۔ خدا تعالےٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ جلشانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے قل ارایتم ما تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السّمٰوات ائتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صادقین۔ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وھم عن دعایھم غٰفلون۔ یعنی کیا تم نے دیکھا کہ جن لوگوں کو تم اللہ تعالےٰ کے سوا معبود ٹھہرا رہے ہو انھوں نے زمین میں کیا پیدا کیا اور یا اُن کو آسمان کی پیدائش میں کوئی شراکت ہے اگر اسکا ثبوت تمہارے پاس ہے اور کوئی ایسی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں فلاں چیز تمہارے معبود نے پیدا کی ہے تو لاؤ وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یونہی کوئی شخص قادر مطلق کا نام رکھا لے۔ اور قدرت کا کوئی نمونہ پیش نہ کرے اور خالق کہلائے اور خالقیت کا کوئی نمونہ ظاہر نہ کرے۔

اور پھر فرماتا ہے کہ اُس شخص سے زیادہ تر گمراہ کون شخص ہے کہ ایسے شخص کو خدا کر کے پکارتا ہے جو اس کو قیامت تک جواب نہیں دے سکتا بلکہ اُسکے پکارنے سے بھی غافل ہے چہ جائیکہ اُسکو جواب دے سکے۔

اب اِس مقام پر ایک سچی گواہی میں دینا چاہتا ہوں جو میرے پر فرض ہے اور وہ یہ ہے جو

میں اُس اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتا ہوں کہ جو بگفتن قادر مطلق نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی طور پر قادر مطلق ہے اور مجھے اُس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے خاص مکالمہ سے شرف بخشا ہے اور مجھے اطلاع دیدی ہے کہ میں جو سچا اور کامل خدا ہوں میں ہر ایک مقابلہ میں جو روحانی برکات اور سماوی تائیدات میں کیا جائے تیرے ساتھ ہوں اور تجھکو غلبہ ہوگا۔

اب میں اس مجلس میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کی خدمت میں اور دوسرے تمام حضرات عیسائی صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس بات کو اب طول دینے کی کیا حاجت ہے کہ آپ ایسی پیش گوئیاں پیش کریں جو حضرت مسیح ؑ کے اپنے کاموں وفعل کے مخالف پڑی ہوئی ہیں۔ ایک سیدھا اور آسان فیصلہ ہے جو میں زندہ اور کامل خدا سے کسی نشان کے لیئے دُعا کرتا ہوں اور آپ حضرت مسیح سے دعا کریں۔ آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہے۔ پھر اگر وہ قادر مطلق ہے تو ضرور آپ کامیاب ہوجاوینگے۔ اور میں اس وقت اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کرکے کہتا ہوں کہ اگر میں بالمقابل نشان بتانے میں قاصر رہا تو ہر ایک سزا اپنے پر اُٹھالوں گا۔ اور اگر آپ نے مقابل پر کچھ دکھلایا تب بھی سزا اُٹھالوں گا۔ چاہیئے کہ آپ خلق اللہ پر رحم کریں۔ میں بھی اب پیرانہ سالی تک پہنچا ہوا ہوں اور آپ بھی بوڑھے ہوچکے ہیں۔ ہمارا آخری ٹھکانا اب قبر ہے۔ آؤ اس طرح پر فیصلہ کرلیں۔ سچا اور کامل خدا بے شک سچے کی مدد کرے گا۔ اب اس سے زیادہ کیا عرض کروں (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

پانچواں پرچہ

مباحثہ ۲۶- مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج چھ بجے گیارہ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھنا شروع کیا- ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا- مرزا صاحب نے ۷ بجے ۲۲ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۲۲ منٹ پر ختم ہوا- مرزا صاحب کا مضمون سُنائے جانے کے بعد یہ سوال پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو اپنے مضمون کے اخیر میں عیسائی جماعت کو عام طور پر مخاطب کیا ہے اس کے متعلق بعض عیسائی صاحبوں کو جو خواہش رکھتے ہیں جواب دینے کی اجازت ہو جاوے سب سے پہلے پادری ٹامس ہاول صاحب نے اجازت طلب کی اور مرزا صاحب نے اپنی طرف سے اجازت دیدی- اس کے بعد پادری احسان اللہ صاحب نے کہا کہ شرائط کے بموجب عیسائی صاحبان کی طرف سے کسی اور شخص کو بولنے کی اجازت نہیں- اور اس سوال میں عیسائی صاحبان کو عام طور پر مخاطب کیا گیا ہے- اس لیئے یہ سوال ناواجب ہی سمجھا جانا چاہیئے اسپر میر مجلس اہل اسلام نے بیان کیا کہ جس ترتیب کے ساتھ سوال ہوا ہے اُسی ترتیب کے ساتھ جواب دیا جانا چاہیئے یعنی سوال بھی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب کے ذریعہ عام طور پر عیسائی صاحبان سے کیا گیا ہے اور جواب بھی اُنہیں کے ذریعہ اُسی ترتیب کے ساتھ دیا جائے یعنی اس سوال کے جواب کے موقعہ پر کسی عیسائی صاحب کو جو اجازت طلب کرتے ہیں پیش کردیں- اسپر میر مجلس عیسائی صاحبان نے بیان کیا کہ اس طریق سے مباحثہ کے انتظام میں نقص آئیگا- بہتر یہ ہے کہ اس سوال کو ہی نکال دیا جاوے اسپر مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ اس میں اتنی ترمیم کی جاسکتی ہے کہ اس سوال کو صرف مسٹر عبداللہ صاحب تک ہی محدود کیا جائے اور یہ ترمیم باتفاق رائے منظور ہوئی- بعد ازاں پادری جی- ایل ٹھاکرداس صاحب نے اجازت لیکر بیان کیا کہ مرزا صاحب کو یہ سوال عیسائی صاحبان پر کرنیکا حق ہے مگر چونکہ اس سے پہلے اس امر کا تصفیہ ہو چکا تھا اس لیئے وُہی بحال رہا- پھر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب ۸ بجے ۱۵ منٹ پر شروع کیا اور ۹ بجے ۲۲ منٹ پر ختم کیا- پھر مرزا صاحب نے ۹ بجے ۳۰ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۳۰ منٹ پر ختم کیا- بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیئے گئے اور مصدقہ تحریریں فریقین کو دی گئیں اور جلسہ برخاست ہوا-

دستخط بحروف انگریزی- ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی- غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام-

بیان ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

ہمارا بیان یہ ہے کہ مسیح کامل انسان اور کامل مظہر اللہ ہے بروئے کلام الٰہی ان دو امروں کا انکار ہونا محال ہے لیکن بالیقین یہودی اس کو مظہر اللہ نہیں جانتے تھے پھر جب کبھی اُس کے مُنہ سے اُس کے مظہر اللہ ہونے کا کوئی لفظ نکل آتا تھا تو یہودی اُسپر الزام کفر کا لگا کر سنگسار کرنے پر آمادہ ہوتے تھے چنانچہ موقعہ متنازعہ کی بھی یہی صورت ہے اور اس موقعہ پر مسیح نے فرمایا کہ اگر میں اپنی انسانیت سے بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہوں تو اس سے زیادہ کچھ نہیں جیسے تمہارے نبی بھی خدا کہلائے تو میرا کہنا ان سے زیادہ بڑھکر بہ نسبت اسکے انسانیت کے بھی نہیں ہے۔ پس یہاں اس نے اپنے مظہر اللہ ہونے کا انکار کیونکر کیا۔ مظہر اللہ ہونے کی آیات تو ہماری محولہ فہرست دیروزہ میں بھی موجود ہیں۔ اس کو کس خوش فہمی سے مرزا صاحب رد کرتے ہیں۔ کون سا امر اُن میں اس کے بطلان کا پکڑا گیا جو امر خاص متعلق مسیح کی انسانیت کے ہے وہ منافی اُسکی الوہیت یا مظہر اللہ ہونے کا بھی ہو سکتا ہے۔ ہرگز کسی قانون سے نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ وہ اپنی انسانیت میں بھی مخصوص اور مرسلہ شخص تھا۔ وہ لفظ جس کا ترجمہ مخصوص ہے یونانی میں ”ھے گی ایڈزو“ ہے جس کے معنی مقدس اور بھیجا گیا۔ جو لفظ ہے اُسکا ایما اسپر ہے کہ وہ فرمایا کرتا تھا کہ میں آسمان سے ہوں تم زمینی ہو یعنی میں آسمان سے زمین پر بھیجا گیا ہوں اور ہمارے شارح اکثر اُس کے معنی الوہیت کے کرتے ہیں۔ پھر کیا مرزا صاحب نے اسے باب ۱۰ یوحنا میں یہ نہ دیکھا کہ جیسے مسیح نے اوّلاً یہ دعوے کیا تھا کہ میں اور باپ ایک ہیں جسپر یہودیوں نے پتھر اُٹھائے تھے۔ اس زعم سے کہ وہ انسان مخلوق ہو کر دعوے اللہ ہونے کا کرتا ہے پھر جب اُس نے اپنی انسانیت کو بھی اس الزام سے بچا لیا تو پھر وُہی دعویٰ پیش کر دیا کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ پس جناب یہ کیونکر فرماتے ہیں کہ وہ ڈر گیا۔ بجائے ڈرنے کے اَور بھی اُس نے کھلا کھلی دعویٰ الوہیت کو پیش کیا تو یہ صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند مسیح نے فرمایا کہ میں اس گھڑی سے آگاہ نہیں اور دوسرے موقع پر فرمایا کہ میرے دائیں اور بائیں بٹھلانا میرا اختیاری نہیں لیکن یہ کلمات نسبت اُسکی انسانیت سے رکھتے ہیں کیونکہ الوہیت کے کلمات اَور ہیں چنانچہ یہ کہ زمین و آسمان کا اختیار مجھکو حاصل ہے اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ایک موقع پر خداوند نے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے جبکہ نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں مگر یہ فرمانا اُس کا اس شخص سے تھا جو اُس کو منجی اور مالک ہر شئے کا نہیں مانتا تھا چنانچہ جب اُس نے اخیر میں اُس سے کہا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے

تو سارا اپنا مال غربا کو دے ڈال اور میرے پیچھے ہولے مگر وہ اُس سے دلگیر ہو کر چلا گیا اور اگر وہ اُس کو خدا اور مالک جانتا اور یہ کہ وہ اُس سے ہزار چند بخش سکتا ہے تو کبھی بھی دلگیر ہو کر نہ جاتا اس سے ظاہر ہے کہ وہ قائل اُس کی الوہیت کا نہ تھا اسی واسطے خداوند نے فرمایا کہ تب تو مجھے نیک بھی کیوں کہتا ہے یعنی مکار کیوں بنتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ نیک سوائے خدا کے اَور کوئی نہیں ۔

(۲) جناب مرزا صاحب نے کمال ہونے راہ نجات پر قرآن سے کچھ نہیں فرمایا پھر ہماری اَور کوئی چیز کس مظہریت کی ہے بقول مسیح کہ اگر ہم جہان کو حاصل کریں اور جان کو کھو دیں تو فائدہ کیا ہوا پس سب سے اوّل لازم اور واجب ہے کہ نجات کی بابت قرآن میں کمال دکھلایا جاوے ۔ **بیت**

وہ ہو تو یہ ہوتی ہو یا نہو   وہ نا ہو تو سب کا سب فنا ہو

توحید کا علم تو بائبل میں بھی موجود تھا ۔ الا اس کلمہ توحید سے نجات کا کیا علاقہ ہے ۔ کیا یعقوب حواری کے خط کے دوسرے باب ۱۹ میں یہ بہت ٹھیک اور واجباً نہیں فرمایا گیا کہ تو کہتا ہے کہ خدا ایک ہے ۔ شیطان بھی کہتا ہے بلکہ تھرتھراتا بھی ہے ۔ توریت کے مضمون کے چار حصہ میں ماسواء امور اثباتیہ کے یعنی شریعت اخلاقی ۔ شریعت رسمیاتی ۔ شریعت قضاتی اور قصص ۔ اب یہ سارے امور ٹے پالوجی کے ہیں یعنی نشانات تصویری کے سے ۔ چنانچہ اخلاقی میں احتیاج دکھلایا گیا ہے اور رسمیاتی میں مایحتاج دکھلایا گیا ہے اور قضاتی میں (بھی اُدکرسے) دکھلائی گئی ۔ یعنی وہ سلطنت جو خدا تعالےٰ بلا واسطہ غیر کے خود کرتا ہے اور قصص جن میں تصویر کے نشانات بھرے ہیں ۔ ان مقامات کو اب اس جگہ اگر ہم لکھیں تو بہت طول ہو جاتا ہے ۔ ہم اس کے واسطے اپنی کتاب اندرونہ بائبل کو پیش کرتے ہیں کہ جس سے یہ سب حال ظاہر ہو جائے گا ۔ انجیل میں انہیں نشانات کا صاحب نشان دکھلایا ہے ۔ پس یہ متفرق شریعتیں کیونکر ہوئیں ۔ البتہ قرآن کی شریعت ان کے سوا ہے جو مخصوص ساتھ قرآن کے ہے اس کا بار ہم پر کچھ نہیں لیکن آپ پر ہے ۔

(۴) صداقت محتاج دلیل کی کیونکر ہے ۔ کیا وہ خود ہی اپنی مراد پر دال نہیں اس کے واسطے اَور تصفیہ آپ کیا چاہتے ہیں ۔ کیا وہ آیات جو ہم نے اس فہرست میں پیش کی ہیں اُن میں کوئی ناصاف بھی ہے ۔

(۵) ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بنایا تھا ۔ خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں ۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ بحیثیت انسانیت کے تو اُس نے کچھ نہیں

بنایا۔ لیکن بہ حیثیت مظہر اقنوم ثانی کے باعث اشمال وایک باب یوحنا میں یوں لکھا ہے جو کچھ بنا ہے اُسی کے وسیلہ بنا ہے اور کہ باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلہ سے اُسے جتلا دیا ✤

(۷) ہم نے خداوند مسیح کا ڈرنا نہیں کہا بلکہ اُن کا بیجا غصہ فرو کرنا کہا ہے۔

(۸) مسیح نے تعلیم سلف کو پیچیدہ نہیں کیا بلکہ پیچیدہ کو صاف کیا ہے۔
چنانچہ اُن نے مظہر اللہ ہو کر وہ صفات ظاہر کیں جو اَور طرح سے ظاہر نہ ہو سکتی تھیں جیسا کہ متی ۶-۹ خدا کا باپ ہونا۔ یوحنا ۳-۱۶ خدا محبت ہے یوحنا کا ۴/۲۴ خدا روح ہے۔ کثرت فی الوحدت توریت میں صاف لکھی تھی جیسا کہ اُس آیت میں ہے کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ تاہم یہودیوں کی آنکھ میں غفلت کا پردہ تھا اور خداوند نے اس پردہ کو اُٹھا دیا ✤

(۹) کلام الٰہی کی شرح کرنا یہودیوں کا خاص ورثہ نہیں ہے گو وہ انبیاؤں کی اولاد ہیں اور کلام کے امانتدار اور تواتر سے سُننے والے۔ کیونکہ اُن میں بغض و تعصب بہت بھر گیا تھا اور جب خداوند یسوع نے یہ فرمایا کہ جو وہ کہتے ہیں سو کرو اور جو کرتے ہیں سو نہ کرو۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ کہنا اُن کا الفاظ توریت سے ہے اور کرنا ان کا برخلاف اس کے ✤

(۱۰) بدن مسیح کا زوال پذیر ہوا ہو مگر اس سے کفارہ کا کیا علاقہ ہے فی الحال اَور کچھ نہ کہوں گا۔ (باقی آئندہ)

دستخط دستخط

بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

میرے کل کے بیان میں **نجات** کے بارہ میں کچھ لکھنا رہ گیا تھا کہ نجات کی حقیقت کیا ہے اور سچے حقیقی طور پر کب اور کس وقت کسی کو کہہ سکتے ہیں کہ نجات پا گیا اب جاننا چاہئے کہ اللہ جل شانہ نے نجات کے بارہ میں **قرآن کریم** میں یہ فرمایا ہے وقالوا

لن یدخل الجنة الا من کان ھودًا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین بلیٰ من اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون - اور کہا اُنہوں نے کہ ہرگز بہشت میں داخل نہیں ہوگا یعنی نجات نہیں پائے گا مگر وہی شخص جو یہودی ہوگا یا نصرانی ہوگا یہ اُن کی بے حقیقت آرزوئیں ہیں کہو لاؤ برہان اپنی اگر تم سچے ہو یعنی تم دکھلاؤ کہ تمہیں کیا نجات حاصل ہوگئی ہے بلکہ نجات اُس کو ملتی ہے جس نے اپنا سارا وجود اللہ کی راہ میں سونپ دیا یعنی اپنی زندگی کو خدا تعالےٰ کی راہ میں وقف کر دیا اور اُس کی راہ میں لگا دیا - اور وہ بعد وقف کرنے اپنی زندگی کے نیک کاموں میں مشغول ہوگیا اور ہر ایک قسم کے اعمال حسنہ بجا لانے لگا پس وُہی شخص ہے جس کو اُس کا اجر اُس کے رب کے پاس سے ملیگا اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ ڈر ہے اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے یعنی وہ پورے اور کامل طور پر نجات پا جائیں گے - اِس مقام میں اللہ جل شانہ نے عیسائیوں اور یہودیوں کی نسبت فرما دیا کہ جو وہ اپنی اپنی نجات یابی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ صرف اُن کی آرزوئیں ہیں اور اُن آرزوؤں کی حقیقت جو زندگی کی روح ہے ان میں ہرگز پائی نہیں جاتی بلکہ اصلی اور حقیقی نجات وہ ہے جو اِسی دُنیا میں اُس کی حقیقت نجات یابندہ کو محسوس ہو جائے اور وہ اس طرح پر ہے کہ نجات یابندہ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ توفیق عطا ہو جائے کہ وہ اپنا تمام وجود **خدا تعالیٰ** کی راہ میں وقف کر دے اِس طرح پر کہ اُس کا مرنا اور جینا اور اُس کے تمام اعمال خدا تعالےٰ کے لیئے ہو جائیں اور اپنے نفس سے وہ بالکل کھویا جائے اور اُس کی مرضی خدا تعالےٰ کی مرضی ہو جائے اور پھر نہ صرف دل کے عزم تک یہ بات محدود رہے بلکہ اس کی تمام جوارح اور اُس کے تمام قوےٰ اور اُس کی عقل اور اُس کا فکر اور اُس کی تمام طاقتیں اسی راہ میں لگ جائیں تب اسکو کہا جائیگا کہ وہ محسن ہے یعنی خدمتگاری کا اور فرمانبرداری کا حق بجا لایا جہاں تک اُسکی بشریت سے ہو سکتا تھا سو ایسا شخص نجات یاب ہے - جیسا کہ ایک دوسرے مقام میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین (س ۸ - سورہ انعام - رکوع ۷) کہہ نماز میری اور عبادتیں میری اور زندگی میری اور موت میری تمام اس اللہ کے واسطے ہیں جو رب ہے عالموں کا جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی درجہ کے حاصل کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اوّل مسلمانوں کا ہوں +

پھر بعد اس کے اللہ جل شانہ اس نجات کی علامات اپنی کتاب کریم میں لکھتا ہے کیونکہ

گو جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی ایک حقیقی ناجی کے لیئے ما بہ الامتیاز ہے لیکن چونکہ دنیا کی آنکھیں اِن باطنی نجات اور وصول الی اللہ کو دیکھ نہیں سکتیں اور دنیا پر واصل اور غیر واصل کا امر مشتبہ ہو جاتا ہے اس لیئے اُس کی نشانیاں بھی بتلا دیں کیونکہ یوں تو دنیا میں کوئی بھی فرقہ نہیں کہ اپنے تئیں غیر ناجی اور جہنمی قرار دیتا ہے کسی سے پوچھکر دیکھ لیں بلکہ ہر ایک قوم کا آدمی جس کو پوچھو اپنی قوم کو اور اپنے مذہب کے لوگوں کو اول درجہ کا نجات یافتہ قرار دے گا۔ اِس صورت میں فیصلہ کیونکر ہو تو اس فیصلہ کے لیئے خدا تعالےٰ نے حقیقی اور کامل ایماندار وں اور حقیقی اور کامل نجات یافتہ لوگوں کے لیئے علامتیں مقرر کر دی ہیں اور نشانیاں قرار دیدی ہیں تا دنیا شبہات میں مبتلا نہ رہے چنانچہ منجملہ ان نشانیوں کے بعض نشانیوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے

الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ھم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ لاتبدیل لکلمات اللہ ذالک ھو الفوز العظیم (س ۱۱ - ر ۱۲ - سورہ یونس) یعنی خبردار ہو تحقیق وہ لوگ جو خدا تعالےٰ کے دوست ہیں اُن پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے یعنی اللہ رسول کی تابع ہو گئے اور پھر پرہیزگاری اختیار کی اُن کے لیئے خدا تعالےٰ کی طرف سے اس دنیا کی زندگی اور نیز آخرت میں بشریٰ ہے یعنی خدا تعالےٰ خواب اور الہام کے ذریعہ سے اور نیز مکاشفات سے اُن کو بشارتیں دیتا رہے گا۔ خدا تعالےٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے جو اُن کے لیئے مقرر ہو گئی یعنی اس کامیابی کے ذریعہ سے اُن میں اور غیروں میں فرق ہو جائیگا۔ اور جو سچے نجات یافتہ نہیں اُن کے مقابل میں دم نہیں مار سکیں گے پھر دوسری جگہ فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ما تشتہی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلاً من غفور الرحیم (س ۲۴ - ر ۱۸) +

یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت اختیار کی اُن کی یہ نشانی ہے کہ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم مت ڈرو اور کچھ غم نہ کرو اور خوشخبری سُنو اس بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ہم تمہارے دوست اور متولی اس دنیا کی زندگی میں ہیں اور نیز آخرت میں اور تمہارے لیئے اس بہشت میں وہ سب کچھ دیا گیا جو تم مانگو یہ مہمانی ہے غفور رحیم سے۔

اب دیکھیئے اس آیت میں مکالمہ الٰہیہ اور قبولیت اور خدا تعالےٰ کا متولی اور متکفل ہونا اور

اسی دنیا میں بہشتی زندگی کی بنا ڈالنا اور اُن کا حامی اور ناصر ہونا بطور نشان کے بیان فرمایا گیا۔

اور پھر اُس آیت میں جس کا کل ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی یہ کہ توتی اکلھا کل حین اُسی نشانی کی طرف اشارہ ہے کہ سچی نجات کا پانے والا ہمیشہ اچھے پھل لاتا ہے اور آسمانی برکات کے پھل اُس کو ہمیشہ ملتے رہتے ہیں اور پھر ایک اَور مقام میں فرماتا ہے واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون (س۲ ر۷)۔ اور جب میرے بندے میرے بارہ میں سوال کریں تو اُن کو کہدے کہ میں نزدیک ہوں یعنی جب وہ لوگ جو اللہ رسول پر ایمان لائے ہیں یہ پتہ پوچھنا چاہیں کہ خدا تعالےٰ ہم سے کیا عنایات رکھتا ہے جو ہم سے مخصوص ہوں اور غیروں میں نہ پائی جاویں تو اُن کو کہدے کہ میں نزدیک ہوں یعنی تم میں اور تمہارے غیروں میں یہ فرق ہے کہ تم میرے مخصوص اور قریب ہو اور دوسرے مہجور اور دور ہیں جب کوئی دُعا کرنے والوں میں سے جو تم میں سے دعا کرتے ہیں دعا کرے۔ تو میں اُس کا جواب دیتا ہوں یعنی میں اُس کا ہمکلام ہو جاتا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں اور اُس کی دعا کو پایۂ قبولیت میں جگہ دیتا ہوں پس چاہیئے کہ قبول کریں حکم میرے کو اور ایمان لاویں تاکہ بھلائی پاویں۔ ایسا ہی اور کئی مقامات میں اللہ جلشانہ نجات یافتہ لوگوں کے نشان بیان فرماتا ہے اگر وہ تمام لکھے جاویں تو طول ہو جائے گا جیسا کہ ان میں سے ایک یہ بھی آیت ہے یایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (س۹ ر۱۷ سورہ انفال) کہ اے ایمان والو اگر تم خدا تعالےٰ سے ڈرو تو خدا تم میں اور تمہارے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھدیگا۔

اب میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب سے باادب دریافت کرتا ہوں کہ اگر عیسائی مذہب میں طریق نجات کا کوئی لکھا ہے اور وہ طریق آپ کی نظر میں صحیح اور درست ہے اور اس طریق پر چلنے والے نجات پاجاتے ہیں تو ضرور اُس نجات یابی کی علامات بھی اُس کتاب میں لکھی ہونگی اور سچے ایماندار جو نجات پا کر اس دنیا کی ظلمت سے مخلصی پاجاتے ہیں اُن کی نشانیاں ضرور انجیل میں کچھ لکھی ہوں گی۔ آپ براہ مہربانی مجھ کو مختصر جواب دیں کہ کیا وہ نشانیاں آپ صاحبوں کے گروہ میں یا بعض ایسے صاحبوں میں جو بڑے بڑے مقدس اور اس گروہ کے سردار اور پیشوا اور اوّل درجہ پر ہیں پائی جاتی ہیں اگر پائی جاتی ہیں تو اُن کا ثبوت عنایت ہو اور اگر نہیں پائی جاتیں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جس چیز کی صحت اور درستی کی نشانی نہ پائی جائے تو کیا وہ چیز اپنے اصل پر محفوظ اور قائم سمجھی جائے گی۔ مثلاً اگر تربد یا سقمونیا یا سنا میں خاصۂ اسہال کا

نہ پایا جائے کہ وہ درست اور ثابت نہ ہو تو کیا اس تردید کو تردید موصوف یا نمونیا خالص کہہ سکتے ہیں اور ماسوا اسکے جو آپ صاحبوں نے طریق نجات شمار کیا ہے جس وقت ہم اس طریق کو اُس دوسرے طریق کے ساتھ جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے مقابل کرکے دیکھتے ہیں تو صاف طور پر آپ کے طریق کا تصنع اور غیر طبعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات بہ پایۂ ثبوت پہنچتی ہے کہ آپ کے طریق میں کوئی صحیح راہ نجات کا قائم نہیں کیا گیا مثلاً دیکھئے کہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں جو طریق پیش کرتا ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان جب اپنے تمام وجود کو اور اپنی تمام زندگی کو خدا تعالےٰ کے راہ میں وقف کر دیتا ہے تو اُس صورت میں ایک سچی اور پاک قربانی اپنے نفس کے قربان کرنے سے وہ ادا کر چکتا ہے اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ موت کے عوض میں حیات پاوے کیونکہ یہ آپ کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ جو خدا تعالےٰ کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حیات کا وارث ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی تمام زندگی کو وقف کر دیا اور اپنے تمام جوارح اور اعضا کو اُس کی راہ میں لگا دیا تو کیا اب تک اُس نے کوئی سچی قربانی ادا نہیں کی۔ کیا جان دینے کے بعد کوئی اور بھی چیز ہے جو اُس نے باقی رکھ چھوڑی ہے لیکن آپ کے مذہب کا عدل تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زید گناہ کرے اور بکر کو اُس کے عوض میں سُولی دیا جائے آپ اگر غور اور توجہ سے دیکھیں تو بیشک ایسا طریق قابل شرم آپ پر ثابت ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے جب سے انسان کو پیدا کیا انسان کی مغفرت کے لئے بھی قانون قدرت رکھا ہے جو ابھی میں نے بیان کیا ہے اور درحقیقت اس قانون قدرت میں جو طبعی اور ابتدا سے چلا آتا ہے ایسی خوبی اور عمدگی ہے جو ایک ہی انسان کی سرشت میں خدا تعالےٰ نے دونوں چیزیں رکھدی ہیں جیسے اس کی سرشت میں گناہ رکھا ہے ویسا ہی اس گناہ کا علاج بھی رکھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں ایسے طور سے زندگی وقف کر دیجائے کہ جس کو سچی قربانی کہہ سکتے ہیں۔ اب مختصر بیان یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ طریق نجات کا جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے صحیح نہیں ہے تو اوّل آپ کو چاہیئے کہ اس طریق کے مقابل پر جو حضرت مسیح ؑ کی زبان سے ثابت ہوتا ہے اُس کو ایسا ہی مدلل اور معقول طور پر انکی تقریر کے حوالہ سے پیش کریں پھر بعد اس کے انہیں کے قول مبارک سے اُس کی نشانیاں بھی پیش کریں تاکہ تمام حاضرین جو اس وقت موجود ہیں ابھی فیصلہ کرلیں۔ ڈپٹی صاحب۔ کوئی حقیقت بغیر نشانوں کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں بھی ایک معیار حقائق شناسی کا ہے کہ ان کو ان کی نشانیوں سے پرکھا جائے سو ہمنے تو وہ نشانیاں پیش کر دیں اور ان کا دعوےٰ بھی اپنی نسبت پیش کر دیا اب یہ قرضہ ہمارا آپ کے ذمہ ہے اگر آپ پیش نہیں

کریں گے اور ثابت کر کے نہیں دکھلائیں گے کہ یہ طریق نجات جو حضرت مسیح کیطرف منسوب کیا جاتا ہے کس وجہ سے سچا اور صحیح اور کامل ہے تو اُس وقت تک آپ کا یہ دعوےٰ ہرگز صحیح نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح اور سچا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ کر کے بھی دکھا دیا اور اس کا ثبوت میں پیش کرچکا ہوں آپ براہ مہربانی اب اس نجات کے قصہ کو بے دلیل اور بے وجہ صرف دعوے کے طور پر پیش نہ کریں کوئی صاحب آپ میں سے کھڑے ہو کر اس وقت بولیں کہ میں بموجب فرمودہ حضرت مسیح کے نجات پا گیا ہوں اور وہ نشانیاں نجات کی اور کامل ایمانداری کی جو حضرت مسیح نے مقرر کی تھیں وہ مجھ میں موجود ہیں پس ہمیں کیا انکار ہے ہم تو نجات ہی چاہتے ہیں لیکن زبان کی لسانی کو کوئی قبول نہیں کرسکتا۔ میں آپکی خدمت میں عرض کرچکا ہوں کہ قرآن کا نجات دینا میں نے بچشم خود دیکھ لیا ہے اور میں پھر اللہ تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالمقابل اس بات کو دکھلانے کو حاضر ہوں لیکن اوّل آپ دو حرفی مجھے جواب دیں کہ آپ کے مذہب میں سچی نجات مع اُسکی علامات کے پائی جاتی ہے یا نہیں اگر پائی جاتی ہے تو دکھلاؤ۔ پھر اس کا مقابلہ کرو۔ اگر نہیں پائی جاتی تو آپ صرف اتنا کہدو کہ ہمارے مذہب میں نجات نہیں پائی جاتی پھر میں یکطرفہ ثبوت دینے کے لئے مستعد ہوں ٭

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ھنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائیاں

بیان ڈپٹی مسٹر عبداللہ آتھم صاحب

بقیہ جواب

جو مرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح نے اُسی وقت ایسا یا ویسا ثبوت کیوں نہ دیا جب اُس پر الزام کفر کا لگا کر پتھراؤ کرنا چاہتے تھے تاکہ ظاہر ہو جاتا کہ فی الواقع اللہ ہی ہے۔ مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک شخص نے مجھ سے کلام کرتے ہوئے یہ کہا کہ خدا تعالےٰ نے یہ کیا کوتاہ بینی کی۔ کہ

دو آنکھیں پیشانی کے نیچے ہی لگا دی ہیں، ایک سر میں کیوں نہ لگا دی کہ وہ اوپر کی بلیات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا اور ایک پیٹھ میں کیوں نہ لگا دی کہ پیچھے سے دیکھ سکتا۔ اب اسمیں حیرانی ہے کہ کیا ایک بے چون و چرا پر اس قسم کی چون و چرا جائز ہے یہ کہنا معقول نہیں ہے کہ ایسا اور ویسا کیوں نہ کیا مگر یہ معقول ہے کہ جو کیا گیا ہے اُس کو معرض اعتراض لایا جائے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہودیوں کا الزام یہی نہ تھا کہ تو انسان ہو کر خدا بنتا ہے یہ کفر ہے اور جواب اسکا یہ ہوا کہ میں انسان ہو کر بھی اپنے آپ کو ابن اللہ کہہ سکتا ہوں اور کفر نہیں ہوتا جیسے نبی اللہ بھی تو انسان تھے اور ان کو اللہ کہا گیا تو پس اس میں سوال اس کی الوہیت کے متعلق کونسا تھا۔

دوسرا امر جناب مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنے لیئے حواریوں سے دعا چاہی یہ تو سچ نہیں موقعہ کو دیکھ لیں اس میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح نے اُن کو کہا کہ تم اپنے لیئے دعا مانگو تاکہ تم امتحان میں نہ پڑو۔

تیسرا جناب کے کل کے مباہلہ کا جواب یہ ہے کہ ہم مسیحی تو پُرانی تعلیمات کے لیئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اُس کی استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں بجز اس کے کہ ہم کو وعدہ یہ ہوا ہے کہ جو درخواست بمطابق رضا الٰہی کے تم کرو گے وہ تمہارے واسطے حاصل ہو جائیگی اور نشانات کا وعدہ ہم سے نہیں لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے۔ اگر اسی میں مہربانی خلق اللہ کے اوپر ہے کہ نشان دکھلا کر فیصلہ کیا جائے تو ہمنے تو اپنا عجز بیان کیا جناب ہی کوئی معجزہ دکھلا دیں اور اس وقت آپ نے اپنے آخری مضمون دیروزہ میں کہا تھا اور کچھ آج بھی اسپر ایما ہے اب زیادہ گفتگو کی اس میں کیا ضرورت ہے ہم دونوں عمر رسیدہ ہیں آخر قبر ہمارا ٹھکانا ہے خلق اللہ پر رحم کرنا چاہیئے کہ آؤ کسی نشان آسمانی سے فیصلہ کرلیں۔ اور یہ بھی آپ نے کہا کہ مجھے خاص الہام ہوا ہے کہ اس میدان میں تجھے **فتح** ہے اور ضرور خدائے راست ان کے ساتھ ہوگا جو راستی پر ہیں ضرور ضرور ہی ہوگا۔ آپکی اس تحریر کے خلاصہ کا یہ جواب ہے جیسا کہ ہم آگے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم آپ کو کوئی پیغمبر یا رسول یا شخص ملہم جان کر آپ سے مباحثہ نہیں کرتے آپ کے ذاتی خیالات اور وجوہات اور الہامات سے ہمارا کچھ سروکار نہیں ہم فقط آپ کو ایک محمدی شخص فرض کر کے **دین عیسوی** اور **محمدیت** کے بارہ میں بموجب اُن قواعد و اسناد کے جو ان ہر دو میں عام مانی جاتی ہیں آپ سے گفتگو کر رہے ہیں خیر تاہم چونکہ آپ ایک خاص قدرت الٰہی دیکھانے پر آمادہ ہو کے ہمکو برائے مقابلہ بلاتے ہیں تو ہمیں دیکھنے سے گریز بھی نہیں یعنی معجزہ یا نشانی۔ پس ہم یہ تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا۔ ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے۔ ان میں سے جس کسی کو صحیح سالم کرسکو کردو اور جو اس معجزہ سے ہمپر فرض و واجب

ہوگا ہم ادا کرینگے آپ بقولِ خود ایسے خدا کے قائل ہیں جو گفتہ قادر نہیں لیکن درحقیقت قادر ہے تو وہ ان کو تندرست بھی کر سکیگا پھر اس میں تامل کی کیا ضرورت ہے۔ اور ضرور بقول آپکے راستباز کے ساتھ ہوگا ضرور ہوگا۔ آپ خلق اللہ پر رحم فرمائیے جلد فرمائیے اور آپ کو خبر ہوگی کہ آج یہ معاملہ پڑنا ہے جس خدا نے الہام سے آپ کو خبر دیدی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اُس نے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا ہوگا کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسی وقت اپنا چیلنج پورا کیجیئے۔

چہارم۔ نجات کے بارہ میں جو جناب نے قرآن سے فرمایا ہے اس کا خلاصہ افعال معینہ ہے اور اس امر کی پڑتال ہم ہفتہ آئندہ میں کرینگے کیونکہ موقع وُہی ہے جب ہمارے حملہ شروع ہونگے اور آپکے حملہ ختم ہولیں گے۔ اور جو آپ نے اعمال متقین کا فدیہ پیش کیا ہے اُسکو ہم جانچیں گے کہ کیا کامل ہے یا ناقص علیٰ ہٰذا القیاس مسیح کا طریقہ نجات بھی ہم اسی روز جانچیں گے ؁

دستخط دستخط

بحروف انگریزی بحروف انگریزی

غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) **ہنری مارٹن کلارک** (پریزیڈنٹ)

از جانب اہل اسلام از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب

حضرت مسیح کے بارہ میں جو آپ نے عذر پیش کیا ہے کہ حضرت مسیح نے صرف یہودیوں کا غصہ فرو کرنے کے لئے یہ کہدیا تھا کہ تمہاری شریعت میں بھی تمہارے نبیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا ہیں اور نیز اس جگہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسیح نے اپنی انسانیت کے لحاظ سے ایسا جواب دیا۔ یہ بیان آپ کا منصفین کی توجہ اور غور کے لائق ہے صاف ظاہر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کا کلمہ کہ میں خدا تعالےٰ کا بیٹا ہوں ایک کفر کا کلمہ قرار دیکر اور نعوذ باللہ ان کو کافر سمجھکر یہ سوال کیا تھا اور اِس سوال کے جواب میں بیشک حضرت مسیح کا یہ فرض تھا کہ اگر وہ حقیقت میں انسانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائی کی وجہ سے اپنے تئیں خدا تعالےٰ کا بیٹا سمجھتے تھے تو اپنے مدعا کا پورا پورا اظہار کرتے اور اپنے ابن اللہ ہونے کا اُن کو ثبوت دیتے کیونکہ اُس وقت

وہ ثبوت ہی مانگتے تھے لیکن حضرت مسیح نے تو اس طرف رُخ نہ کیا اور اپنے دوسرے انبیاء کی طرح
قرار دیکر عذر پیش کر دیا اور اس غرض سے سبکدوش نہ ہوئے جو ایک سچا مبلغ اور معلّم سبکدوش ہونا
چاہتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ مخصوص مقدس کو کہتے ہیں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ثابت
نہیں کر سکتا کیونکہ آپکی بائبل میں مخصوص کا لفظ اور نبیوں وغیرہ کی نسبت بھی استعمال پا گیا ہے
دیکھو یسعیاہ نبی ۱۳ باب ۳ - اور جو آپ نے بھیجے ہوئے کے معنی الوہیت نکالے ہیں یہ بھی ایک عجیب
معنی ہیں آپ دیکھیں کہ پہلے سموئیل کے ۱۲ باب ۸ آئت میں لکھا ہے کہ موسےٰ اور ہارون کو
بھیجا اور پھر پیدائش ۴۵ - ۷ میں لکھا ہے خدا نے مجھے یہاں بھیجا ہے پھر یرمیاہ ۲۵ باب ۱۳ و
۴۴ باب ۴ میں بھی آئت موجود ہے - اب کیا اسجگہ بھی ان الفاظ کے معنی الوہیت کرنا چاہیئے
افسوس کہ آپ ایک سیدھے اور سادے حضرت مسیح کے بیان کو توڑ مروڑ کر اپنے منشاء
کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور حضرت مسیحؑ نے جو اپنی بریت کا ثبوت پیش کیا اُس کو نکما اور
مہمل کرنا آپ کا ارادہ ہے کیا حضرت مسیح یہودیوں کی نظر میں صرف اسقدر کہنے سے بری
ہو سکتے تھے کہ میں اپنے خدا ہونے کی وجہ سے تو بے شک ابن اللہ ہی ہوں لیکن میں انسانیت
کی وجہ سے دوسرے نبیوں کے مساوی ہوں اور جو اُن کے حق میں کہا گیا وُہی میرے حق میں
کہا گیا اور کیا یہودیوں کا الزام اس طور کے رکیک عذر سے حضرت مسیح کے سر پر سے دُور
ہو سکتا تھا اور کیا انہوں نے یہ تسلیم کیا ہوا تھا کہ حضرت مسیح اپنی خدائی کی وجہ سے تو بے شک
ابن اللہ ہی ہیں اس میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہاں انسان ہونے کی وجہ میں کیوں اپنے تئیں
ابن اللہ کہلاتے ہیں بلکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہودیوں کے دل میں صرف اتنا ہی ہوتا کہ حضرت
مسیح محض انسان ہونے کی وجہ سے دوسرے مقدس اور مخصوص انسانوں کی طرح اپنے تئیں
ابن اللہ قرار دیتے ہیں تو وہ کافر ہی کیوں ٹھہراتے کیا وہ حضرت اسرائیل کو اور حضرت آدمؑ
اور دوسرے نبیوں کو جن کے حق میں ابن اللہ کے لفظ آئے ہیں کافر خیال کرتے تھے نہیں بلکہ
سوال ان کا تو یہی تھا کہ اُن کو بھی دھوکا لگا تھا کہ حضرت مسیح حقیقت میں اپنے تئیں اللہ کا بیٹا
سمجھتے ہیں اور چونکہ جواب مطابق سوال چاہیئے اس لئے حضرت مسیح کا فرض تھا کہ وہ اُن کے
جواب میں وُہی طریق اختیار کرتے جس طریق کے لیئے اُن کا استفسار تھا اگر حقیقت میں خدا تعالےٰ
کے بیٹے تھے تو وہ پیش گویاں جو ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب بعد از وقت اس مجلس میں پیش کر رہے
ہیں ان کے سامنے پیش کرتے اور چند نمونہ خدا ہونے کے دکھلا دیتے تو فیصلہ ہو جاتا - یہ بات ہرگز صحیح
نہیں ہے کہ یہودیوں کا سوال حقیقی ابن اللہ کے دلائل دریافت کرنے کے لیئے نہیں تھا - اس
مقام میں زیادہ لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں اب بعد اس کے واضح ہو کہ میں نے ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

کی خدمت میں یہ تحریر کیا تھا کہ جیسے کہ آپ دعوےٰ کرتے ہیں کہ نجات صرف مسیحی مذہب میں ہے ایسا ہی قرآن میں لکھا ہے کہ نجات صرف اسلام میں ہے اور آپ کا تو صرف اپنے لفظوں کے ساتھ دعوےٰ اور میں نے وہ آیات بھی پیش کر دی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ دعوےٰ بغیر ثبوت کے کچھ عزت اور وقعت نہیں رکھتا سو اس بنا پر دریافت کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں تو نجات یابندہ کی نشانیاں لکھی ہیں جن نشانیوں کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ اس مقدس کتاب کی پیروی کرنے والے نجات کو اسی زندگی میں پا لیتے ہیں مگر آپ کے مذہب میں حضرت عیسےٰ نے جو نشانیاں نجات یابندوں یعنی حقیقی ایمان داروں کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں - مثلاً جیسے کہ مرقس ۱۶ - ۱۷ میں لکھا ہے اور وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے سانپوں کو اٹھالیں گے اور کوئی ہلاک کرنے والی چیز پیئیں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائینگے - تو اب میں بادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارۃ ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں کہ یہ تین بیمار جو آپ نے پیش کیئے ہیں یہ علامت تو بالخصوصیت مسیحیوں کے لیئے حضرت عیسےٰ قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائیگا اب گستاخی معاف اگر آپ سچے ایماندار ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں تو اس وقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں آپ اُن پر ہاتھ رکھدیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کرلینگے کہ بے شک آپ سچے ایمان دار اور نجات یافتہ ہیں ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا مگر خیر میں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ ہماری اس جگہ سے دُور ہیں لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہو گئی کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کر دیئے اب آپ اُن پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھلاؤ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوصیت تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو اچھے ہو جائیں گے ہاں یہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعائیں قبول کروں گا اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو اور مصلحت الٰہی کے مخالف ہو تو اس میں اطلاع دیجائے گی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تمکو یہ اقتدار دیا جائیگا کہ تم اقتداری طور پر جو چاہو وہی کر گذرو گے

مگر حضرت مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں جیسا کہ متی ۱۰ باب میں لکھا ہے پھر اُس نے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کے انہیں قدرت بخشی کہ ناپاک روحوں کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور دُکھ درد کو دُور کریں اب یہ آپ کا فرض اور آپکی ایمانداری کا ضرور نشان ہو گیا کہ آپ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلاویں یا یہ اقرار کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ہم میں ایمان نہیں اور آپ کو یاد رہے کہ ہر ایک شخص اپنی کتاب کے موافق مواخذہ کیا جاتا ہے ہمارے قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ تمہیں اقتدار دیا جائیگا بلکہ صاف فرما دیا کہ قل انما الآیات عند اللہ یعنی ان کو کہدو کہ نشان اللہ تعالٰی کے پاس ہیں جس نشان کو چاہتا ہے اُسی نشان کو ظاہر کرتا ہے بندہ کا اُسپر زور نہیں ہے کہ جبر کے ساتھ اُس سے ایک نشان لیوے یہ جبر اور اقتدار تو آپ ہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے بقول آپ کے مسیح اقتداری معجزات دکھلاتا تھا اور اُس نے شاگردوں کو بھی اقتدار بخشا اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ حي قیوم قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وُہی دے سکتا ہے پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ رکھنے سے اچھا کر دیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہجاوے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف اہل حق کے ساتھ بہ حیثیت سچے عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر ایک اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اس وقت زندہ مذہب نہیں ہے لیکن ہم جس طرح پر خدا تعالٰے نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹھہرائے ہیں اس التزام سے نشان دکھلانے کو تیار ہیں اگر نشان نہ دکھلا سکیں تو جو سزا چاہیں دیدیں اور جس طرح کی چھری چاہیں ہمارے گلے میں پھیر دیں اور وہ طریق نشان نمائی کا جس کے لئے ہم مامور ہیں وہ یہ ہے کہ ہم خدا تعالٰے سے جو ہمارا سچا اور قادر خدا ہے اس مقابلہ کے وقت جو ایک سچے اور کامل نبی کا انکار کیا جاتا ہے تضرع سے کوئی نشان مانگیں تو وہ اپنی مرضی سے نہ ہمارا محکوم اور تابع ہو کر جس طرح سے چاہیگا نشان دکھلائیگا آپ خوب سوچیں کہ حضرت مسیح بھی باوجود آپ کے اس قدر غلو کے اقتداری نشانات کے دکھلانے سے عاجز رہے دیکھئے مرقس ۸ ب ۱۱ و ۱۲ آیت میں یہ لکھا ہے تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے یعنی جس طرح اب اس وقت مجھ سے حجت کی گئی۔ اس کے امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچکر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں

کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائیگا اب دیکھئے کہ یہودیوں نے اسی طرز سے نشان مانگا تھا حضرت مسیح نے آہ کھینچکر نشان دکھلانے سے انکار کر دیا پھر اس سے بھی عجب طرح کا ایک اَور مقام دیکھئے کہ جب مسیح صلیب پر کھینچے گئے تو تب یہودیوں نے کہا کہ اُس نے اَوروں کو بچایا پر آپ کو نہیں بچا سکتا اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو اب صلیب سے اُتر آوے تو ہم اس پر ایمان لاویں گے اب ذرا نظر غور سے اس آیت کو سوچیں کہ یہودیوں نے صاف عہد اور اقرار کر لیا تھا کہ اب صلیب سے اُتر آوے تو وہ ایمان لاویں گے لیکن حضرت مسیح اُتر نہیں سکے۔ ان تمام مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ نشان دکھلانا اقتداری طور پر انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ایک اَور مقام میں حضرت مسیح فرماتے ہیں یعنی متی باب ۱۲ آیت ۳۸ کہ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھلایا نہ جائیگا اب دیکھئے کہ اس جگہ حضرت مسیح نے ان کی درخواست کو منظور نہیں کیا بلکہ وہ بات پیش کی جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن کو معلوم تھی اسیطرح میں بھی وہ بات پیش کرتا ہوں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھکو معلوم ہے میرا دعوےٰ نہ خدائی کا اور نہ اقتدار کا اور میں ایک مسلمان آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پیروی کرتا ہوں اور قرآن شریف کی تعلیم کے رُو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ و رسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب کے رُو سے ان نشانوں کا نام کرامات ہے جو اللہ و رسول کی پیروی سے دئیے جاتے ہیں تو پھر میں دعوت حق کی غرض سے دوبارہ اتمام حجت کرتا ہوں کہ یہ حقیقی نجات اور حقیقی نجات کے برکات اور ثمرات صرف انھیں لوگوں میں موجود ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے اور قرآن کریم کے احکام کے سچے تابعدار ہیں اور میرا دعوےٰ قرآن کریم کے مطابق صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسائی صاحب اس نجات حقیقی کے منکر ہوں جو قرآن کریم کے وسیلہ سے مل سکتی ہے تو اُنہیں اختیار ہے کہ وہ میرے مقابل پر نجات حقیقی کی آسمانی نشانیاں اپنے مسیح سے مانگ کر پیش کریں مگر اب بالخصوص رعایت شرائط بحث کے لحاظ سے میرے مخاطب اس بارہ میں ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب ہیں۔ صاحب موصوف کو چاہیئے کہ انجیل شریف کی علامات قرار دادہ کے موافق سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں اور اس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ میں سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں قرآن کریم کے رُو سے

اپنے وجود میں ثابت کروں مگر اس جگہ یاد رہے کہ قرآن کریم ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے کلمہ سے ہمارے بدن پر لرزہ آتا ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گا وُہی خدا ہے سوا اُسکے اَور کوئی خدا نہیں ہاں یہ ہماری طرف سے اس بات کا عہد محکم ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت میں فتح پاؤں گا مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور سے نشان دکھلائیگا اصل مدعا تو یہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ انسانی طاقتوں سے بڑھکر ہو یہ کیا ضرور ہے کہ ایک بندہ کو خدا ٹھہرا کر اقتدار کے طور پر اُس سے نشان مانگا جائے۔ ہمارا مذہب یہ نہیں اور نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں صرف عموم اور کلی طور پر نشان دکھلانے کا وعدہ دیتا ہے اگر اس میں میں جھوٹا نکلوں تو جو سزا آپ تجویز کریں خواہ سزائے موت ہی کیوں نہ ہو مجھے منظور ہے لیکن اگر آپ حد اعتدال و انصاف کو چھوڑ کر مجھ سے ایسے نشان چاہیں گے جس طرز سے حضور مسیح بھی دکھلا نہیں سکتے۔ بلکہ سوال کرنے والوں کو ایک دو گالیاں سُنا دیں تو ایسے نشان دکھلانے کا دم مارنا بھی میرے نزدیک کفر ہے ؛

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

چھٹا پرچہ

مباحثہ ۲۷- مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا - ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ پادری جے ایل ٹھاکرداس صاحب بوجہ ضروری کام کے گوجرانوالہ میں تشریف لے گئے ہیں - اس لیئے اُن کی بجائے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر مقرر کیئے جائیں - تجویز منظور ہوئی -

پھر بہ تحریک ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ناصر اور بتائید میر حامد شاہ صاحب اور باتفاق رائے حاضرین یہ تجویز منظور ہوئی کہ شرائط مباحثہ میں قرار دیا گیا تھا کہ ہر ایک تقریر پر تقریر کنندوں اور میر مجلس صاحبان کے دستخط ہونے چاہئیں - بعوض اس کے میں پیش کرتا ہوں کہ صاحب میر مجلس صاحبان کے دستخط ہی کافی متصور ہیں -

مباحثہ کے متعلق یہ قرار پایا کہ اہل اسلام کی طرف سے منشی غلام قادر صاحب فصیح اور مرزا خدا بخش صاحب اور عیسائی صاحبان کی طرف سے بابو فخرالدین اور شیخ وارث الدین صاحب ایک جگہ بیٹھکر فیصلہ کریں اور رپورٹ کریں کہ مباحثہ کی کس قدر قیمت مناسب مقرر کی جا سکتی ہے اس کے بعد عیسائی صاحبان کی طرف سے بتایا جائیگا کہ وہ کس قدر کاپیاں خرید سکینگے اور یہ مباحثہ جسے عیسائی صاحبان خریدیں گے اس طرح چھپا ہوا ہو گا کہ روئداد اور مصدقہ مضامین فریقین کے لفظ بہ لفظ اُس میں مندرج ہوں گے - کسی فریق کی طرف سے اُس میں کمی بیشی وغیرہ نہیں کی جائے گی -

۶ بجے ۳۰ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۳۰ منٹ پر ختم ہوا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا - مرزا صاحب نے ۸ بجے ۵ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ۵ منٹ پر ختم ہوا - اور اس کے بعد ایک امر پر تنازعہ ہوتا رہا جس کا اُسی وقت فیصلہ کر کے ہر دو میر مجلسوں کے اُسپر دستخط کیئے گئے جو اس کارروائی کے ساتھ ملحق ہے - فقط

دستخط بحروف انگریزی - ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) ازجانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی - غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) ازجانب اہل اسلام

چونکہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب بیمار تھے اور انہوں نے اپنے آخری جواب میں ایک پہلے سے لکھی ہوئی تحریر پیش کر کے کہا کہ کوئی اور صاحب اُن کی طرف سے سُنا ویں - اس لیئے میر مجلس اہل اسلام نے اسپر اعتراض کیا کہ ایسی تحریر پہلے سے لکھی ہوئی پیش کی جانی خلاف شرائط ہے۔ چنانچہ اسپر ایک عرصہ تک تنازعہ ہوتا رہا - آخر کار یہ قرار پایا کہ سوموار کا ایک دن اس زمانہ مباحثہ میں ایزاد کیا جاوے - اور ایسا ہی دوسرے زمانہ میں بھی ایک دن اور بڑھا دیا جاوے۔ علاوہ بریں یہ بھی مرزا صاحب کی رضامندی سے قرار پایا کہ اس سوموار کے روز مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب خدانخواستہ صحت یاب نہوں تو اُن کی جگہ کوئی اور صاحب مقرر کیئے جاویں اور اس امر کا اختیار ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کو ہوگا - یہ بھی قرار پایا کہ ۲۹ تاریخ کو آخری جواب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب کا ہو اور دوسرے زمانہ میں آخری جواب مرزا صاحب کا ہوگا وقت کا لحاظ نہوگا اور گیارہ بجے کے اندر اندر کارروائی ختم ہوگی یعنی آخری زمانہ مجیب کا حق ہوگا کہ جواب دے اور اُس کے جواب کے بعد اگر وقت بچے تو سائل کو وقت نہیں دیا جاویگا اور جلسہ برخاست کیا جاوے گا - چونکہ مذکورہ بالا اول الذکر امر فیصلہ طلب تھا اس لیئے اتفاق رائے سے اس کا یوں فیصلہ ہوا کہ آیندہ کوئی مضمون تحریری پہلے کا لکھا ہوا لفظ بلفظ نقل نہیں کرایا جا سکتا اور یہ فیصلہ بہ تراضی فریقین ہوا اور فریقین پر کوئی اعتراض نہیں -

۲۷- مئی ۱۸۹۳ء

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان	بحروف انگریزی غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

۲۷- مئی ۱۸۹۳ء

اوّل - درباره راه نجات و نشانات نجات یافتگان جو جناب مرزا صاحب نے بیان کیئے ہیں ہمنے پہلے اس سے بیان کر دیا ہے کہ ہفتہ آیندہ کے شروع میں اس کی بحث پوری شروع ہوگی

اِس جگہ بھی ہم اِس قدر اشارہ کر دیتے ہیں کہ آپ کے لفظ نجات کی تعریف بہت ہی ناکمل ہے اور آپ کو ضرور نہ تھا کہ طریقۂ نجات مسیحان کو مصنوعی اور غیر طبعی اور باطل فرماتے بہرکیف جو آپ نے فرمایا ہے وہ آگے دیکھا جائیگا۔ جب ہماری باری اعتراضات کی ہوگی +

دوم۔ انجیل یوحنا کی بابت پیش کردہ آیات کا ہم کافی ووافی جواب دے چکے ہیں آپ نے بجائے اس کے کہ اُس جواب کا کچھ نقص دکھلاتے محض بار بار تکرار ہی اس کا کیا ہے گویا کہ تکرار ہی کافی ہے اور طول کلامی ہی گویا صداقت ہے۔

یوحنا کے باب ۱۰ - ۳۶ میں جہاں لفظ مخصوص اور بھیجا ہوا ترجمہ ہوا ہے ہماری اس شرح پر کہ لفظ مخصوص کا اصل زبان میں یعنی تقدیس کیا گیا ہے۔ اور بھیجا ہوا اسی پر ایمار کرتا ہے جو اُس نے فرمایا کہ میں آسمانی ہوں اور تم زمینی ہو۔ یہ لفظ جتنے حوالہ آپ نے دیئے ہیں اور کسی بزرگ کے بارہ میں پائے نہیں جاتے۔ یسعیا ۱۳/۳ سطروں کے ترجمہ میں لفظ ادخومائی ہے جس کے معنی بھیجا ہوا ہے۔ پہلے سموئل ۱۲/۸ میں لفظ اپسن ای لومعنے وُہی ہیں۔ پیدایش ۵/۴۲ میں بھی اور یرمیا ۳۵/۱۳ میں لفظ بادی زی جس کے معنے جا کے ہیں اور یہ الفاظ مقام متنازعہ کے لفظ ھی گی آسے سے بہت ہی متفرق ہیں اور ان الفاظ کا تعلق مقام متنازعہ سے کچھ نہیں ہے اور جو ہمنے کہا وہ درست ہے کہ جس کو خدا نے مخصوص کیا اور بھیجا یعنی آسمان سے بھیجا۔

سوم۔ کیا یہودی لوگ اسرائیل وغیرہ کو اسی لقب کے باعث کافر سمجھتے تھے۔ یہ جناب کا سوال ہے۔ جواب اس کا ہم بار بار دے چکے مگر افسوس کہ جناب کسی باعث سے اس کو نہ سمجھے۔ گزشتہ بحث پر جناب نظر غور پھر فرما کر دیکھ لیں اور یہ خصوصیت اَور کسی بزرگ کے ساتھ نہ تھی جو مسیح کے ساتھ تھی۔

چہارم۔ اس کا بھی لوگ انصاف کرینگے جو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے صرف لفظ کے ساتھ نجات کا دعوٰے کیا ہے اور صرف لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ کیوں صاحب ہماری آیات محولہ کُتب مقدسہ سے کس لئیے بے توجگی رہی۔ کیوں نہ ان کا کچھ نقص دکھلایا گیا بہ نسبت اُس سے کہ بے توجگی رکھی جاتی۔

پنجم۔ مرقس کے باب ۱۶ کے بموجب جو مرزا صاحب ہم سے نشان طلب کرتے ہیں بجواب اُس کے واضح ہو کہ وعدہ کی عمومیت پر ہمارا کچھ عذر نہیں کہ جو ایمان لائے اُسکے ساتھ یہ علامتیں ہوں۔ اِلّا سوال یہ ہے کہ اُس وعدہ کی عمومیت کے ساتھ کیا معرفت بھی عام ہے؟

کیا حواری اس ضعف ایمانی کے واسطے کہ اُنہوں نے معتبر گواہوں کی گواہی اور خداوند کے وعدہ کی باتیں اور انبیاء سلف کی پیش خبریاں نہ مانی تھیں ؟ جھڑکی نہ کھائی تھی کہ اور کیا ہمارے خداوند کا یہ دستور نہ تھا کہ جس کو وہ تنبیہ فرماتا تھا اُسی کو تقویت بھی بخشتا تھا۔

اور جب اُس نے ایسا فرمایا کہ تم جاؤ دنیا میں کہ جب کوئی ایمان لاویگا اُس کے ساتھ یہ نشان ہوں گے تو اِس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ معجزہ کی بابت تم ضعیف الایمان ہوئے۔ اب آیندہ کو معجزات تمہارے ہاتھ سے نکلیں گے۔ کیا یہ جھڑکی ہمارے اِس زمانہ کے پادریوں نے بھی کھائی تھی۔ یہ تو ہم نے تسلیم کیا کہ وعدہ عام ہے۔ لیکن اِس کو دکھاؤ کہ معرفت بھی عام ہے جس کے وسیلہ سے یہ امر پورا ہونے والا ہے۔ ہم نے باب ۱۶ مرقس سارا آپ کو سُنا دیا ہے جو ہم نے بیان کیا یہی صورت وہاں موجود ہے یا نہیں۔ پس جب معرفت خاص تھی تو حواریوں کے زمانہ کے بعد اس وعدہ کی کشش بیجا ہے کہ نہیں۔

تکمیل اس وعدہ کے بارہ میں اعمال ۸/۱۴ دیکھو کہ کیا یہ لکھا ہے یا نہیں کہ یوحنا اور پطرس رسول جب سامریا میں گئے اور بہت سے لوگوں کو مسیحی پایا تو ان سے سوال کیا کہ تم نے روح القدس بھی پائی ہے یا نہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ روح القدس کی بابت ہم نے سُنا تک نہیں تب اُنہوں نے پوچھا کہ تم نے کِس کے ہاتھ سے بپتسما پایا اُنہوں نے کہا کہ یوحنا اصطباغی کے ہاتھ سے۔ تب اُنہوں نے ہاتھ ان کے سر پر رکھے اور اُن کو روح القدس ملی اِس نظیر سے کیا ثابت نہ ہوا کہ ہماری شرح صحیح اور سچی ہے اور کیا جناب کی کشش وعدہ عام معجزات کی تا ابد غلط ہے۔

پہلے قرنتیوں کے ۱۲ باب میں ۴ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ پر روح ایک ہی ہے اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں اور خداوند ایک ہی ہے اور تاثیریں طرح طرح کی ہیں پر خدا ایک ہی ہے جو سبھوں میں سب کچھ کرتا ہے ۲۸۔ اور خدا نے کلب میں کِتنوں کو مقرب کیا اور پہلے رسولوں کو دوسرے نبیوں کو تیسرے اُستادوں کو بعد اس کے کرامتیں چنگا کرنیکی قدرتیں وغیرہ ۳۰ آیت۔ مددگاریاں پیشوایاں طرح طرح کی زبانیں کیا سب رسول ہیں ؟ کیا سب نبی ہیں۔ کیا سب اُستاد ہیں۔ کیا سب کرامتیں دکھاتے ہیں ؟ کیا سب کو چنگا کرنے کی قدرت ہے ؟ کیا طرح طرح کی زبانیں سب بولتے ہیں ؟ کیا سب ترجمہ کرتے ہیں۔ اِن امور سے صاف ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں کہ جب حواری موجود تھے ہر ایک مومن کی بخشش کو عطیہ الٰہی سے پیش کرتا تھا کہ کسی کو یہ امر آتا تھا اور کسی کو وہ اور کوئی بغیر معجزہ کے نہ تھا لیکن کلام الٰہی نے پہلے قرنتیوں ۱۳/۲ و ۸ میں یہ فرمایا اور اگر میں نبوت کروں اور اگر میں غیب کی سب باتیں

اور سارے علم جانوں اور میرا ایمان کامل ہو یہاں تک کہ میں پہاڑوں کو چلاؤں پر محبت نہ رکھوں تو میں کچھ نہیں ہوں محبت کبھی جاتی نہیں رہتی اگر نبوتیں ہیں تو موقوف ہوں گی - اگر زبانیں ہیں تو بند ہو جائیں گی - اگر علم ہے تو لا حاصل ہو جائے گا اور آخری آیت میں لکھا ہے - اب تو ایمان اُمید اور محبت یہ تینوں موجود رہتی ہیں پر ان میں جو بڑھکر ہے محبت ہے - کیونکہ ایمان جب دو بدو ہو گیا تو ایمان رہا اُمید جب حاصل ہو گئی تو اتمام پا گئی مگر محبت کبھی اتمام نہیں پاتی اور یہ بھی یاد رہے محبت خاص نام خدا کا ہے کہ خدا محبت ہے - ان سب امور سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ معجزات جیسے کہ ہمیشہ کے واسطے موعود نہیں ہوتے ویسے ہی نجات کے بارہ میں سب سے اوپر ان کا درجہ نہیں - لیکن ایک وقت کے واسطے جب نئی تعلیم دی گئی اس کی تصدیق اور قائمی کے واسطے معجزے بخشے گئے اور اگر ہمیشہ معجزے ہوا کریں تو تاثیر معجزہ ہونے کی کچھ نہ رہے خلاصہ جس آیت سے جناب نے وعدہ عام کی کشش کی ہے ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ اس کے متعلق معرفت بھی ہے اور وہ معرفت محض خاص ہے - اور متن کلام باب ۱۶ مرقس کو دیکھکر جناب اس بیان کو کسی طرح سے غلط نہ ٹھہرا سکینگے -

ششم - جناب فرماتے ہیں کہ مسیح نے بھی اقتداری معجزے دکھلانے سے انکار کیا لیکن یہ جناب کی زیادتی ہے کہاں انکار کیا ؟ کیا جب لوگ نشان آسمانی کو دیکھکر واسطے ٹھٹھہ کرنیکے اور نشان آسمانی مانگتے تھے تو ارشاد ہوا کہ اس بد اور حرامکار گروہ کو کوئی نشان نہ دکھلایا جاویگا اب انصاف فرمائیے کہ کیا نشان کے نہ دکھانے کے معنی یہ ہیں کہ نشان نہیں دکھلایا جا سکتا - کیا کوئی قادر شخص اگر یہ کہے کہ میں فلاں امر نہ کروں گا - تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہیں کر سکتا ؟

متی ۹ اور یوحنا ۱۱ اور لوقا ۷ وغیرہ ابواب میں نظائر معجزات صاف صاف دیکھ لو - مجھے تو جناب کے فہم و ذکا سے اس سے زیادہ اُمید تھی کہ آپ ایسے معنی نہ کریں -

ہفتم - آپ جو فرماتے ہیں کہ مسیح نے دو گالیاں دیں کیا بد کو بد کہنا گالی ہے اور یا حرامزادہ کو حرامزادہ کہنا گالی ہے ! اگر جناب اسلام کے داب کلام کے موافق بھی کچھ کرتے تو ایک نبی اُولو العزم اور معصوم کے اوپر ایسی بے تہذیبانہ کلام نہ کرتے اس کے واسطے ہم افسوس کرتے ہیں کہ نبیوں کی بابت یہ کہا جائے کہ گالیاں دیتے تھے - (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی صاحب سے میرا یہ سوال تھا کہ آپ جو حضرت عیسےٰ کو خدا ٹھہراتے ہیں تو آپ کے پاس حضرت موصوف کی الوہیت پر کیا دلیل ہے کیونکہ جبکہ دنیا میں بہت سے فرقے اور قومیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اپنے پیشواؤں اور رہبروں کو خدا ٹھہرا رکھا ہے جیسے ہندوؤں کا فرقہ اور بُدھ مذہب کے لوگ اور وہ لوگ بھی اپنے اپنے پُرانوں اور شاستروں کے رُو سے اُن کی خدائی پر منقولی دلائل پیش کیا کرتے ہیں بلکہ اُن کے معجزات اور بہت سے خوارق بھی ایسی شد و مد سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس اُن کی نظیر نہیں جیسے کہ راجہ رامچندر صاحب اور راجہ کرشن صاحب اور برہما اور بشن اور مہادیو کی کرامات جو وہ بیان کرتے ہیں آپ صاحبوں پر پوشیدہ نہیں تو پھر ایسی صورت میں ان متفرق خداؤں میں سے ایک سچا خدا ٹھہرانے کے لیئے ضرور نہیں کہ بڑی بڑی معقولی دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعوے میں اور منقولی ثبوتوں کے پیش کرنے میں تو وہ سب صاحب آپ کے شریک ہیں بلکہ منقولات کے بیان کرنے میں شریک غالب معلوم ہوتے ہیں اور میں نے ڈپٹی صاحب موصوف کو صرف اسی قدر بات کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ قرآن کریم سے عقلی دلائل نکال کر ابطال الوہیت مسیح پر پیش کیئے کہ انسان جو اور تمام انسانوں کے لوازم اپنے اندر رکھتا ہے کسی طرح خدا نہیں ٹھہر سکتا۔ اور نہ کبھی یہ ثابت ہوا۔ کہ دنیا میں خدا یا خدا کا بیٹا بھی نبیوں کی طرح وعظ اور اصلاح خلق کے لیئے آیا ہو مگر افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے اس کا کوئی جواب شافی نہ دیا۔ میری طرف سے یہ پہلے شرط ہو چکی تھی کہ ہم فریقین دعوے بھی اپنی کتاب الہامی کا پیش کریں گے اور دلائل معقولی بھی اسی کتاب الہامی کی سُنائی جائیں گی۔ مگر ڈپٹی صاحب موصوف نے بجائے اسکے کہ کوئی معقولی دلیل حضرت عیسےٰ کے خدا یا خُدا کا بیٹا ہونے پر پیش کرتے دعوے پر دعوے کرتے گئے اور بڑا ناز اِن کو اِن چند پیش گوئیوں پر ہے۔ جو اُنہوں نے عبرانیوں کے خطوط اور بعض مقامات بائبل سے نکال کر پیش کیئے ہیں مگر افسوس کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسی پیش گوئیاں جب تک ثابت نہ کیجاویں کہ درحقیقت وہ صحیح ہیں اور ان کا مصداق حضرت مسیح نے اپنے تئیں ٹھہرا لیا ہے اور اسپر دلائل عقلی دی ہیں تب تک وہ کسی طور سے دلائل کے طور پر پیش نہیں

ہو سکتیں بلکہ وہ بھی ڈپٹی صاحب کے دعاوی ہیں جو محتاج ثبوت ہیں - ان دعاوی کے سوائے ڈپٹی صاحب نے اب تک حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے لیئے کچھ بھی پیش نہیں کیا اور میں بیان کرچکا ہوں کہ حضرت مسیح ۱۰ یوحنا ۱۰ باب میں صاف طور سے اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلانے میں دوسروں کا ہمرنگ سمجھتے ہیں اور کوئی خصوصیت اپنے نفس کے لیئے قائم نہیں کرتے حالانکہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر ٹھہرایا تھا ان کا سوال یہی تھا - اور یہی وجہ کافر ٹھہرانے کی بھی تھی کہ اگر آپ درحقیقت خدا کے بیٹے ہیں تو اپنی خدائی کا ثبوت دیجیئے - لیکن انہوں نے کچھ بھی ثبوت نہ دیا - افسوس کہ ڈپٹی صاحب اس بات کو کیوں سمجھتے نہیں کہ کیا ایسا ہونا ممکن تھا کہ سوال دیگر و جواب دیگر - اگر حضرت مسیح درحقیقت اپنے تئیں ابن اللہ ٹھہراتے تو ضرور یہی پیشین گوئیاں وہ پیش کرتے جو اب ڈپٹی صاحب پیش کر رہے ہیں اور جبکہ انہوں نے وہ پیش نہیں کیں تو معلوم ہوا کہ اُن کا وہ دعوےٰ نہیں تھا - اگر انہوں نے کسی اور مقام میں پیش کردی ہیں اور کسی دوسرے مقام میں یہودیوں کے اس باربار کے اعتراض کو اس طرح پر اُٹھا دیا ہے کہ میں درحقیقت خدا اور خدا کا بیٹا ہوں اور یہ پیش گوئیاں میرے حق میں وارد ہیں اور خدائی کا ثبوت بھی اپنے افعال سے دکھلا دیا ہے تا اس متنازعہ فیہ پیش گوئی سے اُن کو مخلصی حاصل ہوجاتی تو براہ مہربانی وہ مقام پیش کریں - اب کسی طور سے آپ اس مقام کو چھپا نہیں سکتے - اور آپ کی دوسری تاویلات تمام رکیک ہیں - سچ یہی بات ہے کہ مخصوص کا لفظ اور بھیجا گیا کا لفظ عہد عتیق میں اور نیز جدید میں عام طور پر استعمال پایا ہے - آپ پر یہ ایک بھارا قرضہ ہے جو مجھے ادا ہوتا نظر نہیں آتا جو آپ نے حضرت مسیح کی خدائی کا تو ذکر کیا لیکن اُن کی خدائی کا معقولی طور پر کچھ بھی ثبوت نہ دے سکے اور دوسرے خداؤں کی نسبت اس میں کچھ مابہ الامتیاز عقلی طور پر قائم نہ کرسکے بھلا آپ فرماویں کہ عقلی طور پر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ راجہ رامچندر اور راجہ کرشن اور بُدھ یہ خدا نہ ہوں اور حضرت مسیح خدا ہوں - اور مناسب ہے کہ اب بعد اس کے آپ باربار اُن پیش گوئیوں کا نام نہ لیں جو خود حضرت مسیح کے طرز بیان سے رد ہو چکی ہیں اور حضرت مسیح ضرورت کے وقت اُن کو اپنے کام میں نہیں لائے بے شک ہر ایک دانا اس بات کو سمجھتا ہے کہ جب وہ کافر ٹھہرائے گئے اور اُن پر حملہ کیا گیا اور اُن پر پتھراؤ شروع ہوا تو اُن کو اس وقت اپنی خدائی کے ثابت کرنے کے لیئے ان پیش گوئیوں کی اگر وہ درحقیقت حضرت مسیح کے حق میں تھیں اور اُن کی خدائی پر گواہی دیتی تھیں سخت ضرورت پڑی تھی کیونکہ اُس وقت جان جانے کا اندیشہ تھا اور کافر تو قرار پاچکے تھے تو پھر ایسی ضروری اور کار آمد پیش گوئیاں کس دن کے لیئے رکھی گئی تھیں کیوں نہیں پیش کیں - کیا آپ نے اسکا کوئی بھی جواب

دیا پھر ہم ان پیش گویوں کو کیا کریں اور کس عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور کیونکر حضرت مسیح کو دنیا کے دوسرے مصنوعی خداؤں سے الگ کریں۔ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاری المسیح ابن اللہ ذالک قولھم بافواھھم یضاھؤن قول الذین کفروا من قبل قاتلھم اللہ انی یؤفکون اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا لا الٰہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم و یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (س ۱۰ ر ۱۰) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کہا بعض یہود نے کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ اُن کے مونھ کی باتیں ہیں جن کا کوئی بھی ثبوت نہیں ریس کرنے لگے اُن لوگوں کی جو پہلے اس سے کافر ہو چکے یعنی جو انسانوں کو خدا اور خدا کے بیٹے قرار دے چکے یہ ہلاک کیئے جائیں کیسے یہ تعلیم سے پھر گئے اُنہوں نے اپنے عالموں کو اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا پروردگار ٹھہرالیا اور ایسا ہی مسیح ابن مریم کو حالانکہ ہم نے یہ حکم کیا تھا کہ تم کسی کی بندگی نہ کرو مگر ایک کی جو خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں چاہتے ہیں کہ اپنے مونھوں کی پھونکوں سے حق کو بجھاویں اور اللہ تعالیٰ باز نہیں رہے گا جب تک اپنے نور کو پورا نہ کرے اگرچہ کافر ناخوش ہوں وہ وہی خدا ہے جس نے اپنا رسول ہدائت اور سچا دین دیکر بھیجا تا وہ دین سب دینوں پر غالب ہو جائے اگرچہ مشرک ناخوش ہوں۔ اب دیکھئے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ جل شانہ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ عیسائیوں سے پہلے یہودی یعنی بعض یہودی بھی عزیر کو ابن اللہ قرار دے چکے اور نہ صرف وہی بلکہ مقدم زمانہ کے کافر بھی اپنے پیشواؤں اور اماموں کو یہی منصب دے چکے پھر اُن کے پاس اس بات پر کیا دلیل ہے کہ وہ لوگ اپنے اماموں کو خدا ٹھہرانے میں جھوٹے تھے اور یہ سچے ہیں۔ اور پھر اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ یہی خرابیاں دنیا میں پڑ گئی تھیں جن کی اصلاح کے لیئے اس رسول کو بھیجا گیا تا کامل تعلیم کے ساتھ اُن خرابیوں کو دُور کرے کیونکہ اگر یہودیوں کے ہاتھ میں کوئی کامل تعلیم ہوتی تو وہ برخلاف توریت کے اپنے عالموں اور درویشوں کو ہرگز خدا نہ ٹھہراتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کامل تعلیم کے محتاج تھے جیسا کہ حضرت مسیح نے بھی اس بات کا اقرار کیا کہ ابھی بہت سی باتیں تعلیم کی باقی ہیں کہ تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے یعنی جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی اس لیئے کہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن وہ جو کچھ سُنیگی وہ کہیگی اور تمہیں آیندہ کی خبریں

دیگی حضرات عیسائی صاحبان اس جگہ روح حق سے روح القدس مراد لیتے ہیں اور اس طرف توجہ نہیں فرماتے کہ روح القدس تو اُن کے اصول کے موافق خدا ہے تو پھر وہ کس سے سنیگا حالانکہ لفظ پیش گوئی کے یہ ہیں کہ جو کچھ وہ سُنے گی وہ کہیگی۔ اب پھر ہم اُس پہلے مضمون کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب موصوف نے تو حضرت مسیح کے خدا ہونے پر کوئی معقولی دلیل انجیل سے پیش نہ کی لیکن ہم ایک اَور دلیل قرآن کریم سے پیش کر دیتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ہل من شرکائکم من یفعل من ذالکم من شئ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون (پارہ ۲۱ رکوع ۷) یعنی اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے معبودوں میں سے جو انسانوں میں سے ہیں کوئی ایسا کر سکتا ہے پاک ہے خدا ان بہتانوں سے جو مشرک لوگ اسپر لگا رہے ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القہار کیا اُنہوں نے خدا تعالےٰ کے شریک ایسی صفات کے ٹھہرا رکھے ہیں کہ جیسے خدا تعالےٰ خالق ہے وہ بھی خالق ہیں تا اِس دلیل سے اُنہوں نے اُن کو خدا مان لیا اُن کو کہدے کہ ثابت شدہ یہی امر ہے کہ اللہ تعالےٰ خالق ہر ایک چیز کا ہے اور وہی اکیلا ہر ایک چیز پر غالب اور قاہر ہے اس قرآنی دلیل کے موافق ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب سے میں نے دریافت کیا تھا کہ اگر آپ صاحبوں کی نظر میں درحقیقت حضرت مسیح خدا ہیں تو اُن کی خالقیت وغیرہ صفات الوہیت کا ثبوت دیجئے کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا اپنی صفات کو آسمان پر چھوڑ کر نرا مجرد اور برہنہ ہو کر دنیا میں آ جائے اُس کی صفات اُس کی ذات سے لازم غیر منفک ہیں اور کبھی تعطل جائز نہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خدا ہو کر پھر خدائی کے صفات کاملہ ظاہر کرنے سے عاجز ہو اسکا جواب ڈپٹی صاحب موصوف مجھے یہ دیتے ہیں کہ جو کچھ زمین آسمان میں آفتاب و ماہتاب وغیرہ چیزیں مخلوق پائی جاتی ہیں یہ مسیح کی بنائی ہوئی ہیں۔ اب ناظرین اس جواب کی خوبی اور عمدگی کا آپ ہی اندازہ کرلیں کہ یہ ایک دلیل پیش کی گئی ہے یا دوسرا ایک دعوےٰ پیش کیا گیا ہے۔ کیا ایسا ہی ہندو صاحبان نہیں کہتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں مخلوق پائی جاتی ہے وہ راجہ رامچندر صاحب نے ہی بنائی ہوئی ہے۔ پھر اس کا فیصلہ کون کرے۔ پھر بعد اس کے ڈپٹی صاحب موصوف ایمانی نشانیوں کو کسی خاص وقت تک محدود قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح صاف لفظوں سے فرما رہے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو تم سے ایسی ایسی کرامات ظاہر ہوں۔ پھر ایک مقام یوحنا ۱۴ باب ۱۲ میں آپ فرماتے ہیں

میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھپر ایمان لاتا ہے جو میں کام کرتا ہوں وہ بھی کرے گا۔ اور
اُن سے بھی بڑے بڑے کام کرے گا۔ اب دیکھئے کہ وہ تاویلات آپ کی کہاں گئیں۔ اس آیت میں
تو حضرت مسیح نے صاف صاف فیصلہ ہی کردیا اور فرمادیا کہ مجھپر ایمان لانے والا میرا ہم رنگ
ہوجائیگا اور میرے جیسے کام بلکہ مجھ سے بڑھکر کریگا۔ اور یہ فرمودہ حضرت مسیح کا نہایت صحیح
اور سچا ہے کیونکہ انبیا اسی لئیے آیا کرتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے سے انسان انھیں کے
رنگ سے رنگین ہوجائے اور اُن کے درخت کی ایک ڈالی بن کروہی پھل اور وہی پھول لاوے
جو وہ لاتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ بات ظاہر ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے اطمینان قلب کا
محتاج ہوتا ہے اور ہر ایک زمانہ کو تاریکی کے پھیلنے کے وقت نشانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے
پھر یہ کیونکر ہوسکے کہ حضرت مسیح ع کے مذہب قائم رکھنے کے لیئے اور اس خلاف تحقیقات
عقیدہ حضرت مسیح کے ابن اللہ ٹھہرانے کے لیئے کسی نشان کی کچھ بھی ضرورت نہ ہو اور
دوسری قوم جن کو باطل پر خیال کیا جاتا ہے اور وہ **نبی کریم** صلے اللہ علیہ وسلم
جو قرآن کریم کو لایا اُس کو خلاف حق سمجھا جاتا ہے اُس کی پیروی کرنے والے تو قرآن کریم کے
منشاء کے موافق خدا تعالے کی توفیق اور فضل سے نشان دکھلاویں مگر مسیحیوں کے نشان
آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہوں۔ اگر مسیحیوں میں نشان نمائی کی توفیق اب موجود نہیں ہے
تو پھر خود سوچ لیں کہ اُن کا مذہب کیا شے ہے۔ میں پھر سہ بارہ عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ
اللہ جل شانہ کے سچے مذہب کی تین نشانیاں ٹھہرائی ہیں وہ اب بھی نمایاں طور پر اسلام میں موجود
ہیں پھر کیا وجہ کہ آپ کا مذہب بے نشان ہوگیا اور کوئی سچائی کے نشان اُس میں باقی
نہیں رہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح نے جو نشانی دکھلانے سے ایک جگہ انکار کیا
تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے دکھلا چکے تھے میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا بیان صحیح نہیں ہے
اگر وہ دکھلا چکتے تو اُس کا حوالہ دیتے اور نیز میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں بھی تو آپ لوگوں کو
دکھلا چکا ہوں۔

کیا آپ کو پرچہ **نور افشاں** ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء یاد نہیں ہے جس میں بڑے دعوے
کے ساتھ صاحب نور افشاں نے میری پیش گوئی کا انکار کرکے اس پرچہ میں مخالفانہ
مضمون چھپوایا تھا اور وہ پیش گوئی بھی نقل کردی تھی تو پھر وہ پیش گوئی اپنی میعاد میں
پوری ہوگئی۔

اور آپ اقرار کرچکے ہیں کہ پیش گوئی بھی خوارق میں داخل ہے تو ہم نے ایک نشان
ایسے طور پر آپ کو ثابت کردیا کہ نور افشاں میں درج ہے۔ پھر اس کے بعد اگر آپکی طرف سے

کوئی حجت ہو تو وہ اُسی حجت کے ہمرنگ ہوگی جو یہودیوں نے کی تھی جس کی تفصیل حضرت مسیح کی زبان سے آپ سُن چکے ہیں مجھے کہنے کی حاجت نہیں۔ مگر میں آپ کے اقرار کے موافق کہ آپ نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اس بات کے سُننے کے لیئے بہت مشتاق ہوں کہ اس پیش گوئی کو دیکھکر آپ نے کس قدر حصہ اسلام کا قبول کرلیا ہے۔ اور میں تو آئندہ بھی تیار ہوں۔ صرف درخواست اور تحریر شرائط کی دیر ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ گویا حضرت مسیح کے حق میں میں نے گالی کا لفظ استعمال کر کے ایک گونہ بے ادبی کی ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں حضرت مسیح کو ایک سچا نبی اور برگزیدہ اور خدا تعالےٰ کا ایک پیارا بندہ سمجھتا ہوں۔ وہ تو ایک الزامی جواب آپ ہی کے مشرب کے موافق تھا اور آپ ہی پر وہ الزام عائد ہوتا ہے نہ کہ مجھ پر۔

(باقی آئندہ)

دستخط دستخط

بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

ساتواں پرچہ

مباحثہ ۲۹- مئی ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے تجویز پیش کی۔ کہ چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب بیماری کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اس لیئے ان کی جگہ میں پیش ہوتا ہوں۔ اور میری جگہ پادری احسان اللہ صاحب میر مجلس عیسائی صاحبان مقرر کیئے جاویں۔ مرزا صاحب اور میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے تجویز منظور ہوئی۔

ڈاکٹر کلارک صاحب نے ۶ بجے ۴ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب نے ۹ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۵ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریزیڈنٹوں کے دستخط کیئے گئے۔ اور مباحثہ کے پہلے حصّہ کا خاتمہ ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
(پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب قائمقام ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۲۹- مئی ۱۸۹۳ء

جناب مرزا صاحب کی کئی ایک باتیں سُنکر میں بہت حیران ہوا ہوں لیکن سب سے زیادہ حیرت

اُن کے اِس فرمانے سے ہوئی کہ آپ عقلاً کہہ سکتے ہیں کہ رامچندر اور کرشن بھی کیوں خدا تصور نہ کیئے جائیں اور اہل ہنود کی جو کتابیں ہیں اُن کا ثبوت بھی قابل اعتبار نہ گنا جائے۔ مرزا صاحب یہ کیا آپ فرماتے ہیں اُنہوں نے کون سے کار الٰہی کیئے اور اُن کا کونسا دعویٰ پایہ ثبوت تک پہونچا ہوا ہے اور ایک اہل کتاب کی جو مجلس ہے اُس میں اُن کی نظیروں کی ضرورت کیا ہے۔ آیا عقلاً آپ المسیح اور رامچندر اور کرشن میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور جلالی انجیل کو مقابل اہل ہنود کی کتابوں کے جانتے ہیں۔ میرے خیال میں ایک نبی اللہ برحق کو اور اہل کتاب کے مسئلوں کو بُت پرستوں اور بت پرستوں کی کتابوں سے تشبیہ دینا ہی گناہ ہے اور اگر آپ ایسی تشبیہ دیویں تو اس کا جواب بھی آپ اللہ تعالےٰ کو دیویں۔ اہل ہنود کی جن کتابوں کا آپ نے ذکر کیا وہ تو تواریخی طور پر بھی درست نہیں ہیں۔ اب ہم کس بات کو مدنظر رکھکر زیادہ تر امتیاز کریں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ چونکہ بہت شخصوں نے دعوے کیا تھا کہ ہم خدا ہیں اور اُن کے یہ دعویٰ الوہیت کے باطل نکلے۔ لہٰذا مسیح نے بھی یہ دعویٰ کیا ہے لہٰذا وہ بھی باطل ہے۔ جناب من یہ کیا فرماتے ہیں۔ چونکہ دس روپیہ میں نو کھوٹے ہوں آیا دسواں بھی ضرور کھوٹا ہوگا؟ اس طرح کا فتوےٰ نہیں دیا جاسکتا۔ موقعہ دیکھکر اور خصوصیتیں جو ہیں سمجھکر فتویٰ دینا چاہیئے۔ چونکہ جھوٹے دعویٰ ہیں آپ پر روشن ہوگا کہ سچّا بھی کوئی ہوگا اگر سچّے روپے نہ ہوتے تو نقلی بھی نہ ہوتے۔ سوم ہمنے کئی پیشین گویاں مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کردی ہیں اور اُن پر آپ کا یہ اعتراض ہے کہ آپ دعوے کے ثبوت میں دعوے ہی پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ پیشین گوئیاں جس کا حوالہ دیتے ہو خود دعوے ہیں اور دعوے کا دعوے سے کیونکر ثبوت ہوسکتا ہے۔ جناب من یہ آپکی عجب غلط فہمی ہے۔ پیش گویاں اللہ تعالےٰ کی کسی صورت میں دعوے نہیں گنی جاسکتیں بلکہ صداقتیں ہیں اور ہم اُن کو دعوے کے طور نہیں تسلیم کرتے لیکن اپنے مالک کے فرمان کے طور قبول کرتے ہیں۔ کسی فرد بشر کی جرأت ہے کہ اپنے پیدا کنندہ اور پرورش کرنے والے کے فرمان کو دعوے کہے اور اُن کو پرکھنا بھی ہمارا حق نہیں کیونکہ اگر ایک پیش گوئی ہے تو وہ علاقہ رکھتی ہے زمانہ استقبال سے نہ کہ زمانہ حال سے۔ اب جس منزل تک ہم پہونچتے ہی نہیں ہیں وہاں کی باتوں کا ہم فیصلہ ہی کیا کریں۔ ہمارا حق ہے کہ نبی کو پرکھیں اور تسلی اپنی کرالیں۔ کہ یہ بالضرور نبی ہے اور جب ہم نے معلوم کرلیا پیغام جو وہ ہمیں پہونچاتا ہے نہ اسکا جان کے پر اُس کے مالک اور اپنے مالک کا جان کے شکر اور ادب سے تسلیم کرنا چاہیئے پیش گوئی جب نازل ہوتی ہے تو تسلیم کی جاتی ہے اور جب پوری ہو تو درجہ تکمیل تک پہونچتی ہے۔ جو باتیں حال وارد نہیں ہوئیں اُن میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کون تمیز کرسکتا ہے۔ اب جناب من

دیکھئے گا - عہد عتیق میں کئی نبی اللہ تعالے کے اطلاع دیتے ہیں از جانب اللہ کے کہ یہ باتیں ہونگی عہد جدید جو وہ بھی کلام برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے کئی اور تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ہدایت خدا کی کہ وہ جو میرے فلانے فلانے بندے فلانے فلانے موقعہ پر کہہ گئے تھے آج اور اس موقعہ پر پورا ہوتا ہے - صاحب من ناگزیر ہے کہ ہم مانیں - گریز خلاف فطرت ہے کہ اللہ تعالےٰ کی شہادت اور فرمان سب شہادتوں سے بڑھکر ہے - جناب کی خدمت میں تین فہرست پیش کی گئی تھیں جن میں پرانے عہدنامہ کی پیش گوئیاں مع حوالہ جات نئے عہدنامہ کے جہاں وہ پوری ہوئی ہیں لکھی گئی تھیں - چھ سو سات سو آٹھ سو برس پیشتر جو اللہ کے نبی کہہ گئے نقطہ نقطہ پورے ہوتے دیکھے - مرزائے من اگر اب بھی دعوے مانیں تو سوائے ضد اور تعصب کے کچھ نہیں - آپ نے یہ بھی استفسار کیا تھا کہ آیا المسیح نے خود کبھی اپنی ہی زبان مبارک سے ان پیش گوئیوں میں سے اپنے حق میں تسلیم کیا ہے یا نہیں - جناب من نہ ایک دفعہ نہ دو دفعہ بلکہ کئی دفعہ - اور نہ ایک کو اور نہ دو کو بلکہ سب کو - دیکھئے متی کا ۲۲ باب آیت ۴۱ سے ۴۶ تک - یوحنا کے ۵/۳۹ متی باب ۱۱- ۱۰ بالمقابل ملاکی نبی ۳ باب لوقا باب ۲۴ - ۲۷ متی باب ۶ - ۱۷ -

چہارم - یوحنا باب ۱۰ - ۳۵ کے بارہ میں جناب نے استفسار فرمایا - بارہا خدمت میں عرض کی گئی - نہ معلوم کیا ماجرا ہے کہ خیال شریف میں بات نہیں آئی - آخری التماس میں یہ کرتا ہوں اس آیت کو آپ اس لئے گرفت کہتے ہیں کہ اس میں الوہیت کا انکار ہے برعکس اسکے المسیح اس موقعہ پر اپنی الوہیت کا بہت ہی پختہ دعوے کرتا ہے - گو یہودیوں کو آپ یہ فرماتا ہے - ابتدا میں کلام تھا کلام خدا کے ساتھ تھا کلام خدا تھا - کلام مجسم ہوا وہ لوگ جن کے پاس کلام اللہ پہونچا اس کلام کی برکت سے الٰہی ہونے کے قابل ٹھہرائے گئے گویا کلام کی پیروی کی جا کر کے یہ برکت اُن کو مل گئی -

جن کے پاس کلام پہونچا اور اُن کا اتنا درجہ ہو گیا تو تم کلام مجسّم کو کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے حیف تمہاری عقلوں پر - وہ خاص لفظیں جو غور کے لائق ہیں وہ ہیں مخصوص کیا اور بھیجا آپنے تو چند عبارات لکھائی تھیں کہ اُن میں بھی یہ ہیں -

لیکن تلاش کرنے سے پتہ ندارد آپ کے حوالہ غلط نکلے یونانی بھی جیسے آپکی خدمت میں عرض کر دی - آپ نے فرمایا بہت اور حوالہ ہیں اطلاع نہ بخشی کسی کی - اسپر غور کریئے - بھیجا مسیح کا بھیجا جانا اور ہی طرح کا تھا - یوحنا باب ۱۶/۲۸ باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں اگر اسمیں الوہیت کا انکار ہے تو آپ فرمائیے کہ کسی بندہ نے کہا کہ "میں باپ میں سے نکلا اور پھر باپ پاس جاتا ہوں"

جناب کا یہ فرمانا کہ المسیح کو بھیجا ہے بیجا نہیں - ہمارا حق نہیں کہنا کہ یوں ہو یا یوں جو باتیں ہو چکی ہیں اُن کے موجب فیصلہ کرنا ہے ورنہ ہم صاف کہدیں کہ ہم اللہ تعالےٰ اور اُنکے بزرگ نبیوں سے دانا ہیں ہم ہوتے تو یوں کہتے - یہ دانائی نہیں یہ افترا ہے - سکندر اعظم کے ایک جرنیل تھے بنام پارمینو - جب ایران کو سکندر اعظم نے فتح کرلیا پارمینو کہنے لگے میں اگر سکندر اعظم ہوتا تو دارا کی بیٹی کو اپنی شادی میں لے کے اس ملک سے باہر نہ جاتا - سکندر اعظم نے فرمایا کہ اگر میں پارمینیو ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا اور چونکہ میں سکندر اعظم ہوں نہ پارمینیو میں کچھ اَور کروں گا - لہٰذا چونکہ اُس وقت المسیح تھے نہ کہ مرزا صاحب - اور یاد رکھئے کہ فقط یہی ایک گفتگو یہودیوں کی نہیں ہوئی کہ سب کچھ اُسی وقت ہو جاوے تین برس تک یہ سلسلہ جاری رہا +

پنجم - اگر مسیح خالق تھے تو اُنہوں نے کیا بنایا - موجب فتوےٰ الٰہی کے یوحنا باب اوّل جواب اس کا ہے سب کچھ - اگر اس فتوے سے مرزا صاحب گریز کرتے ہیں تو انجیل کو ہی رد کر دیویں تو اس کو ایک کتاب انسانی و نفسانی و جھوٹوں کی بھری ٹھہرا دیویں +

ششم - جب آپ انسان بنے تو صفات اللہ کہاں گئی - یہ مرزا صاحب کا سوال ہے - جواب بہت مختصر اور چھوٹا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ تا ابد مبارک تھے اور ہیں - اُنہوں نے اپنے آپ کو فرو کیا - موجب فلپیوں کی ۲ باب ۶ آیت -

ساتواں - رائی کے دانہ پر آپ کے پیر پھر پھسلے اور پہاڑوں پر جا ٹھہرے - اور کیسی عجب جوتی آپنے پشمینہ میں لپیٹ کر ہمارے سر پر چلائی کہ جاگو اُٹھو ورنہ رائی بھر ایمان نہیں رہتا آپ نہ گھبرائیے ایمان کہیں نہیں جاتا ہے خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ فرمانا صرف رسولوں کے لیئے ہے نہ ہمارے لیئے - بلکہ صاف پہلے قرنتھون کے ۱۳ - ۲ میں یہ آگیا کہ ایمان تو تم میں اتنا ہو کہ پہاڑ بھی ہل جاویں اور محبت نہ ہو تو عبث ہے اور معجزات کے حق میں جو آپ نے مرقس کے ۱۶ باب کو بنیاد جان کر عمارت عالی شان تیار کی تھی سو ہیچ ہے اس لیئے کہ بنیاد خام ہے - صاف آپ پر ظاہر کیا گیا کہ رسول مسیح کے بے ایمانی کی حالت میں بھی ایمان لاتے ہیں اُن کو فرمایا جاتا ہے کہ اب تمہارے ساتھ یہ نشانیاں ہوں گی - لفظ یونانی ہے - پس ٹی آئی اس کے معنی ہیں جو ایمان لائے ہیں حال میں اور صیغہ یہ ہرگز نہیں جو ایمان لاویں گے بلکہ رسولوں کے زمانہ میں اختیار ہر ایک کو نہ تھا بدن ایک عضو مختلف - حواری پوچھتا ہے کیا سب آنکھ ہیں سب کان ہیں اور فرماتا ہے کیا سب معجزہ دکھاتے ہیں اور کرامات کرتے ہیں اور بیماروں کو چنگا کرتے ہیں علےٰ ہذا القیاس جیسے عرض کر چکا - اور پھر صاف لکھا ہے بہر حالت کہ یہ جو خاص عنایات ہیں بند ہو جائیں گی اور تا ابد جو رہیگی سو محبت ہے - خداوند نے صاف صاف فرما دیا کہ دائمی

نشان جس سے دنیا جانے گی کہ تم میرے ہو نہ کرامات و معجزہ پر محبت ہے دیکھو یوحنا کا ۱۳ باب ۳۴ و ۳۵ - اس سے سب جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو - آپ نے پھر پوچھا کہ یوحنا باب ۱۲/۱۴ کے موجب آپ پر فرض ہے کہ جو کام مسیح نے کیئے سو آپ کریں بلکہ اُس سے بڑھکر کریں *

جناب من! آپ متن پر تو غور کریئے یہاں تو اپنے حواریوں سے مخاطب ہیں نہ مجھ سے نہ آپ سے - جو کام میں کرتا رہا - تم بھی کرتے رہو گے - آپ نے فرمایا - اور بلاشبہ اُنہوں نے کئی دیو نکالے - سانپ پکڑے - مُردے جلائے *

اور ان سے بڑھکر تم کام کرو گے کیونکہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور یہ حق ہے ایسا ہی ہوا - کیونکہ المسیح کی منادی سے تھوڑے ہی ایمان لائے - پطرس کی ایک منادی سے یک لخت تین ہزار ایمان لائے - اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ فقط یہودیوں میں منادی کرتے رہے شاگرد اُن کے تمام جہان میں گئے - تاہم یاد رکھیئے کہ شاگرد اپنے اُستاد سے بڑھکر نہیں -

تم مجھ سے مانگو میں کردوں گا آپ فرماتے ہیں تمہارا کام دُعا کرنا ہے - لہذا صاف لکھا ہے یہ دُعا مانگتے رہے اور خداوند یسوع انجام دیتا رہا اور دے رہا ہے *

ہشتم - آپ کا استفسار ہے آیا ہر زمانہ میں نشانیاں ضرور نہیں - ہرگز نہیں ابتدا میں چاہیئے لیکن ہمیشہ ابتدا نہیں ہے - نشانیاں و معجزہ تعلیم و دین کو کامل کرتے ہیں -

اور جو شے ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے کامل کی گئی اُسے ایسی ناکامل نہ سمجھتے کہ دوبارہ کامل کرنے کی ضرورت ہو - آخری نشان خداوند مسیح خود تھے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی نئی تعلیم وارد ہو تو خاص شخص چاہیئے کہ جو پیغام پہنچا دے اور خاص نشانیاں ہوں جس سے اللہ تعالےٰ ثابت کرے کہ یہ میرا مرسل ہے اور یہ تعلیم میری ہے - لیکن اب ہزار درجہ ہیں جس سے تحقیقات ہوسکتی ہے یعنی نقلی عقلی تواریخی وغیرہ - جہاں کوئی کام عام طور سے ہوسکے وہاں اللہ تعالیٰ خاص طور سے نہیں کرتا ہے -

یہودیوں کو اُن جنگلوں میں جہاں خوراک نہ تھی خوراک آسمانی ملتی رہی جس دن ایسے مُلک میں پہونچے جہاں سامان دیگر مہیا تھا من بھی رفع ہوگیا پُر معجزہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے مُہر ہے کہ یہ بندہ میرا ہے اور یہ تعلیم میری ہے پھر آگے نہ خاص بندہ ہوتا ہے نہ خاص مُہر ہوتی ہے - پر وہ کارخانہ عام طور سے چلایا جاتا ہے - چونکہ آپ کے عقیدہ کے موجب **محمدؐ** صاحب نبی اللہ تھے اور قرآن کو اللہ تعالےٰ جبرئیل کی معرفت اُن پر نازل کرتا رہا اور شروع میں حق ہے جو ایسا ہووے -

لیکن اب محمد صاحب کی اُمت اس تعلیم و دین کو پھیلاتی ہے نہ کہ محمد صاحب خود - اور قرآن بذریعہ چھپائی کے شائع کیئے جاتے ہیں نہ کہ بذریعہ فرشتگان کے -

نہم - خداوند مسیح معجزہ دکھانے سے کیوں انکاری ہوئے اُس کے حق میں تو آتھم صاحب خلاصتہً ذکر کر چکے - اُس وقت بھی انکاری نہ تھے کہتے ہیں نشان تمکو ملیگا یونس نبی کا - آپ نے یہ پڑھکر نہ سُنایا جیسا وہ تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ابن آدم بھی تین دن زمین کے رحم میں رہیگا - اپنی موت اور دفنانے اور جی اُٹھنے کی نشانی دی اور اس سے بڑھکر معجزہ کبھی دنیا میں ہوا نہیں - اُنہوں نے ایک معجزہ دکھایا - یوحنا ۲/۲۵ +

رسول کہتا ہے کئی اور کام اُس نے کیئے اور اپنا کام کا واسطہ کیا دیتے ہیں - دیکھئے یوحنا باب ۱۴/۱۱ +

دسواں - آپکا یہ سوال ہے کہ وہ صلیب سے کیوں نہ اُتر آئے - کس طرح اُترتے ؟ اسی کام کے لیئے تو جہان میں آئے تھے کہ اپنے تئیں جہان کا کفارہ کریں - ہاں اسی طرح تو شیطان نے کہا تھا کہ تو پتھروں کی روٹی بنا اور نہ اُنہوں نے وہ کیا نہ یہ کیا کیونکہ ان ہر کاموں میں شیطان کی پرستش تھی آپ فرماتے ہیں کہ اگر اُتر آتے تو یہودی فوراً ایمان لاتے یہ آپ کو کیونکر معلوم ہے کونسا دیگر معجزہ دیکھکر ایمان لائے تھے اور اُن کو جی اُٹھا دیکھکر کون سے ایمان دار بنے - صاحب من تمیز کسی معجزہ سے ایمان نہیں پیدا ہوتا - حضرت موسےٰ نے فرعون کو تھوڑے معجزہ دکھائے تو بھی وہ سنگ دل کافر ہی رہا - شرط نہیں کہ ساتھ معجزہ کے ایمان بھی ہوگا +

یعنی دیکھنے والے میں ہونہو امر الٰہی ہے - فرعون کی میں نے نظیر دی ہے +

لعزر نام ایک شخص کو المسیح نے مُردوں میں سے زندہ کیا - یہودی ایسے قہر سے بھر گئے تجویز کرنے لگے کہ ان دونوں کو ہلاک کردیں - صاف انجیل جلالی میں آیا ہے - اگر وہ موسےٰ اور نوشتوں پر ایمان نہ لائیں تو مردوں میں سے کوئی جائیگا تو وہ ایمان نہ لائیں گے +

گیارھواں - آپ نے فرمایا تھا کہ انسان کا بدن چار چار سال کے بعد تبدیل ہوجاتا ہے - لہٰذا کفارہ کیونکر ہوا - چار برس کے بعد نہیں سات برس کے بعد وقوع میں ہوتا ہے خیر بدن کی تبدیلی ہو وجود نہیں بدلتا - جناب کی رائے میں اس باعث سے کفارہ محال تھا اب تو شاید یہ بھی مانیں گے کہ سات برس کے بعد چار برس کے بعد مرد اپنی بی بی کا خاوند نہ ٹھہرتا اور نہ اپنے بچوں کا والد اور نہ اپنی ماں کا مالک ہوسکتا ہے - جب وقت خاتمہ پر آیا کیا ہی پھر خوب ہو کہ دوبارہ نکاح از سر نو رجسٹریاں کراوے تا کہ اُسکی عزت اور ملکیت بحال رہے +

جناب ! اس طرح کے سوال اعتراضات آپ کے روشن فہمی کے لائق ہیں -

دستخط بحروف انگریزی - احسان اللہ قائمقام ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان

دستخط بحروف انگریزی - غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) از جانب اہل اسلام -

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

آج ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ حضرت مسیح کی الوہیت کے ثبوت کے بارہ میں پیش کیا اُس کے سُننے سے مجھکو کمال درجہ کا تعجب ہوا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مونھ سے ایسی باتیں نکلیں جاننا چاہیئے کہ یہ دعویٰ الوہیت کا جو حضرت مسیح کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ کوئی چھوٹا سا دعویٰ نہیں ایک عظیم الشان دعویٰ ہے۔ حضرت عیسائی صاحبان کے عقیدہ کے رُو سے جو شخص حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار کرے وہ ہمیشہ کے جہنم میں گرایا جاویگا۔ اور قرآن کریم کی تعلیم کی رُو سے جو شخص ایسا لفظ مونھ پر لاوے کہ فلاں شخص درحقیقت خدا ہے یا درحقیقت مَیں ہی خدا ہوں وہ جہنم کے لائق ٹھہرے گا جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذٰلک نجزیہ جھنم کذٰلک نجزی الظالمین۔ یعنی جو شخص یہ بات کہے کہ میں خدا ہوں بجز اُس سچے خدا کے تو ہم اُس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ پھر اس کے اوپر کی آیت یہ ہے۔ وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون اور عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا پکڑا پاک ہے وہ بیٹوں سے بلکہ یہ بندے عزت دار ہیں (سیپارہ ۱۷۔ رکوع ۲) اور پھر بعد اس کے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے ہاتھ میں کیا ثبوت ہے تو ہمیں ایک ذخیرہ کثیر ثبوتوں کا نظر آتا ہے ایک طرف عقل سلیم انسان کی اس اعتقاد کو دھکے دے رہی ہے اور ایکطرف قیاس استقرائی شہادت دے رہا ہے کہ ابتک اس کی نظیر بجز دعویٰ متنازعہ فیہ کے نہیں پائی گئی اور ایک طرف قرآن کریم جو بے شمار دلائل سے اپنی حقانیت ثابت کرتا ہے اس سے انکاری ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ ویعبدون من دون اللہ مالم ینزل بہ سلطاناً وما لیس لھم بہ علم وما للظالمین من نصیر (س ۱۷۔ ر ۱۶) یعنی عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی جس کی خدائی پر اللہ تعالیٰ نے کوئی نشان نہیں بھیجا یعنی نبوت پر تو نشان ہوتے ہی ہیں مگر وہ خدائی کے کام میں نہیں آسکتے اور پھر فرماتا ہے کہ اس عقیدہ کے لیئے ان کے پاس کوئی علم بھی نہیں یعنی کوئی ایسی معقولی دلائل بھی نہیں ہے جن سے کوئی عقیدہ پختہ ہو سکے اور پھر فرماتا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولداً لقد جئتم شیئاً اِدًّا تکاد السمٰوات یتفطرن منہ

وتنشق الارض وتخر الجبال ھدًا ان دعوا للرحمٰن ولدًا (س ۱۶ ر ۹) اور کہتے ہیں کہ رحمان نے حضرت مسیح کو بیٹا بنالیا ہے یہ تم نے اے عیسائیو ایک چیز بھاری کا دعوٰے کیا۔ نزدیک ہے جو اس سے آسمان و زمین پھٹ جاویں اور پہاڑ کانپنے لگیں کہ تم انسان کو خدا بناتے ہو پھر بعد اس کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا اس خدا بنانے میں یہودی لوگ جو اوّل وارث توریت کے تھے جن کے عہد عتیق کی پیش گویاں سراسر غلط فہمی کی وجہ سے پیش کیجاتی ہیں کیا کبھی اُنھوں نے جو اپنی کتابوں کو روز تلاوت کرنے والے تھے اور اُن پر غور کرنیوالے تھے اور حضرت مسیح بھی اُن کی تصدیق کرتے تھے کہ یہ کتابوں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں انکی باتوں کو مانو کیا کبھی اُنھوں نے ان بہت سی پیش کردہ پیش گویوں میں سے ایک کے ساتھ اتفاق کرکے اقرار کیا کہ ہاں یہ پیش گوئی حضرت مسیح موعود کو خدا بتاتی ہے اور آنے والا مسیح انسان نہیں بلکہ خدا ہوگا تو اس بات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا ہر ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح سے ان کو کچھ بخل اور بغض پیدا ہوتا تو اس وقت پیدا ہوتا جب حضرت مسیح تشریف لائے پہلے تو وہ لوگ بڑی محبت سے اور بڑی غور سے انصاف و آزادی سے ان پیش گویوں کو دیکھا کرتے تھے اور ہر روز ان کتابوں کی تلاوت کرتے تھے اور تفسیریں لکھتے تھے۔ پھر کیا غضب کی بات ہے کہ یہ مطلب ان سے بالکل پوشیدہ رہا ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ کھُلی کھُلی پیش گویاں حضرت مسیح کی خُدائی کے لیئے عہد عتیق میں موجود تھیں اب ہمیں تحیر پر تحیر ہوتا ہے اگر ایک پیش گوئی ہوتی اور یہودیوں کو سمجھ نہ آتی تو وہ معذور بھی ٹھہر سکتے تھے لیکن یہ کیا بات ہے کہ باوجود صدہا پیش گویوں کے پائے جانے کے پھر بھی ایک بھی پیش گوئی انکو سمجھ نہ آئی اور کبھی کسی اَور زمانہ میں اُن کا یہ عقیدہ نہ ہوا کہ حضرت مسیح بہ حیثیت خدائی دنیا میں آئیں گے ان میں نبی بھی تھے ان میں راہب بھی تھے ان میں عابد بھی تھے مگر کسی نے ان میں سے بطور شرح یہ نہ لکھا کہ ہاں ایک خدا بھی انسانی جامہ میں آنے والا ہے۔

آپ تو جانتے ہیں کہ یہ تو ایک امر غیر ممکن ہے کہ ایسی قوم کا غلط فہمی پر اتفاق ہو جائے جس نے نقطہ نقطہ اور شوشہ شوشہ توریت کا اپنے ضبط میں کیا ہوا تھا کیا وہ سارے ہی نا سمجھ تھے۔ کیا وہ سارے ہی بیوقوف تھے کیا وہ سب کے سب متعصب تھے اور پھر اگر وہ متعصب تھے تو اس تعصب کی محرک حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے کونسی چیز تھی یہ تو ظاہر ہے کہ تعصبات بالمقابل ہوا کرتے ہیں جبکہ ابھی تک کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا پھر تعصب کس کے ساتھ کیا جائے پس یہ اتفاق یہودیوں کا قبل از زمانہ مسیح کے کہ آنے والا ایک انسان ہے خدا نہیں ہے ایک طالب حق کے لیئے کافی دلیل ہے۔ اگر وہ اسی بات کے شائق ہوتے کہ

حق کو خواہ نخواہ چھپایا جاوے تو پھر نبی کے آنے کا کیوں اقرار کرتے۔ ماسوا اس کے توریت کے دوسرے مقامات اور بھی اس امر کے موید اور مصدق ہیں چنانچہ توریت میں صاف لکھا ہے کہ تم زمین کی کسی چیز کو اور یا آسمان کی کسی چیز کو جو دیکھو تو اس کو خدا مت بناؤ جیسا کہ خروج ۲۰ باب ۳ میں یہ الفاظ ہیں کہ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ اور پھر لکھا ہے اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور تمہیں نشان یا کوئی معجزہ دکھلاوے اور اس نشان یا معجزہ کے مطابق جو اُس نے تمہیں دکھایا ہے بات واقعہ ہو اور وہ تمہیں کہے کہ آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا پیروی کریں تو ہرگز اس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو اسی طرح اور بھی توریت میں بہت سے مقامات ہیں جن کے لکھنے کی حاجت نہیں مگر سب سے بڑھکر حضرت مسیح کا اپنا اقرار ملاحظہ کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں سب حکموں میں اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خدا ہے پھر فرماتے ہیں حیات ابدی یہ ہے کہ وے تجکو اکیلا سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تم نے بھیجا ہے جانیں۔ یوحنا ۱۷/۳

اور بھیجا کا لفظ توریت کے کئی مقام میں انہیں معنوں پر بولا گیا ہے کہ جب خدا تعالےٰ کسی اپنے بندہ کو مامور کر کے اور اپنا نبی ٹھہرا کر بھیجتا ہے تو اُس وقت کہا جاتا ہے کہ یہ وہ بندہ بھیجا گیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب یہ بھیجا گیا کا لفظ بجز اس معنی کے جہاں نبی کی نسبت بولا جاتا ہے مقام متنازعہ فیہ کے ماسوا کسی اَور جگہ دوسرے معنوں پر ثابت کر دیں تو شرط کے طور پر جو چاہیں ہم سے وصول کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پر واضح رہے کہ بھیجا گیا کا لفظ اور ایسا ہی مخصوص کا لفظ انسان کے بارہ میں آیا ہے یہ سراسر تحکم ہے کہ اب اس کے اَور معنی کیئے جاویں۔ ماسوا اس کے حضرت مسیح کی الوہیت کے بارہ میں اگر حضرات عیسائی صاحبوں کا اصول ایمانیہ میں اتفاق ہوتا اور کوئی قوم اور فرقہ اُس اتفاق سے باہر نہ ہوتا تو تب بھی کسی قدر ناز کرنے کی جگہ تھی مگر اب تو اتنی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں نہیں ڈاکٹر صاحب فرماویں کہ کیا آپکے مختلف فرقوں میں سے یونی ٹیرین کا فرقہ حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے کیا وہ فرقہ اسی انجیل سے تمسک نہیں کرتا جس سے آپ کر رہے ہیں۔ کیا وہ فرقہ ان پیش گویوں سے بے خبر ہے جن کی آپ کو خبر ہے۔ پھر جس حالت میں ایک طرف تو حضرت مسیح اپنے کفر کی بریت ثابت کرنے کے لیئے یوحنا باب ۱۰ میں اپنے تئیں خدا اطلاق پانے میں دوسروں کا ہمرنگ قرار دیں اور اپنے تئیں لاعلم بھی قرار دیں کہ مجھے قیامت کی کچھ خبر نہیں کہ کب آئیگی اور یہ بھی روا نہ رکھیں کہ اُن کو کوئی

نیک کہے اور جا بجا یہ فرما دیں کہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور حواریوں کو یہ نصیحت دیں کہ پیش گوئیاں وغیرہ امور کے وُہی معنی کرو جو یہودی کیا کرتے ہیں اور اُن کی باتوں کو سُنو اور مانو اور پھر ایک طرف مسیح کے معجزات بھی دوسرے نبیوں کے معجزات سے مشابہ ہوں بلکہ ان سے کسی قدر کم ہوں بوجہ اُس تالاب کے قصّہ کے جو ڈاکٹر صاحب کو خوب معلوم ہو گا جس میں غسل کرنے والے اسی طرح طرح طرح کی بیماریوں سے اچھے ہو جایا کرتے تھے جیسا حضرت مسیح کی نسبت بیان کیا جاتا ہے اور پھر ایک طرف گھر میں ہی پھوٹ پڑی ہوئی ہو ایک صاحب حضرت عیسائیوں میں سے تو حضرت مسیح کو خدا ٹھہراتے ہیں اور دوسرا فرقہ ان کی تکذیب کر رہا ہے ادھر یہودی بھی سخت مکذب ہوں اور عقل بھی ان نامعقول خیالات کے مخالف ہو اور پھر وہ آخری نبی جس نے صدہا دلائل اور نشانوں سے ثابت کر دیا ہو کہ میں سچا نبی ہوں تو پھر باوجود اس قدر مخالفانہ ثبوتوں کے ایک خاص فرقہ کا خیال اور وہ بھی بے ثبوت کہ ضرور حضرت مسیح خدا ہی تھے کس کام آسکتا ہے اور کس عزت دینے کے لائق ہے اسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ جس حالت میں اس قدر حملے بالاتفاق آپ کے اس عقیدہ پر ہو رہے ہیں تو اب حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنے کے لیئے آپ کو کوئی ایسا ثبوت دینا چاہیئے جس کے اندر کوئی ظلمت اور تاریکی نہ ہو اور جس میں کوئی اختلاف نہ کر سکتا ہو مگر آپ نے اس طرف توجہ نہ کی اور آپ فرماتے ہیں جو پیشگوئیاں ہم پیش کرتے ہیں وہ دلائل ہیں دعاوی نہیں ڈاکٹر صاحب آپ انصافاً سوچیں کہ جس حالت میں اُن پیش گویوں کے سر پر اس قدر مکذب اور مخالف کھڑے ہیں اور اور خود وُہی لوگ ان کے معنی وہ نہیں مانتے جو آپ کرتے ہیں جو وارث عہد عتیق کے تھے اور آپ کا خانگی اتفاق بھی نہیں پایا جاتا تو پھر وہ دعاوی ہوئے یا کچھ اَور ہوئے یعنے جبکہ وہ آپ کے فرقوں میں خود متنازعہ فیہ امر ٹھہر گیا تو اوّل یہودیوں سے فیصلہ کیجئے پھر یونی ٹیرینوں سے فیصلہ کیجئے اور پھر جب سب اتفاق کرلیں کہ آنے والا مسیح موعود خدا ہی ہے تو پھر مسلمانوں پر حجت کے طور پر پیش کیجئے۔ اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ہمارے لیئے نشانوں کی ضرورت نہیں نشان پہلے زمانوں سے خاص ہوتے ہیں جب ایک مدعا ثابت ہو گیا تو پھر نشانوں کی کیا حاجت۔

میں کہتا ہوں اگر یہ ثابت شدہ امر ہوتا تو اتنے جھگڑے ہی کیوں پڑتے کیوں آپ کے فرقہ میں سے ان پیش گویوں کے ان معنوں کی تکذیب کرنے کے لیئے موجود ہوتے پھر جبکہ ان پیشگویوں کی نہ صحت ثابت نہ ادعا حضرت مسیح ثابت اور نہ ان کے خاص معنوں پر اتفاق ثابت تو پھر کیونکر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دلائل ہیں اور یہ بھی آپ کو یاد رہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ نشان

اُسی وقت تک ضروری تھے جو حواریوں کا زمانہ تھا اور حواری اِس کے مخاطب تھے یہ اس دوسری دلیل سے بھی خلاف واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اگر کسی امر میں حواریوں کو مخاطب کرنا اس امر کو انہیں تک محدود کر دینا ہے تو پھر اس صورت میں ساری انجیل ہاتھ سے جاتی ہے کیونکہ تمام اخلاقی تعلیم جو حضرت مسیح نے کی اس کے مخاطب حواری تھے اب آپ کو خوب موقعہ مل سکتا ہے کہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں کہ ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسرا بھی پھیر دیں کیونکہ یہ تو حواریوں کے حق میں کہا گیا تھا - اور آپ کا یہ فرمانا کہ رامچندر اور کرشن سے حضرت مسیح کو کیا نسبت ہے اور کیا اگر دس آدمی ایک دعوے کریں تو ان میں سے ایک سچا نہیں ہو سکتا - مجھے افسوس ہے کہ آپنے یہ کیا لکھا یا میرا تو مطلب صرف اتنا تھا کہ اگر صرف دعوے سے انسان سچا ہو سکتا ہے تو دعوے کرنے والے تو دنیا میں اَور بھی ہیں پس اگر ان میں سے کوئی سچا ہے تو چاہیئے کہ اپنی سچائی کے دلائل پیش کرے ورنہ ہمیں یا آپ کو دس دعوے کرنے والوں میں سے ایک کو بغیر دلیل کے خاص کر لینے کا کوئی حق نہیں پہونچتا یہی تو میں بار بار کہتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ حضرت مسیح کی الوہیت پر ابھی تک آپ نے کوئی معقولی دلایل پیش نہیں کیئے اور منقولی پیش گویاں جو آپ بار بار پیش کر رہے ہیں وہ تو کچھ بھی چیز نہیں ہیں خود امور متنازعہ فیہا ہیں جن کے آپ کچھ معنی کرتے ہیں یونی ٹیرین کچھ کرتے ہیں یہودی کچھ کرتے ہیں اہل اسلام کچھ کرتے ہیں - پھر قطعیۃ الدلالت کیونکر ٹھہر جاویں اور آپ جانتے ہیں دلیل اس کو کہتے ہیں جو قطعیۃ الدلالت اور فی نفسہ روشن اور بدیہی ہو اور کسی امر کی مثبت ہو نہ کہ خود محتاج ثبوت ہو کیونکہ اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا اور پھر میں اپنی پہلی بات کا اعادہ کر کے لکھتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس پُر آشوب دنیا میں انسان ہمیشہ تسلی اور معرفت تامہ کا محتاج ہے اور ہر ایک شخص یہی چاہتا ہے کہ جن دلائل کو تسلیم کرانا چاہتا ہے وہ ایسی شافیہ اور کافیہ دلائل ہوں کہ کوئی جرح اُن پر وارد نہ ہو سکے اور خود ایک طالب حق جب اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور در حالت بیدین و گمراہ ہونے کے اُن سزاؤں کو تصور میں لاتا ہے جو بیدینوں کو ملیں گی تو خود اُس کا بدن کانپ اُٹھتا ہے اور اپنے تئیں اس بات کا بھوکھا اور پیاسا پاتا ہے کہ اگر کوئی نشان ہو تو اس سے تسلی پاوے اور اس کے سہارے کے لیئے وہ اس کی دلیل ٹھہر جاوے تو پھر میں تعجب کرتا ہوں کہ یہ درخت عیسائی مذہب کا کیوں کر بغیر پھلوں کے قرار دیا جاتا ہے اور کیوں تسلی کی راہ اس شخص کے مقابل پر پیش نہیں کیجاتی جو پیش کر رہا ہے اگر اللہ تعالےٰ کی عادت نشان دکھلانا نہیں ہے تو اس دین اسلام کی تائید کے لیئے کیوں نشان دکھلاتا ہے اس لیئے کیا کبھی ممکن ہے کہ ظلمت نور پر غالب آجاوے آپ یہ سب باتیں جلنے دیں میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا دل ہرگز ہرگز آپ کے ان بیانات کے

موافق نہ ہوگا۔ بہتر تو یہ ہے کہ اس قصہ کے پاک کرنے کے لیئے میرے ساتھ آپ کا ایک معاہدہ تحریری ہو جائے اگر میں اُن شرائط کے مطابق جو اس معاہدہ میں لکھوں گا کوئی نشان اللہ جل شانہٗ کی مرضی کے موافق پیش نہ کرسکوں تو جس قسم کی سزا آپ چاہیں اس کے بھگتنے کے لیئے تیار ہوں بلکہ سزائے موت کے لیئے بھی تیار ہوں لیکن اگر یہ ثابت ہو جاوے تو آپ کا فرض ہوگا کہ اللہ جلشانہٗ سے ڈر کر دین اسلام کو اختیار کریں۔ ڈاکٹر صاحب یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ عیسائی مذہب تو سچا ہو مگر تائید دین اسلام کی ہو آپ بجائے خود حضرت مسیح سے دعائیں کرتے رہیں کہ وہ اس شخص کو ذلیل اور لاجواب کرے اور میں اپنے خدا سے دُعا کروں گا پھر وہ جو سچا خدا ہے غالب آجائیگا۔

اس سے بہتر اَور کونسی تصفیہ کی صورت ہوگی۔ آپ کے دعاوی بلا دلیل کو کون تسلیم کرسکتا ہے کیوں آپ ان کو بار بار پیش کرتے ہیں۔

کیا آپ کی قوم نے بالاتفاق اس کو قبول کر لیا ہے آپ براہ مہربانی سیدھے راہ پر آکر وہ طریق اختیار کریں جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جاوے۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح	احسان اللہ قائممقام ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک

جناب مرزا صاحب نے اپنے جواب میں زیادہ طول اہل یہود پر دی ہے اور ان کو ہم نہیں جانتے کہ کس وجہ سے ہمارے اور اپنے درمیان منصف ٹھہرالیا ہے۔ جناب من آپ کونسی تاریخی کے فرزندوں کا حوالہ دیتے ہیں اگر اُن کے ماننے پر بات موقوف ہے تو آپ کے حضرت صاحب کی شان میں بھی بڑا فرق آتا ہے۔ کیونکہ اُن کی مخالفت پر بھی ہمیشہ کمر باندھ کے منکر ہی رہے۔ جناب من دار مدار کسی انسانی فیصلہ پر نہیں ہے۔ کتابیں موجود ہیں زبان کوئی سمجھ سے باہر نہیں ہے عقل فقط خدا تعالےٰ نے اہل یہود کو عنایت نہیں کی تھی۔ عبارت میں غلطی ہے بتا دیجئے گا

معنوں میں ہی تو معنے صحیح ہیں عنایت کیجئے۔ اور یہودیوں کی کمبختی ہمارے سر پر کیوں تھوپتے ہیں آپ تو فرماتے ہیں کہ یہ قوم پارسا اور خدا پرست تھی۔ توریت شریف اور انبیا کے صحیفوں کو ملاحظہ کیجئے تو ان کا صحیح حال آپ پر روشن ہوگا۔ دیکھئے یسعیا نبی کی کتاب کے ۶۵/۲ میں خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے ایسے گروہ کیطرف جو سدا میرے منہ پر مجھے غصہ دلاتی تھی اور نبیوں کو دیکھنے کہتے ہیں گردن کش سنگدل حد سے زیادہ نبیوں کے قاتل اپنے خدا سے موںھ پھیرنے والے۔ یہ ان کی صفات ہیں کلام اللہ میں جسے آپ پاک قوم سمجھ رہے ہیں بلکہ یہاں تک اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ گدھا اپنے مالک اور بیل اپنے چرنے کو جانتا ہے پر میری قوم مجھے نہیں جانتی جن کو اللہ تعالیٰ گدھے اور بیل سے بڑھکر حماقت میں بتاتا ہے۔ آپ ان سے عدالت چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب یہ آپ سے ہرگز نہ ہوگا۔ جناب من انہیں کی سنگدلی کی سزا میں خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تاریک کردیا کہ وہ نہ سمجھیں۔ یسعیا ۶/۱۰ اور یہ لعنت خداوند یسوع مسیح کے وقت ان کے سر پر تھی اور تا حال ہے متی ۱۳/۱۵ و اعمال ۲۸/۲۷ دوسرے قرنتیوں کا ۳/۱۵و۱۶ ان آیات کے ملاحظہ سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ نے منصفی کن پر ڈالی ہاں ان کی بے ایمانی سے شہر ان کا برباد اپنے مُلک سے جلاوطن سارے جہان میں پراگندہ ضرب المثل اور انگشت نما ہوکے یہ آج تک پھرتے ہیں موجب پیش گوئی اَلمسیح کے۔

دویم - پھر آپنے یونی ٹیرین کی بابت پیش کیا۔ جناب من یہ عیسائیوں کے کسی قوم میں سے کوئی فرقہ نہیں۔ سارے جہان کی حماقت اور کفر کا جواب آپ مجھ سے کیوں مانگتے ہیں۔ اور رومن کیتھلک لوگ اپنے دل کے کفر سے مریم کو خدا کی ماں قرار دیتے ہیں اور ادھر یونی ٹیرین حماقت سے اَور طرح پر پورا کرتے ہیں میرا ان میں کیا واسطہ ہے۔ کلام میرے ہاتھ میں ہے عبارت اُس کی موجود ہے غلطی پر ہوں تو مجھے قائل کیجئے۔ ورنہ ان تاریک فہموں کی آپ کیا نظیر دیتے ہیں ہمارا ایمان مسیح پر فرقوں پر نہیں۔ اس طرح کے اگر میں الزامی جواب دینے چاہوں تو اسلام پر کتنے فتور اس وقت پیش کرسکتا ہوں۔ جناب من اپنے گھر کی حالت دیکھکر تکلیف فرمائیے اور نہ کسی انسان کے ماننے اور نہ ماننے پر مدار رکھئے لیکن کتاب اللہ پر۔

جناب نے ایسی دلیل طلب کی ہے جس میں کسی کا شک نہ ہو۔ صاف اقرار کرتا ہوں کہ میں نے کہ میں عاجز ہوں میں کیا بلکہ خدا بھی عاجز ہے۔ اس کے وجود پاک سے بڑھکر کوئی بات دنیا میں روشن ہے تو بھی آپ کو ہزار احمق نہ ملیں گے جو کہیں گے کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ جب جناب باری کی ذات پاک میں آپ حرف لاتے ہیں اور اس معبود حق کی نسبت شک کرتے ہیں جس کے جلال سے سارا جہان معمور ہے تو کون ایسی دلیل پیش کریں جس میں اگلا حرف نہ لاوے۔ آگے جناب کا

یہ فرمانا تھا کہ مسیحی دین اگر بے پھل ہے تو پھر یہ کیوں حق ہے۔ صاحب من یہ بے پھل نہیں اپنے موقعہ پر یعنی اسی ہفتہ میں آپکی خدمت میں پھل پیش کیئے جاویں گے۔ لیکن یہاں آپ کے ساتھ میرا سخت تنازعہ ہے آپ نے مجھے کیوں منافق بنایا۔ ریاکار ٹھہرایا کہ جو میں زبان سے کہتا ہوں وہ دل سے نہیں۔ کہ آپ نے ایسا الزام مجھے لگا دیا۔ پیغمبری کے دعوے تو میں آپ کے سنتا رہا لیکن یہ تو دعوے الٰہی ہے کہ آپ دلوں کے جانچنے والے ہیں۔ آخری عرض یہ ہے کہ مناسب ہے کہ خالق کی ذات شریف مخلوق کی سمجھ میں نہ آوے۔ خدا تعالےٰ جو ہے ذات ہی ذات ہے اور اگر اس کی ذات پاک کو ہم سمجھ لیں تو پرے کیا رہا۔ ہم اس کے مساوی نہ ہوگئے بیشک ہوگئے۔ اسی لیئے میں محمدی وحدانیت کا قائل نہیں ہو سکتا جو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے اور میری عقل تو گواہی دیتی ہے کہ ذات پاک کو اس سے بڑھکر ہونا چاہیئے آپکی وحدانیت میں کونسا مسئلہ سمجھ سے باہر ہے گویا محدود نے غیر محدود کو گھیر لیا ہے۔ لیکن کثرت فی الوحدت ایک ایسا مسئلہ ہے کہ نہ اس کے سمجھنے والا پیدا ہوا نہ ہوگا۔ کیا صاحب جانا جا سکتا ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالےٰ کو سمجھے۔ توبہ توبہ۔ ذات الٰہی ایک ایسی شے ہے کہ نہ عقل سے ثابت کی جا سکتی ہے اور نہ عقل سے اس کی تردید کیجا سکتی ہے۔ معاملہ انسان کی عقل سے لاکھ درجہ بڑھکر ہے اور اس کا فیصلہ صاف اللہ تعالےٰ ہی کر سکتا ہے۔ خدا کی بات خدا ہی جانے اور میرا اور آپ کا حق مرزا صاحب نہ دلائل عقلی کے دوڑانے پر ہے۔ لیکن تسلیم کرنا ہے۔ اور صحیح تعلیم اللہ تعالےٰ کی کتابوں کی یہی ہے تین اقنوم اور ایک خدا واحد تا ابد مبارک ہے مسیح خداوند کے حق میں نبی گواہی دیتے رہے نمونوں سے اللہ تعالےٰ ظاہر کرتا رہا۔ قربانیوں میں حلال و حرام میں ختنہ میں ہیکل میں اور پھر ظاہر کرتا رہا کہ میں حق تعالےٰ خود تمہارا نجات دہندہ ہوں اور وقت پر کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور نام اس کا تم نے رکھنا عمانوئیل یعنی خدا ہمارے ساتھ وقت پر آپ آئے پیدا ہوئے۔

آگے سلسلہ چلتا ہے فرشتوں کی گواہی کا۔ حواریوں کی گواہی کا اپنے دعووں کا اپنی کرامت و معجزوں کا ہاں خدا تعالےٰ کا خو یحیٰی بپتسما دینے والے کے ہاتھ سے بپتسما پا کر آپ پانی سے نکلتے ہیں اور روح القدس کبوتر کی طرح اُن پر آتی ہے اور خدا تعالےٰ آسمان پر بلند آواز سے فرماتا ہے یہ میرا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں دیکھیئے باپ بیٹا روح القدس موجود کیونکہ یہ تینوں ایک ہیں۔

خیر میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ دشمنوں کی گواہی بھی موجود ہے۔ شیطانوں کی گواہی موجود ہے جو چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ تو خدا کا قدوس ہے۔ رومیوں کی گواہی موجود ہے۔ پلاطوس کی گواہی موجود ہے۔ جناب انجیل شریف میں آپ کے لیئے سب گواہیاں موجود ہیں اُم

یہودی بھی سارے بے ایمان نہ تھے آپ کے فرمانے کے مطابق حواری بھی یہودی تھے ایک ہی وعظ سے تین ہزار عیسائی ہوئے یکلخت -

اگرچہ قوم مردود ہے قوم کا ہر ایک فرد مردود نہیں اور اب بھی ہزار ہا لاکھ ہا یہودی مسیح خداوند کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں - اور جب آپ نے مسئلہ پیش کیا کہ جب مسیح نے پوچھا کہ مسیح کس کا بیٹا ہے اور داؤد کیوں اُس کو خداوند کہتا ہے تو چپ اور لاجواب ہو گئے - کوئی جواب نہ دے سکا صاحب من عقل کو قائل کرنا تو کچھ مشکل نہیں لیکن دل کی ضد کو دفع کرنا اللہ کا کام ہے پھر جناب کی تقریر تھی کہ کرامتیں اسلام کے ساتھ ہیں - ہمیں دیکھنے سے کوئی گریز نہیں - ساتھ یہ بھی بتائیے بالفرض اگر کوئی یا کئی کرامتیں وارد بھی ہوں تو ہم کس طرح جانیں کہ یہ منجانب اللہ ہیں استثناء کے ۱۳ اور ۱۲ جناب نے ہی سُنائے کہ بیشک تمہارے پرکھنے کے لئے جھوٹے نبی بھی آجائیں گے اور کرامت پوری کریں گے - نیز مرقس کا ۱۳/۲۲ سنیئے گا - گلیتوں ۱/۸ سو جناب من نہ فقط کرامت کی ضرورت ہے بلکہ اس بات کی کہ ان نشانوں کو کیونکر منجانب اللہ جانیں اور نہایت ادب سے عرض ہے کہ آپ کی کرامت سے میں دل شکستہ ہوں آپ فرما چکے ہیں کہ کرامت اور معجزہ میں فرق ہے نہیں جانتا - کہ کیا پھر آپ نے یہ فرمایا کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھلائے گا - اور پھر معلوم نہیں کہ خدا تعالےٰ کس طور کا نشان دکھلائیگا - جناب صاحب اس میں تحدی ما قبل معجزہ اور کرامات سے صاف گریز ہے - حالانکہ آپ اپنے رسالہ حجۃ الاسلام کے ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ صفحہ میں اس بات کو تسلیم کر چکے تھے قصہ کوتاہ مرزا صاحب کیا ہی مبارک موقعہ پیش آیا تھا کہ آپ اپنے اس دعوے کو جن کی نسبت خم ٹھوک کر کئی روز سے دعوے کرتے ہیں پایۂ ثبوت تک پہونچاتے - ہزار افسوس کہ آپنے ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیا اور اپنی لغو تاویلات کو لامعنی اور بات الزامی سے اس موقعہ کو ٹال دیا - آپ کی اس پہلو تہی سے اس عاجز کی عقل ناقص میں یہ آتا ہے کہ آپکا یہ دعوے سامان ہیں جن سے آپ اپنے مقلدوں کو خوش کرتے ہوتے ہیں - از راہ خاوندی کے عیسائیوں کے روبرو ان کا ذکر پھر نہ کرنا اور ناحق زک اُٹھانی پڑتی ہے - جناب من ہم تو آپ کے علم اور روشن ضمیری کا چرچا بہت ہی سُنتے رہے ہیں اور ہم کو آپ سے بہت اُمید تھی - لیکن افسوس آپ نے وُہی حجتیں اور وُہی دلائل اور وُہی باتیں پیش کیں - جو کہ قریب چالیس سال سے اس مُلک کے بازاروں میں چکر کھا رہی ہیں - مرزا صاحب افسوس ہے کہ ہم آپ پر کسی طرح خوش نہ ہوئے - عقلی دلیل آپ نے مانگی بندہ نے پیش کردی نقلی جناب نے فرمائی حاضر کی گئی الہام پر آمادہ ہوئے سو بھی منظور - اس موقعہ پر مجھکو انجیل شریف کی ایک بات یاد آتی ہے

متی کے ۱۶-۱۷-۱۹ ۱۱ میں ہے - آخر الامر آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اوّل خدا کے ابن وحید کا رسالت لیکر دنیا میں آنا دلیل استقرائی سے مستثنےٰ ہے جیسے کہ آدم وحوا کی پیدائش - جناب نے اس کا کیا جواب فرمایا ہیچ - دوم الوہیت کے دعوے اور اثبات بائبل شریف سے مع مفصل آیات کے پیش کیئے گئے - عقل سے امکان اور کلام الٰہی سے وقوع ثابت کیا گیا جناب نے کیا جواب دیا ہیچ - یوحنا کے دسویں باب پر آپ نے بار بار زور بیجا لگایا معقول دلیل دیکھیں تو پتہ ندارد پرانے عہد نامہ میں سے مسیح کے حق میں پیش گویاں اور نئے عہد نامہ میں اُن کی تکمیل جناب کی خدمت میں پیش کی گئی جواب ہیچ - پانچ پرانے عہد نامہ کے ایسے فقروں سے جیسا کہ ہم میں سے ایک کی مانند ہوتا - یہوا صدقنو وغیرہ وغیرہ الوہیت کا استدلال کیا گیا جناب کا جواب ہیچ - بڑی پختہ دلائل سے مسیح کا کامل انسان و کامل خدا ہونا و مظہر اللہ ہونا پیش کیا گیا - جواب ہیچ - ساتواں وہ جو آیات جناب نے پیش کی تھیں قیامت کے روز وغیرہ کے بارے میں ان کے حق میں خوب گوش گزاری ہوئی - جناب نے کوئی جواب نہ فرمایا -

آٹھواں - جناب قرآن سے کئی حوالجات دیتے ہیں اور ان عاجزوں کے لیئے وہ فضول ہیں کیونکہ ہم اس کو کتاب مستند نہیں سمجھتے -

نہم - مرقس کی ۱۶ پر جناب نے بہت کچھ تقریر فرمائی اور معجزوں کے حق میں ہمیں قائل کرنا چاہا -

لہٰذا اس کا بھی جواب ہوا اور خوب ہی ہوا - جناب نے کیا جواب دیا ہیچ -

دسّی - نجات اور ذاتی الہام بے محل اور خلاف شرطوں کے تھا اس لیئے ہم نے اس کا بہت غور نہیں کیا -

گیارہ - جناب کا صاحب کرامات ہونے کا دعوے نہایت ہی واضح طور پر غلط ثابت کیا گیا - جناب الزامی جواب دیکر پہلو تہی کر گئے - یہ ہفتہ گزشتہ کی کارروایاں ہیں - فرمائیے ہماری کون سی دلیل توڑی گئی - ہاں یک شوشہ یک نقطہ بھر اس میں فرق آیا؟ جناب تو اپنی تاویلوں میں لگے رہے اور ہماری باتوں پر آپ نے توجہ نفرمائی - اب پھر اس مباحثہ کے پہلے حصہ کا آخری وقت ہے - میں خدا کا واسطہ دیکے عرض کرتا ہوں - بموجب کلام الٰہی خدا جو اگلے زمانوں میں نبیوں کے وسیلہ بولا بالآخر اپنے بیٹے کے وسیلہ سے دین آسمانی اور راہ نجات اور گناہوں کی بخشش ہمیں عنایت کر چکا ہے - اور ہر ایک کو چاہیئے کہ تعصب کو دور کرکے خدا کی رضامندی کو اپنا شامل کرے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک المسیح ابن وحید اللہ تعالےٰ کا ہے اور کلمہ مجسمہ اللہ کا

ہے اور آخری دن کُل آدمیوں کا انصاف کرنے والا بھی ہوگا۔

مباہلہ کے حق میں مختصر عرض ہے کہ لعنت دینا یا چاہنا ہمارے خدا کی تعلیم نہیں وہ اپنی کسی مخلوق سے عداوت نہیں رکھتا اور مینھ اور روشنی اپنے راستوں و ناراستوں کو برابر بخشتا ہے۔ جس مذہب میں لعنتیں جائز ہوں اُن کے پیرؤں کو اختیار ہے مانیں اور مانگیں۔ لیکن ہم شاہ سلامتی کے فرزند ہیں اور جیسا ہم اپنے لیئے دعائے خیر اور رحمت اور بخشش کے طالب ہیں ویسا ہی بعوض لعنت کے ہم آپ صاحبوں کے لیئے بھی خواہان برکت کے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنی بیحد رحمت سے صراط مستقیم آپکو عطا کرے اپنے امن اور ایمان میں لاوے تاکہ جب اس جہان فانی سے ملک جاودانی کو آپ گزر کریں تو عاقبت بخیر ہووے۔ ایک آخری عرض ہے جناب مرزا صاحب آپ حد سے قدم بڑھا کر چڑھ آئے ہیں۔ گستاخی معاف میں دل کی صفائی سے کہتا ہوں اور بروئے الہام نہ معلوم از کجا یافتہ آپ فرماتے تھے کہ اس جنگ میں مجھے فتح ہے ضروری فتح ہی جناب امتیاز کر سکتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا فتح کامل کی ہے یا معاملہ دیگر کی اور یہ جناب کی غلطی ہے فتح اور شکست کا لحاظ ہرگز نہیں چاہیئے برعکس اس کے یہ کہ ہاں شکست ہو تو ہو۔ لیکن یا اللہ تیری راستی ظاہر کیجائے افسوس جناب میں وہ مزاج دیکھی نہ گئی۔ صاحب من عیسوی دین انیس سو ۱۹۰۰ برس سے جہان میں ہے اور ایک ایسا سندان ہے کہ اس پر بہت ہی مار تول گھس چکے ہیں اور اخیر تک گھستے رہیں گے کیا اُنیس سو برس کی بات یہاں اور انھیں دنوں میں پلٹنے والی تھی جو لوگ دین مسیح کے مخالف ہیں اُن کو دیکھکر مجھے ایک قصہ یونانی یاد آتا ہے ایک سانپ کسی لوہار کے گھر میں جا گھسا زمین پر ریتی پڑی تھی زہر بھرا ہوا سانپ اُس کے کاٹنے لگا ریتی نے کہا کاٹ لے جہاں تک تیری مرضی ہے تیرے ہی دانت گھستے ہیں۔

صاحب من کوششیں تو آپ نے سب کیں پر دلیل عقلی کا مقابلہ نہ نقلی کا جواب بن پڑا اور جس الہام و کرامت پر آپکو ناز تھا وہ بھی خام اور لاحاصل ٹھہرایا گیا۔ کوششیں بہت لیکن مباحثہ کے اس حصہ کا نتیجہ معلوم اور ہر ایک منصف مزاج پر ظاہر۔ مرزائے من آپ تو بلند آواز سے فتح پکارتے رہے لیکن یہ فتح کسی اور پژمردہ شگفتہ نہ ہوئی۔ جناب من اس جنگ میں اور ہر جنگ میں امروز تا ابد شان و شوکت حشمت و جلال قدرت اختیار اور فتح المسیح تا ابد خدائے مبارک کی ہے۔ آمین ثم

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
احسان اللہ قائممقام ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
(پریزیڈنٹ) از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

دوسرا حصہ

روئداد جلسہ

۳۰- مئی ۱۸۹۳ء

آج پھر جلسہ منعقد ہوا- ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب آج اپنے اصلی عہدہ میر مجلسی پر واپس آ گئے اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے مباحثہ شروع کیا- ۶ بجے ۹ منٹ پر مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۲۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سنایا گیا مرزا صاحب نے ۶ بجے ۲۷ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۲۷ منٹ پر تمام کیا- مرزا صاحب کے جواب لکھانے کے عرصہ میں میر مجلس عیسائی صاحبان نے بدون میر مجلس اہل اسلام کے ساتھ اتفاق کرنے کے انہیں روکنے کی کوشش کی اور اپنے کاتبوں کو حکم دیا کہ وہ مضمون لکھنا بند کر دیں مگر میر مجلس اہل اسلام کی اجازت سے مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور اُن کے کاتب لکھتے رہے- میر مجلس عیسائی صاحبان کی یہ غرض تھی کہ مرزا صاحب مضمون کو بند کریں- اور میر مجلس عیسائی صاحبان ایک تحریک پیش کریں کیونکہ اُن کی رائے میں مرزا صاحب خلاف شرط مضمون لکھاتے رہے تھے لیکن جب اُن کی رائے میں مرزا صاحب شرط کے موافق مضمون لکھانے لگے تو انہوں نے اپنے کاتبوں کو مضمون لکھنے کا حکم دیدیا میر مجلس صاحب اہل اسلام کی یہ رائے تھی کہ جب تک مرزا صاحب مضمون ختم نہ کر لیں کوئی امر انہیں روکنے کی غرض سے پیش نہ کیا جائے کیونکہ اُن کی رائے میں کوئی امر مرزا صاحب سے خلاف شرائط ظہور میں نہیں آرہا تھا- چنانچہ مرزا صاحب برابر مضمون لکھاتے رہے اور اپنے وقت کے پورے ہونے پر ختم کیا اور مقابلہ کے وقت عیسائی کاتبوں نے اُس حصہ مضمون کو جو وہ اپنے میر مجلس کے حکم کے بموجب چھوڑ گئے تھے بموجب ارشاد اپنے میر مجلس کے پھر لکھ لیا- اب یہ امر پیش ہوا کہ مرزا صاحب نے جو جواب لکھایا ہے اُس کے متعلق میر مجلس عیسائی صاحبان اور عیسائی جماعت کی یہ رائے ہے کہ وہ خلاف شرائط ہے کیونکہ اولاً اس ہفتہ میں وقت ہے کہ مسیحی اہل اسلام سے

دین محمدی کے حق میں سوال کریں اور نہ یہ کہ محمدی صاحب مسیحوں سے دین عیسوی کے حق میں جواب طلب کریں۔ ثانیاً فی الحال عبداللہ آتھم صاحب کی طرف سے سوال مسئلہ رحم بلا مبادلہ درپیش ہے اور مرزا صاحب جواب طلب کرتے ہیں دربارہ الوہیت مسیح کے۔ میر مجلس صاحب اسلام کی یہ رائے تھی کہ خلاف شرائط ہرگز نہیں ہے بلکہ عین مطابق شرائط ہے اور ساتھ ہی مرزا صاحب نے بیان فرمایا کہ جواب ہرگز خلاف شرائط نہیں کیونکہ سوال رحم بلا مبادلہ کی بنا الوہیت مسیح ہے اور ہم مسئلہ رحم بلا مبادلہ کا پورا رد اس حالت میں کرسکتے ہیں کہ جب پہلے اس بنا کا استیصال کیا جاوے بنا کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بے تعلق ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ رحم بلا مبادلہ بنائے فاسد بر فاسد ہے عیسائی جماعت تو مرزا صاحب کے مضمون کو خلاف شرائط قرار دینے پر زور دیتی رہی اور اسلامیہ جماعت اس مضمون کو مطابق شرائط قرار دیتی رہی۔ پادری عماد الدین صاحب کی یہ رائے تھی اور انہوں نے کھڑے ہوکر صاف لفظوں میں کہدیا کہ میر مجلسوں کا منصب نہیں کہ مباحثین کو جواب دینے سے روکیں مگر میر مجلس عیسائی صاحبان کے سوال کرنے پر انہوں نے بھی یہی کہا کہ مضمون مرزا صاحب کا خلاف شرط ہے اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے بھی کہا کہ کسی قدر خلاف شرط تو ہے تاہم درگذر کرنا چاہیئے۔ میر مجلس اہل اسلام نے کہا یہ مضمون ہرگز خلاف شرط نہیں اس لیئے ہم آپ کا درگزر نہیں چاہتے۔ ایک عرصہ تک اس امر پر تنازعہ ہوتا رہا۔ اسی عرصہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے کہا کہ اگر میرے چیئرمین صاحب مجھے مرزا صاحب کے لفظ لفظ کا جواب دینے دینگے تو میں دوں گا ورنہ میں نہیں دیتا۔ مگر میر مجلس صاحب اہل اسلام نے ڈپٹی صاحب کو کہا کہ آپ کو جواب لکھنے کے لیئے میر مجلسوں سے ہدایت لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں جواب دیں لیکن میر مجلس عیسائی صاحبان نے ڈپٹی صاحب کو روکا اور کہا میں اجازت نہیں دیتا۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں میر مجلسی سے استعفا دیدوں گا کیونکہ یہ خلاف شرط ہے پھر تھوڑی دیر کے لیئے تنازعہ ہوتا رہا اور آخر کار یہ قرار پایا کہ آیندہ کے لیئے مباحثین میں سے کسی کو جواب دینے سے روکا نہ جائے انہیں اختیار ہے کہ جیسا چاہیں جواب دیں بعد ازاں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۸ بجے ۵۳ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ۵۰ منٹ پر ختم کیا اور مقابلہ کرکے بلند آواز سے سنایا گیا۔ بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط کیئے گئے اور چونکہ مرزا صاحب کے جواب کے لیئے پورا وقت باقی نہ تھا۔ اس لیئے جلسہ برخاست ہوا۔ فقط

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

سوال ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳۰- مئی ۱۸۹۳ء

میرا پہلا سوال رحم بلا مبادلہ پر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رحم ہو اور تقاضا عدل کا لحاظ نہ ہو اس کے لیئے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا صفات عدل و صداقت کی غیر متقید الظہور بھی ہو سکتی ہیں یعنی ان پر قید نہیں کہ وہ ظہور نکریں جیسا کہ عدل ہوا یا نہ ہوا۔ صداقت ہوئی یا نہ ہوئی۔ اعتراض اس میں یہ ہے کہ اگر ایسا ہووے تو محافظ قدوسی آلہی کا کون ہو سکتا ہے اور رحم اور خوبی مقید الظہور بھی کیا ہو سکتے ہیں اور اس میں اعتراض یہ ہے کہ اگر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ قرضہ دادنی کی صورت نہ پکڑینگے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہر چہ گناہ جب تک باقی رہے تو صورت رہائی گنہگار کی کونسی ہے اب جبکہ قرآن میں تین راہ نجات رکھے ہیں یعنی ایک یہ کہ گناہ کبائیر سے اگر بچو گے تو صغایر رحم سے معاف ہو جائینگے۔ دوسرے یہ کہ اگر وزن افعال شنیعہ کا اعمال حسنہ پر نہ بڑھے گا تو رحم کے مستحق ہو جاؤ گے۔

تیسرے یہ کہ رحم کے مقابلہ میں عدل اپنے تقاضا سے دست بردار ہو جاتا ہے یعنی رحم غالب آتا ہے عدل کے اوپر۔ دو صورتیں اولین میں یہ اصول ڈالا گیا ہے کہ ادائے جز کا واسطے کُل کے حاوی ہے۔ تیسرے اصول میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عدل تقید الظہور نہیں بلکہ رحم مقید الظہور ہے۔ ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے بداہت کے برخلاف کچھ اس میں بیان ہے یا نہیں کیونکہ مبادلہ عدل کا کچھ نہ ہوا اور یہ رحم بلا مبادلہ ہے جس نے دو صفات آلہی کو ناقص کر دیا یعنی عدالت اور صداقت کو۔ اس کے جواب کا انتظار ہم جناب کی طرف سے کرتے ہیں اور یہ جواب اس کا ہونا چاہیئے کہ یہ دونوں اصول صداقتیں بالبداہت ہیں یا نہیں۔ و یا کہ صداقتیں ہیں یا نہیں لیکن ہر چہ ادا ہو جاتا ہے اور صفات وہ قائم رہتی ہیں اور میرا عرض کرنا اس بارہ میں اور کچھ ضرور نہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جیسے میرے یہ مختصر سوال ہیں ویسا ہی مختصر جواب ہو جانا چاہیئے۔

دستخط
بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان

دستخط
بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

۳۰ مئی ۱۸۹۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈپٹی صاحب نے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا ہے حقیقت میں اُس کی بنیاد حضرت مسیح کی الوہیت ماننے پر رکھی گئی ہے اس لیئے صفائی بیان کے لیئے بہت ضروری ہے کہ پہلے برعایت اختصار اس کا کچھ ذکر کیا جائے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح کی الوہیت ثابت ہو جائے تو پھر اس لمبے جھگڑے کی کچھ ضرورت نہیں اور اگر دلائل قطعیہ سے صرف انسان ہونا اُن کا ثابت ہو اور الوہیت کا بطلان ہو تو پھر جب تک ڈپٹی صاحب موصوف الوہیت کو ثابت نکریں تب تک داب مناظرہ سے بعید ہوگا کہ اور طرف رُخ کر سکیں ڈپٹی صاحب موصوف اپنے بیانات سابقہ میں حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے لیئے فرماتے ہیں کہ اور انسانوں کی تو ایک روح ہوتی ہے مگر حضرت مسیح کی دو رُوحیں تھیں۔ ایک انسان کی اور ایک خدا تعالےٰ کی اور گویا حضرت مسیح کے جسم کی دو روحیں مدبر تھیں مگر یہ امر سمجھ میں نہیں آ سکتا ایک جسم کے متعلق دو روحیں کیونکر ہو سکتی ہیں اور اگر صرف خدا تعالےٰ کی روح تھی تو پھر حضرت مسیح انسان بلکہ انسان کامل کن معنوں سے کہلا سکتے ہیں کیا صرف جسم کے لحاظ سے انسان کہلاتے ہیں۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ جسم تو معرض تحلل میں ہے چند سال میں اور ہی جسم ہو جاتا ہے اور کوئی دانشمند جسم کے لحاظ سے کسی کو انسان نہیں کہہ سکتا جب تک روح انسانی اُس میں داخل نہ ہو پھر اگر حضرت مسیح درحقیقت روح انسانی رکھتے تھے اور وُہی روح مدبر جسم تھی اور وُہی روح مصلوب ہونے کے وقت بھی مصلوبی کے وقت نکلی اور ایلی ایلی کہکر حضرت مسیح نے جان دی تو پھر روح خدائی کس حساب اور شمار میں آئی یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ اگر درحقیقت روح کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح انسان تھے تو پھر خدا نہ ہوئے اور اگر روح کے لحاظ سے خدا تھے تو پھر انسان نہ ہوئے ماسوا اس کے حضرات عیسائی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے کہ باپ بھی کامل اور بیٹا بھی کامل روح القدس بھی کامل اب جب تینوں کامل ہوئے تو ان تینوں کے ملنے سے اکمل ہونا چاہیئے کیونکہ مثلاً جیسے تین چیزیں تین تین سیر فرض کیجائیں تو وہ سب ملکر ۹ سیر ہوں گی۔ اس اعتراض کا جواب ڈپٹی صاحب سے

پہلے بھی مانگا گیا تھا مگر افسوس کہ ابتک نہیں ملا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سخت اعتراض ہے جس سے قطعی طور پر حضرت مسیح کی الوہیت کا بطلان ہوتا ہے - انہی اعتراضات کو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور اسی بنا پر میں نے یہ شرط کی تھی کہ حضرت مسیح کی الوہیت پر کوئی عقلی دلیل پیش ہونی چاہیئے مگر افسوس کہ اس شرط کا کچھ بھی لحاظ نہ ہوا اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ نے جس قدر پیش گوئیاں حضرت مسیح کی الوہیت ثابت کرنے کے لیئے پیش کی ہیں وہ دعاوی ہیں دلائل نہیں ہیں - اول تو ایک نامعقول امر جب تک معقول کر کے نہ دکھلایا جاوے منقولی حوالجات سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا - مثلاً ایک گدھا جو ہماری نظر کے سامنے کھڑا ہے اگر ہزار کتاب پیش کیجائے کہ اُنہوں نے اُس کو انسان لکھدیا ہے تو وہ کیونکر انسان بن جائیگا - ماسوا اس کے وہ منقولی حوالجات بھی نرے نکمے ہیں جن کی کتابوں سے لیئے جاتے ہیں وہ ان کو مانتے نہیں اور گھر میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ یہودی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں اُنکی باتوں کو مانو -

افسوس ہے کہ ان کے معنی قبول نہیں کیئے جاتے اور عُذر کیا جاتا ہے کہ یہودی فاسق بدکار ہیں حالانکہ انجیل حُکم دیتی ہے کہ اُن کی باتوں کو اور اُن کے معنوں کو اول درجہ پر رکھو اور ہمیں تحکم کے طور پر کہا جاتا ہے کہ کتابیں موجود ہیں کتابوں کو پڑھو - لیکن انصاف کرنے کا محل ہے کہ ہر ایک صداقت کو ہر ایک پہلو سے دیکھا جاتا ہے - ہم یہودیوں کے اقوال کو بھی دیکھینگے آپ کے اندرونی اختلافات پر بھی نظر ڈالینگے - اور اگر آپ کا یہ شوق ہے کہ کتابیں دیکھی جاویں وہ بھی دیکھی جاوینگی مگر اس صورت میں کہ یہودیوں کے معنی بھی جو وہ کرتے ہیں سُنے جائیں اور آپکے معنی بھی سُنے جائیں اور اُن کی لغات بھی دیکھی جائیں اور آپ کی لغات بھی دیکھی جائیں پھر جو اولےٰ وانسب ہے اُس کو اختیار کیا جائے اور یہودیوں سے مراد وُہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح سے پہلے صدہا برس گزر چکے ہیں - غرض ہر ایک پہلو کو دیکھنا طالب حق کا منصب ہوتا ہے نہ کہ ایک پہلو کو - اور ماسوا اس کے رحم بلا مبادلہ کا جو سوال کیا جاتا ہے اُس کا ایک پہلو تو ابھی میں بیان کر چکا ہوں - اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کے قانون قدرت کو دیکھا جائیگا کہ آیا رحم اور قہر کے نفاذ میں اُس کی عادات کیونکر ظاہر ہے کہ رحم کے مقابل پر قہر ہے - اگر رحم بلا مبادلہ جائز نہیں تو پھر قہر بلا مبادلہ بھی جائز نہ ہوگا - اب ایک نہایت مشکل اعتراض پیش آتا ہے اگر ڈپٹی صاحب اس کو حل کر دیں گے تو ڈپٹی صاحب کی اس فلاسفی سے حاضرین کو بہت فائدہ ہوگا اور قہر بلا مبادلہ کی صورت یہ ہے کہ ہم اُسے دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہزار ہا کیڑے مکوڑے اور ہزار ہا حیوانات بغیر کسی جُرم اور بغیر ثبوت کسی خطا کے قتل کیئے جاتے ہیں ہلاک کیئے جاتے ہیں ذبح کیئے جاتے

ہیں یہاں تک کہ ایک قطرہ پانی میں صدہا کیڑے ہم پی جاتے ہیں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو ہمارے تمام امور معاشرت خدا تعالے کے قہر بلا مبادلہ پر چل رہے ہیں یہاں تک کہ جو ریشم کے کیڑے بھی انسان استعمال کرتا ہے اس میں اندازہ کر لینا چاہیئے کہ کس قدر جانیں تلف ہوتی ہیں۔ اور حضرات عیسائی صاحبان جو ہر روز اچھے اچھے جانوروں کا عمدہ گوشت تناول فرماتے ہیں ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کس گناہ کے عوض میں ہو رہا ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ اللہ جل شانہٗ بلا مبادلہ قہر کرتا ہے اور اُس کا کچھ عوض ملتا ہمیں معلوم نہیں ہوتا تو پھر اس صورت میں بلا مبادلہ رحم کرنا اخلاقی حالت سے انسب اور اولےٰ ہے۔ حضرت مسیح بھی گناہ بخشنے کے لیئے وصیت فرماتے ہیں کہ تم اپنے گناہگار کی خطا بخشو۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی صفات کے برخلاف ہے کہ کسی کا گناہ بخشا جائے تو انسان کو ایسی تعلیم کیوں ملتی ہے بلکہ حضرت مسیح تو فرماتے ہیں کہ میں تجھے سات مرتبہ تک نہیں کہتا بلکہ ستر کے سات مرتبہ تک یعنی اس اندازہ تک کے گناہوں کو بخشتا چلا جا۔

اب دیکھیئے کہ جب انسان کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ گویا تو بے انتہا مراتب تک اپنے گنہگاروں کو بلا عوض بخشتا چلا جا اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ بلا عوض ہرگز نہ بخشوں گا۔ تو پھر یہ تعلیم کیسی ہوئی حضرت مسیح نے تو ایک جگہ فرما دیا ہے کہ تم خدا تعالےٰ کے اخلاق کے موافق اپنے اخلاق کرو کیونکہ وہ بدوں اور نیکوں پر اپنا سورج چاند چڑھاتا ہے اور ہر ایک خطاکار اور بے خطا کو اپنی رحمتوں کی بارشوں سے متمتع کرتا ہے۔ پھر جبکہ یہ حال ہے تو کیونکر ممکن تھا کہ حضرت مسیح ایسی تعلیم فرماتے جو اخلاق الٰہی کے مخالف ٹھہرتی ہے یعنی اگر خدا تعالےٰ کا یہی خلق ہے کہ جب تک سزا نہ دیجائے کوئی صورت رہائی کی نہیں تو پھر معافی کے لیئے دوسروں کو کیوں نصیحت کرتا ہے۔ ماسوا اس کے جب ہم نظر غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ نیکوں کی شفاعت سے بدوں کے گناہ بخشے گئے ہیں دیکھو گنتی باب $\frac{14}{19}$ ایسا ہی گنتی $\frac{12}{13}$ استثنا $\frac{9}{19}$ خروج باب $\frac{8}{9}$ پھر ماسوا اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو گناہ کی تقسیم کی ہے وہ تین قسم معلوم ہوتی ہے فطرتی حق اللہ۔ حق العباد۔ تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حق العباد کے تلف ہونے کا کیا سبب ہو سکتا ہے اور نیز یہ بھی آپ کو دیکھنا چاہیئے کہ فطرتی گناہ آپ کے اس قاعدہ کو توڑ رہا ہے۔ آپکی توریت کی رُو سے بہت سے مقامات ایسے ثابت ہوتے ہیں جس سے آپ کا مسئلہ رحم بلا مبادلہ باطل ٹھہرتا ہے۔ پھر اگر آپ توریت کو حق اور منجانب اللہ مانتے ہیں تو حضرت موسےٰ کی وہ شفاعتیں جن کے ذریعہ سے بہت مرتبہ بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ بخشے گئے نکمّی اور بیکار ٹھہرتی ہیں اور آپ کو معلوم رہے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ میں وہ انسب طریق اختیار کیا ہے

جوکسی کا اسپر اعتراض نہیں ہو سکتا یعنی حقوق دو قسم کے ٹھہرا دیئے ہیں۔ ایک حق اللہ اور ایک حق العباد۔ حق العباد میں یہ شرائط لازمی ٹھہرائی گئی ہے کہ جب تک مظلوم اپنے حق کو نہیں پاتا یا حق کو نہیں چھوڑتا اُس وقت تک وہ حق قائم رہتا ہے اور حق اللہ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس طرح پر کسی نے شوخی اور بیباکی کر کے معصیت کا طریق اختیار کیا ہے اسی طرح جب وہ پھر توبہ واستغفار کرتا ہے اور اپنے سچے خلوص کے ساتھ فرماں برداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک طور کا درد اور دُکھ اُٹھانے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے تو خدا تعالےٰ اُس کے گناہ کو اُس کے اُس اخلاص کی وجہ سے بخش دیتا ہے کہ جیسا کہ اُس نے نفسانی لذات کے حاصل کرنے کے لیئے گناہ کی طرف قدم اُٹھایا تھا۔ اب ایسا ہی اُس نے گناہ کے ترک کرنے میں طرح طرح کے دُکھوں کو اپنے سر پر لے لیا ہے۔ پس یہ صورت معاوضہ ہے جو اُس نے اپنے پر اطاعتِ الٰہی میں دُکھوں کو قبول کر لیا ہے اور اُس کو ہم رحم بلا مبادلہ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ کیا انسان نے کچھ بھی کام نہیں کیا یوں ہی رحم ہو گیا اُس نے تو سچی توبہ سے ایک کامل قربانی کو ادا کر دیا ہے اور ہر طرح کے دُکھوں کو یہاں تک کہ مرنے کو بھی اپنے نفس پر گوارا کر لیا ہے اور جو سزا دوسرے طور پر اُس کو ملنی تھی وہ سزا اُس نے آپ ہی اپنے نفس پر وارد کر لی ہے تو پھر اُس کو رحم بلا مبادلہ کہنا اگر سخت غلطی نہیں تو اَور کیا ہے۔ مگر وہ رحم بلا مبادلہ جس کو ڈپٹی صاحب پیش کرتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی پاوے۔ خرقیل باب ۱۸۔ آیت ۱۔ پھر خرقیل $\frac{18}{20}$ پھر سموئیل $\frac{\text{۲}}{\text{۲۴}}$ مکاشفات $\frac{20}{12}$ خرقیل $\frac{19}{27-30}$ یہ تو ایک نہایت مکروہ ظلم کی قسم ہے۔ اِس سے بڑھکر دنیا میں اَور کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے کیا خدا تعالےٰ کو یہ طریق معافی گناہوں کا صد ہا برس سوچ سوچ کر پیچھے سے یاد آیا۔ ظاہر ہے کہ انتظام الٰہی جو انسان کی فطرت سے متعلق ہے وہ پہلے ہی ہونا چاہیئے۔ جب سے انسان دنیا میں آیا گناہ کی بنیاد اُسی وقت سے پڑی۔ پھر یہ کیا ہو گیا کہ گناہ تو اُسی وقت زہر پھیلانے لگا مگر خدا تعالےٰ کو چار ہزار برس گزرنے کے بعد گناہ کا علاج یاد آیا۔ نہیں صاحب یہ سراسر بناوٹ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جیسے ابتدا سے انسان کی فطرت میں ایک ملکہ گناہ کرنے کا رکھا ایسا ہی گناہ کا علاج بھی اِسی طرز سے اُس کی فطرت میں رکھا گیا ہے جیسے کہ وہ خود فرماتا ہے بلیٰ من اسلم

وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (پ ۱۔ ر ۱۲)

یعنی جو شخص اپنے تمام وجود کو خدا تعالےٰ کی راہ میں سونپ دیوے اور پھر اپنے تئیں نیک کاموں میں لگا دیوے تو اُس کو اُن کا اجر اللہ تعالےٰ سے ملیگا اور ایسے لوگ بیخوف اور بےغم ہیں۔ اب دیکھیئے کہ یہ قاعدہ کہ توبہ کر کے خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرنا اور اپنی زندگی کو

اُس کی راہ میں وقف کر دینا یہ گناہ کے بخشے جانے کے لیئے ایک ایسا صراط مستقیم ہے کہ کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں جب سے انسان اس مسافر خانہ میں آیا تب سے اس قانون کو اپنے ساتھ لایا جیسے اُس کی فطرت میں ایک شق یہ موجود ہے کہ گناہ کی طرف رغبت کرتا ہے ایسا ہی یہ دوسرا شق بھی موجود ہے کہ گناہ سے نادم ہو کر اپنے اللہ کی راہ میں مرنے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے زہر بھی اسی میں ہے اور تریاق بھی اسی میں ہے۔ یہ نہیں کہ زہر اندر سے نکلے اور تریاق جنگلوں میں تلاش کرتے پھریں۔ ماسوا اس کے مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ سچ ہے کہ حضرت مسیح کے کفارہ پر ایمان لا کر کوئی شخص خاص طور کی تبدیلی پا لیتا ہے تو اُس کا کیوں ثبوت نہیں دیا گیا۔ میں نے بارہا اس بات کو پیش کیا اور اب بھی کرتا ہوں کہ وہ خاص تبدیلی اور وہ خاص پاکیزگی اور وہ خاص نجات اور وہ خاص ایمان اور وہ خاص لقاء الٰہی صرف اسلام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ایمان داری کی علامات اس کے اسلام لانے کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر یہ کفارہ صحیح ہے اور کفارہ کے ذریعہ سے آپ صاحبان کو نجات مل گئی ہے اور حقیقی ایمان حاصل ہو گیا ہے تو پھر اس حقیقی ایمان کی علامات جو حضرت مسیح آپ لکھ گئے ہیں کیوں آپ لوگوں میں پائی نہیں جاتیں۔ اور یہ کہنا کہ وہ آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں ایک فضول بات ہے۔ اگر آپ ایمان دار کہلاتے ہیں تو ایمانداروں کی علامات جو آپ کے لیئے مقرر کی گئی ہیں آپ لوگوں میں ضرور پائی جانی چاہئیں۔ کیونکہ حضرت مسیح کا فرمودہ باطل نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ غور سے دیکھیں کہ وہ علامات دین اسلام میں ایسے نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں کہ آپ اُن کے مقابلہ پر دم بھی تو نہیں مار سکتے میں نے انہیں کے لیئے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ اگر بالمقابل کھڑے نہیں ہو سکتے تو ان علامتوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے لحاظ سے پرکھو اور آزماؤ پھر اگر وہ واقعی سچی نکلیں تو راست بازوں کی طرح اُن کو قبول کر لو۔ مگر آپ نے بجز ہنسی اور ٹھٹھہ کے اور کیا جواب دیا۔ تین لولے لنگڑے وغیرہ میرے سامنے کھڑے کر دیئے کہ اُن کو چنگے کرو۔ حالانکہ اُن کا چنگا کرنا عیسائی ایمان کی علامتوں میں سے ہے۔ ہمارے لیئے تو وہ علامتیں ہیں جو قرآن شریف میں آ چکی ہیں اور ہمیں کہیں نہیں کہا گیا کہ تم اپنے اقتدار سے علامتیں دکھا سکتے ہو بلکہ یہی کہا گیا کہ خدا تعالےٰ سے درخواست کرو پھر جس طرح کا نشان چاہے گا دکھلائیگا تو کیا آپ کی یہ بے انصافی نہیں کہ آپ نے مجھ سے وہ مطالبہ کیا جو آپ سے ہونا چاہیئے تھا اور پھر اس کا نام فتح رکھ لیا۔ میں تو اب بھی حاضر ہوں اُن شرائط کے مطابق جو ہماری کتاب ہم پر فرض کرتی ہے اور نیز آپ اُن شرائط کے مطابق جو آپ کی کتاب آپ پر فرض کرتی ہے میرے سے نشانوں میں مقابلہ کیجیئے پھر حق اور باطل خود بخود کھل جائیگا پر ہنسی اور ٹھٹھا کرنا راست بازوں کا کام نہیں ہوتا ہے میرے پر اسی قدر فرض ہے جو قرآن کریم

میرے پر فرض کرتا ہے اور آپ پر وہ فرض ہے جو انجیل آپ پر فرض کرتی ہے رائی کے دانہ کا مقولہ آپ بار بار پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کرلیں اور یہ رحم بلا مبادلہ کا سوال جو مجھ سے کیا گیا ہے اس کے جواب کا اور بھی حصہ باقی ہے جو پھر میں آپ کے جواب پانے کے بعد بیان کرونگا مگر آپ پر لازم ہے کہ اول اس سوال کو انجیل سے بموجب شرط قرار یافتہ کے ثابت کرکے مدلل طور پر پیش کریں کیونکہ جو بات انجیل میں نہیں وہ آپکی طرف سے پیش ہونے کے لائق نہیں۔ میرے خیال میں اس سوال کے رد کرنے کے لیئے انجیل ہی کافی ہے اور حضرت مسیح کے اقوال اُس کے استیصال کے لیئے کفائت کرتے ہیں۔ آپ براہ مہربانی اس التزام سے جواب الجواب دیں کہ لکھنے کے وقت انجیل کا حوالہ ساتھ ہو تاکہ ناظرین کو پتہ لگے کہ انجیل کیا کہتی ہے اور اس سوال کا ذریعہ انجیل بنتی ہے یا دست بردار ہے۔

دستخط
بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام

دستخط
بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان

از طرف ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

۳۰۔ مئی ۱۸۹۳ء

میں آپ کے طرز جواب پر کچھ اعتراض کرتا ہوں:۔

یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ رحم بلا مبادلہ کا مقدمہ سراسر ثبوت الوہیت مسیح کے اوپر مدار رکھتا ہے جس کو تم نے ثابت نہیں کیا۔ میری طرف سے عرض ہے کیا ثبوت آپ چاہتے ہیں کہ طلب فرماتے ہیں میں تو عرض کر چکا ہوں کہ ہم تو اس مسیح کو جو مخلوق اور مرئی ہے اللہ نہیں کہتے مگر مظہر اللہ کہتے ہیں اور اس بارہ میں دو امر کا ثبوت چاہیئے یعنی ایک امکان کا دوسرا وقوعہ کا اور کہ امکان ہم ولائل عقلی سے ثابت کرتے ہیں اور وقوعہ اس کا کلام الٰہی سے۔ پھر اور کیا آپ چاہتے ہیں وہ ہمپر ظاہر ہونا چاہیئے امکان پر ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ کیا خدا قادر نہیں کہ اس ستون میں سے جو مٹی و اینٹوں کا بنا ہے جواب دیوے۔ کیا چیز مانع اس کے ایسے کرنے کا اس میں ہو سکتی ہے

یعنے کون صفت الٰہی اس میں کٹتی ہے۔ اس کا دکھلانا جناب کے ذمہ تھا جواب تک ادا نہیں ہوا
جیسا میں نے ستون کی مثال دی۔ ویسا ہی مخلوق میں سے بھی ظہور اس کا ہونا ممکن ہے۔ اور
وہ جو بابت وتوجہ کے ہے اس کے واسطے ہم نے کلام کی آیات دی ہیں اگر آپ کو اس کتاب
سے انکار ہے کہ یہ الہامی نہیں تو یہ دیگر بات ہے اور اگر ہم نے صحیح حوالہ نہیں دیا تو اس کا مواخذہ
ہم سے فرمایئے مگر کلام کو بھی تسلیم کرنا کہ یہ الہامی ہے۔ اور حوالوں کو صرف اتنا ہی فرماکر گرا دینا کہ کچھ
نہیں یہ درست نہیں۔

دوم ۔ وہ جو جناب نے استفسار کیا ہے کہ وجود مسیح میں آیا دو روحیں تھیں یا ایک اور
ایک وجود میں دو روحیں کس طرح سے رہتی ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مخلوق کامل مسیح میں ایک روح کامل تھی۔ لیکن خدا تعالےٰ اپنی ہستی
سے بجہت اس کے بیحد ہے ہر جگہ اندر و باہر موجود ہے اور مظہر اللہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اپنا
ظہور خاص کسی جگہ سے کسی طرح سے کرے تو اس میں دوسری روح کے مقید ہونے کی جسم مسیح میں
کونسی ایما ہے اور خالی خدا سے ہونے پر کون سی ایما ہے۔ یہ تو معقولی مسئلہ ہے محتاج کتاب کا نہیں
اس میں آپ کس لیئے اٹکتے ہیں۔

سوم ۔ وہ جو جناب لطیف ضدی کے بارہ میں کشش وزن کی فرماتے ہیں تو اس کشش
سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو جناب کثیف ٹھہراتے ہیں اور ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالےٰ کی
ذات کثیف ہے لہذا اس میں وزن کیونکر ہو۔ کیونکہ وزن نام کشش کا ہے اور کشش متعلق کثافت
کے ہے۔ آپ ہمارے مسئلہ کثرت فی الوحدت کو سمجھے نہیں کیونکہ ہم ماہیت کو تقسیم نہیں کرتے
گو اقانیم کو مخالف یکدیگر بھی نہیں کرتے۔ مثال ہماری کثرت فی الوحدت کی یہ ہے کہ جیسے صفت
نظیری کی بیحدی سے نکلتی ہے اور نکلنا اس کا زمان و مکان کا کچھ فرق نہیں کرتا۔ بلکہ ایک
صورت میں وہ ہر دو ایک ہی رہتے ہیں اور دوسری صورت میں بہت ہوتی ایسا ہی تین اقانیم میں
اقنوم اولےٰ قایم فی نفسہ ہے۔ اور دو اقانیم مابعد کے اس ایک کے لازم و ملزم ہیں آپ
تین اقانیم کا وزن تین جگہ کس طرح تقسیم فرماتے ہیں لطیف ضدی کے ساتھ وزن کا علاقہ
کیا ہے لطیف ضدی ہم اس کو کہتے ہیں جو عین ضد کثافت پر ہو۔ اس کو جو نسبت ایک کی
دوسرا لطیف ہو۔ جیسے مٹی کی نسبت پانی اور پانی کی نسبت ہوا اور ہوا کی نسبت آگ یہ سارے
لطیف نسبتی ہیں اور فی الواقع کثیف ہی رہتے ہیں۔

کلام الٰہی کے بیان کو آپ صرف دعوے فرماتے ہیں اور اس کے ثبوت کے واسطے
دلیل اور طلب کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد آپکی معلوم ہوتی ہے کہ آپ بابت عقیدہ کلام الٰہی

کے یا تو متذبذب ہیں یا مطلقاً یقین نہیں رکھتے۔ یہ امر طے ہو لے تو ہم اس کا بھی جواب دیں گے۔

چہارم ۔ وہ رحم جو بلا مبادلہ کی دلیل پر جناب نے فرمایا ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ جیسا رحم بلا مبادلہ فرماتا ہے ویسا ہی قہر بھی بلا مبادلہ فرماتا ہے۔ چنانچہ وہ جانو معصوم ہو کر مارے جاتے ہیں کوئی کسی کی معیشت کے واسطے اور کوئی اور طرح پر۔ جواب ساری شکایت اس امر میں دُکھ کے اوپر ہے اور دُکھ ہماری نظر میں تین قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جو سزائیہ ہے دوسرا وہ جو مستقل سُکھ کا ہے تیسرا وہ جو سامان امتحان کا ہے۔ تو جب آپ حیوانوں کے دُکھ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں یہ قہر بلا مبادلہ یا بلا وجہ ہے۔ خیال فرمائیے کہ آپ کس قدر غلط ہیں۔ جو تین اقسام کو ایک ایک قسم سزا میں ڈال دیتے ہیں اور ماسوا اس کے جو آپ فرماتے ہیں کہ قہر بھی بلا وجہ ہو سکتا ہے اور رحم بھی بلا وجہ۔ تو خدائے مقدس کی خدائی یہ نہ ہوئی بلکہ دہریت کی اندھیر گردی ہوئی۔

پنجم ۔ خداوند مسیح نے ضرور کہا ہے کہ تم گناہوں کو معاف ہی کرتے رہو جو تمہارے برخلاف کریں اور انتقام نہ لو لیکن کلام انجیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم انتقام نہ لو کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔

اور چونکہ گناہوں کی اقسام گو کتنی ہی بیان ہوں مگر در اصل گناہ صرف خدا کے برخلاف ہوتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو اور ضرورت ہوگی تو میں انتقام لوں گا۔ تو بھی اس میں تعلیم کفارہ کے برخلاف کیا ہوا جس کا گناہ کیا گیا اُسی نے ہر ایک کو منتقم اور جج اس کا نہیں بنایا۔

ششم ۔ دُنیاوی عدالت نہ حقیقی عدالت کا نام ہے بلکہ محض نظامت کا نام۔ کیونکہ ہر جہ کو واپس نہیں لاتی مگر جرائم کو رُو بہ تنزل کرتی ہے۔ اور نہ دنیاوی شفاعت شفاعت کا نام ہے بلکہ ایک مہلت طلبی کا نام ہے کیونکہ خداوند کو اختیار ہے کہ گناہگار کو اس کے گناہوں میں یہاں ہی کاٹ ڈالے لیکن اپنے محبوبوں کی درخواست پر وہ مہلت توبہ کی بخش سکتا ہے جو شفیع منصبی نہیں ہیں ان کا جواب ہم ادا کر چکے ہیں مگر بموجب اذن خدا کے مہلت بخشوانے کی شفاعت ہو سکتی ہے کہ مہلت بخشی جاوے کہ توبہ کر لے۔ فرائض ہمارے نزدیک دو ہی قسم کے اقسام ماتحت میں ہیں لیکن اصل میں ایک ہی قسم ہے جیسا کہ داؤد نبی فرماتا ہے کہ میں نے تیرا ہی گناہ کیا۔ پس حق العباد کا گناہ تو اس میں آ گیا لیکن فطرتی گناہ شاید آپ موروثی گناہ کو فرماتے ہیں لیکن گناہ موروثی کے بارہ میں ہماری غرض یہ ہے کہ آدم کے گناہ میں گرنے کے باعث آدم زاد کا امتحان سخت تر ہو گیا کہ جسم میں تکالیف پیدا ہوئیں اور موت ڈراونی ٹھہر گئی۔ ان معنوں کر کے اس کو آدم کا گناہ کہا جاتا ہے ورنہ جیسا آپ نے حزقیل نبی کا حوالہ دیا وُہی صحیح ہے کہ جو رُوح گناہ کرے گی وُہی مرے گی باپ دادوں کے انگور کھٹے کھائے ہوئے اولاد کے دانت کھٹے نہیں کریں گے۔

ھفتم - جس منصوبہ کو جناب بکروہ فرماتے ہیں کہ گناہ کوئی کرے اور سزا کوئی بھرے اسکا جواب یہ ہے کہ کیا دُنیا میں ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے نہیں ادا کر سکتا ہاں ایک گناہگار دوسرے کے گناہ نہیں اُٹھا سکتا کیونکہ وہ اپنے ہی گناہوں سے فارغ نہیں جیساکہ جو خود قرضدار ہے وہ دوسرے کے قرضہ کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ پس یہ کراہت مسیح کے کفارہ میں کہاں سے آئی جو گناہگار نہ تھا اور ذخیرہ نجات میں غنی جس کو اُس نے اپنے کفارہ سے پیدا کیا تھا۔

ھشتم - خداوند تعالےٰ نے اس نقشہ امتحان میں ہمکو یہ صورت دکھلائی ہے کہ امتحان اعمالی جو ایک ہی خطا پر ختم ہو جاتا تھا اور مہلت توبہ کی نہ دیتا تھا وہ موقوف کیا گیا بوسیلہ کفارہ مسیح کے بجائے اس کے امتحان ایمانی قائم کیا گیا کہ جس میں بہت سی فرصت توبہ کی مل سکتی ہے۔ پس جو خداوند میں مقبول ہیں وہ بھی اس دنیا میں امتحان ایمانی سے بری نہیں ہوئے۔ لیکن ان کے خاتمہ کا دن نزدیک ہے اور جب وہ آئیگا تو اس وقت انسان کامل نجات کو دیکھیگا فی الحال اُس اطمینان ہی کو دیکھتا ہے جو صادق کے وعدہ پر کوئی منتظر تاج و تخت کا ہو۔ جناب جو فرماتے ہیں ہمکو کوئی ایسا شخص دکھلاؤ جو نجات یافتہ ہو اس لیئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجات جناب کسی ایسی چیز کو کہتے ہیں جیسے بڑا ڈھیلا آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مگر اطمینان کی تو یہ شکل نہیں بلکہ وہ شکل ہے کہ جیسے ایک نوکتخدا لذتِ زفاف کو بیان نہیں کر سکتی لیکن حقیقت میں اُسکو عزیز سمجھتی ہے۔

نہم - جن امور کی یہ بار بار کشش ہوتی ہے کہ آپ بموجب آیات انجیلی کے معجزہ دکھلاؤ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم بار بار ان مقامات کی شرح حقیقی دکھلا چکے۔ اگر جناب پھر اسی سوال کا تکرار کریں اور ہماری شرح کو ناقص نہ دکھلا سکیں تو انصاف کس کے گھر کے آگے ماتم کر رہا ہے اس کو منصف طبع آپ پہچان لیں گے۔ اب ہمارا سوال جہاں کا تہاں موجود ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر۔ فصیح
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

نواں پرچہ

مباحثہ ۳۱ - مئی سنہ ۱۸۹۳ء

روئداد

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۶ منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا - اور ۷ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بعد مقابلہ بلند آواز سے سُنایا گیا -

مسٹر عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۲ منٹ پر شروع کیا - اور ۸ بجے ۵۲ منٹ پر ختم کیا اور سُنایا گیا - مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۶ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا - بعد ازاں مینجر نیشنل پریس کی درخواست پیش ہوئی کہ اُسے مباحثہ چھاپنے کی اجازت دیجائے - قرار پایا کہ اُسے اجازت دیجائے - اِس شرط پر کہ وہ اُسی طرح مباحثہ چھاپے جس طرح کہ مینجر ریاض ہند پریس چھاپ رہا ہے یعنی بلاکمی وبیشی فریقین کے تحریریں باترتیب چھاپے - اس کے بعد تحریروں پر میر مجلسوں کے دستخط ہوئے اور جلسہ برخاست ہوا ۰

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب

۳۱- مئی ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب کا کل کا سوال جو ہے کہ رحم بلا مبادلہ ہرگز جائز نہیں آج کسی قدر اسکا تفصیل سے جواب لکھا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ رحم بلا مبادلہ میں عیسائی صاحبوں کا یہ اصول ہے کہ خدا تعالےٰ میں صفت عدل کی بھی ہے اور رحم کی بھی۔ صفت عدل کی یہ چاہتی ہے کہ کسی گنہگار کو بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے اور صفت رحم کی یہ چاہتی ہے کہ سزا سے بچایا جائے۔ اور چونکہ عدل کی صفت رحم کرنے سے روکتی ہے اس لیئے رحم بلا مبادلہ جائز نہیں۔

اور مسلمانوں کا یہ اصول ہے کہ رحم کی صفت عام اور اول مرتبہ پر ہے جو صفت عدل پر سبقت رکھتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قال عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شئ (س ۹ - ر ۹) پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عام اور وسیع ہے اور غضب یعنی عدل بعد کسی خصوصیت کے پیدا ہوتی ہے یعنی یہ صفت قانون الٰہی سے تجاوز کرنے کے بعد اپنا حق پیدا کرتی ہے اور اس کے لیئے ضرور ہے کہ اول قانون الٰہی ہو اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا ہو اور پھر یہ صفت ظہور میں آتی ہے اور اپنا تقاضا پورا کرنا چاہتی ہے اور جب تک قانون نہ ہو یا قانون خلاف ورزی سے گناہ پیدا نہ ہو مثلاً کوئی شخص قانون الٰہی کے سمجھنے کے قابل نہ ہو جیسے بچہ ہو یا دیوانہ ہو یا قسم حیوانات سے ہو اسوقت تک یہ صفت ظہور میں نہیں آتی۔ ہاں خدا تعالےٰ اپنی مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے کیونکہ اُس کا اپنی ہر ایک مخلوق پر حق پہونچتا ہے تو اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ عدل کو رحم کے ساتھ کچھ بھی علاقہ نہیں۔ رحم تو اللہ تعالےٰ کی ازلی اور اول مرتبہ کی صفت ہے جیسا کہ حضرت عیسائی صاحبان بھی اس بات کا اقرار رکھتے ہیں کہ خدا محبت ہے کہیں یہ نہیں لکھا کہ خدا غضب ہے یعنی عدل ہے اور غضب کا لفظ عدل کے لفظ سے اس لیئے مترادف اور ہم معنی ہے کہ خدا تعالےٰ کا غضب انسانوں کے غضب کا سا نہیں۔ کہ بلا وجہ اور یا چڑنے کے طور پر ظہور میں آجائے بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک عدل کے موقعہ پر ظہور میں آتا ہے۔ اب یہ دوسرا سوال ہے کہ جو شخص قانون الٰہی کی خلاف ورزی کرے اس کی نسبت کیا حکم ہے تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ اس قانون کی شرائط کے مطابق عمل کیا جاویگا رحم کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا یعنی رحم بلا مبادلہ کے

مسئلہ کو اس جگہ کچھ تعلق نہیں ہوگا کیونکہ گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ قانون الٰہی کے توڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس ضرور ہوا کہ پہلے قانون موجود ہو مگر قانون تو کسی خاص زمانہ میں موجود ہوگا اس لیئے خداتعالےٰ کا عدل اُس کے رحم کے دوش بدوش نہیں ہوسکتا بلکہ اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب قانون نفاذ پاکر اور پھر مُنہچکر اس کی خلاف ورزی کیجائے۔ پس واضع قانون کو یہ عام اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے قانون کی خلاف ورزی کی سزائیں مقرر کرے اور پھر ان سزاؤں کے معاف کرنے کے لیئے اپنی مرضی کے مطابق شرائط اور حدود ٹھہرائے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اب یہ مسئلہ رحم بلا مبادلہ کی مزاحمت سے اَور صورت میں ہوکر بالکل صاف ہے۔ ہاں یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں یا طریق معافی کے مقرر کیئے گئے ہیں یہ کس مذہب کی کتاب میں انسب و اولےٰ اور قرین بانصاف ہیں۔ اور اس خوبی کے دیکھنے کے لیئے رحم کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوگا۔ کیونکہ ابھی ہم ثابت کرچکے ہیں کہ رحم اصلی اور عام اور مقدم صفت ہے پس جس قدر کسی مذہب کا طریق سزا اور طریق معافی رحم کے قریب قریب واقع ہوگا وہ انسب اور اولےٰ مذہب سمجھا جائیگا کیونکہ سزادہی کے اصول اور قوانین میں حد سے زیادہ تشدد کرنا اور ایسی ایسی پابندیاں لگا دینا جو خود رحم کے برخلاف ہیں خداتعالےٰ کی صفات مقدسہ سے بہت دُور ہیں۔ سو اب منصف لوگ دیکھ لیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھہرایا اور انجیل شریف کے رُو سے معافی کا کیا طریق بیان کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم کی ہدایتیں کسی شخص کی معافی کے لیئے کوئی بیجا تشدد اور کوئی اصول جو ظلم تک منجر ہو بیان نہیں فرماتیں۔ صرف اصلی اور طبعی طور پر یہ فرماتی ہیں کہ جو شخص قانون الٰہی کے توڑنے سے کسی جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لیئے یہ راہ کھلی ہے کہ وہ سچی توبہ کرکے اور اُن قوانین کی صحت اور حقانیت پر ایمان لاکر پھر سرنو جدوجہد سے ان قوانین کا پابند ہوجائے یہاں تک کہ ان کے راہ میں مرنے سے بھی دریغ نہ کرے ہاں یہ بھی لکھا ہے کہ شفاعت بھی مجرموں کے لیئے فائدہ بخش ہے مگر خداتعالےٰ کے اذن سے اور اعمال حسنہ بھی گناہوں کا تدارک کرتے ہیں اور ایمانی ترقی بھی اور نیز محبت اور عشق بھی گناہوں کے خس و خاشاک کو آگ کی طرح جلا دیتی ہے لیکن حضرات عیسائی صاحبوں کے اصول میں اول الدن دردی یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کے لیئے ایک بے گناہ کا مصلوب ہونا لازمی اور ضروری سمجھا گیا ہے۔ اب عقلمند منصف خود ہی فیصلہ کرسکتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہر ایک جھگڑے اور تنازعہ کے فیصلہ کے لیئے خداتعالےٰ کا قانون قدرت موجود ہے۔ یہ قانون قدرت صاف شہادت دے رہا ہے کہ خداتعالےٰ کا رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے جس قدر خداتعالےٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کرکے اور طرح طرح کی نعمتیں انسانوں کو

بخشکر اپنا رحم ظاہر کیا ہے کیا اس سے کوئی انکار کرسکتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا (س ۱۳ ر ۷) یعنی اگر تم خدا تعالےٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے۔

ایسا ہی اس کی رحیمیت یعنی کسی نیکی کے پاداش میں جزا دینا قانون قدرت سے صاف ثابت ہو رہا ہے کیونکہ جو شخص نیک راہوں پر چلتا ہے وہ ان کا نتیجہ بھگت لیتا ہے ایسا ہی اسکی مالکیت بھی قانون قدرت کے رو سے ثابت ہو رہی ہے جیسا کہ میں نے کل بیان کیا تھا کہ کروڑہا جانور انسان کے فائدہ کے لیئے ہلاک کیئے جاتے ہیں - اور نیز توریت سے ثابت ہے کہ حضرت نوح کے طوفان میں بجز چند جانوروں کے باقی تمام حیوانات طوفان سے ہلاک کیئے گئے - کیا ان کا کوئی گناہ تھا کوئی نہ تھا - صرف مالکیت کا تقاضا تھا - اور یہ بات کہ گناہ قانون سے پیدا ہوتا ہے یہ اس آیت سے صاف ثابت ہے والذین کفروا وکذبوا بآیاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیہا خالدون (س ۱ ر ۴) یعنی جو لوگ ہماری کتاب کے پہونچنے کے بعد کفر اختیار کریں اور تکذیب کریں وہ جہنم میں گرائے جائیں گے اور پھر خدا تعالےٰ کا توبہ سے گناہ بخشنا اس آیت سے ثابت ہے - غافر الذنب وقابل التوب (س ۲۴ - ر ۶) اور خدا تعالےٰ کی رحمانیت اور رحیمیت اور مالکیت ان آیات سے ثابت ہے - الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین اور بقیہ جوابات ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب کے ذیل میں لکھتا ہوں - آپ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح کی روح مخلوق بھی اور جسم بھی مخلوق تھا اور خدا تعالےٰ اس طرح اُن سے تعلق رکھتا تھا جیسا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے - یہ فرمانا ڈپٹی صاحب کا مجھے سمجھ نہیں آتا جبکہ حضرت مسیح نرے انسان ہی تھے اور ان میں کچھ بھی نہیں تھا تو پھر خدا تعالےٰ کا تعلق اور خدا تعالےٰ کا موجود ہونا ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے پھر باوجود اس کے آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت مسیح مظہر اللہ ہیں مَیں سوچتا ہوں کہ یہ مظہر اللہ کیسے ہوئے اِس سے تو لازم آیا کہ ہر ایک چیز مظہر اللہ ہے پھر میرا یہ سوال ہے کہ کیا یہ مظہر اللہ ہونا روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے ہوا یا روح القدس کے پیچھے ہوا اگر پیچھے ہوا تو پھر آپ کی کیا خصوصیت رہی پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ خدا تعالےٰ کی ذات ہے لہٰذا اس میں وزن کیونکر ہو - میرا جواب ہے کہ بیٹا یعنی حضرت عیسےٰ کا اقنوم مجسم ہونا ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا اور روح القدس بھی مجسم تھا کیونکہ لکھا ہے کہ کبوتر کی شکل میں اترا اور آپکا خدا بھی مجسم ہے کیونکہ یعقوب سے کشتی کری اور دیکھا بھی گیا اور بیٹا اس کے دہنے ہاتھ جا بیٹھا -

پھر آپ اپنی کثرت فی الوحدت کا ذکر کرتے ہیں مگر مجھے سمجھ نہیں آتا - کہ کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی کیونکر ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں اور ایک کو اعتباری ٹھہرانا آپ کا مذہب نہیں ۱۰ اس جگہ میں

یہ بھی پوچھتا ہوں کہ حضرت مسیح جو مظہر اللہ ٹھہرائے گئے وہ ابتدا سے اخیر وقت تک مظہر اللہ تھے اور دائمی طور پر اُن میں مظہریت پائی جاتی تھی یا اتفاقی اور کبھی کبھی اگر دائمی تھی تو پھر آپ کو ثابت کرنا پڑیگا کہ حضرت مسیح کا عالم الغیب ہونا اور قادر وغیرہ کی صفات اُن میں پائے جانا یہ دائمی طور پر تھا حالانکہ انجیل شریف اس کی مکذب ہے مجھے بار بار بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

اس جگہ یہ بھی مجھے پوچھنا پڑا کہ جس حالت میں بقول آپ کے حضرت مسیح میں دو روحیں نہیں صرف ایک روح ہے جو انسان کی روح ہے جس میں الوہیت کی ذرہ بھی آمیزش نہیں ہاں جیسے خدا تعالےٰ ہر جگہ موجود ہے اور جیسے کہ لکھا ہے کہ یوسف میں اُسکی روح تھی حضرت مسیح کے ساتھ بھی موجود ہو پھر حضرت مسیح اپنی ماہیت ذاتی کے لحاظ سے کیونکر دوسرے اقنوم ٹھہرے اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ حضرت مسیح کا آپ صاحبوں کی نظر میں دوسرا اقنوم ہونا یہ دوری ہے یا دائمی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ وہ یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم انتقام نہ لو۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ انتقامی شریعت یعنی توریت تو خود آپ کی مسلمات میں سے ہے پھر کیونکر آپ انتقام سے گریز کرتے ہیں اور اس بات کا مجھے ابھی تک آپ کے مونھ سے جواب نہیں ملا کہ جس حالت میں تین اقنوم صفات کاملہ میں برابر درجہ کے ہیں تو ایک کامل اقنوم کے موجود ہونے کے ساتھ جو جمیع صفات کاملہ پر محیط ہے اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں کیوں دوسرے اقنوموں کی ضرورت ہے اور پھر ان کاملوں کے ملنے کے بعد یا ملنے کے لحاظ سے جو اجتماعی حالت کا ایک ضروری نتیجہ ہونا چاہیئے وہ کیوں اس جگہ پیدا نہیں ہوا یعنی یہ کیا سبب ہے کہ باوجودیکہ ہر ایک اقنوم تمام کمالات مطلوبہ الوہیت کا جامع تھا پھر ان تینوں جامعوں کے اکٹھا ہونے سے الوہیت میں کوئی زیادہ قوت اور طاقت نہ بڑھی اگر کوئی بڑھی ہے اور مثلاً پہلے کامل تھی پھر ملنے سے یا ملنے کے لحاظ سے اکمل کہلائے یا مثلاً پہلے قادر تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے اقدر نام رکھا گیا۔ یا پہلے خالق تھی اور پھر ملنے کے لحاظ سے خلاق یا اخلق کہا گیا۔ تو براہ مہربانی اس کا کوئی ثبوت دینا چاہیئے آپ کثیف جسموں کی طرف تو ناحق کھینچکر لے گئے میں نے تو ایک مثال دی تھی اور پھر وہ مثال بھی بفضلہ تعالےٰ آپ ہی کی کتابوں سے ثابت کر دکھائی اور آپ کے یہ تمام بیانات بڑے افسوس کے لائق ہیں۔ کیونکہ ہماری شرط کے مطابق نہ آپ دعویٰ انجیل کے الفاظ سے پیش کرتے ہیں اور نہ دلائل معقولی انجیل کے رُو سے بیان فرماتے ہیں بھلا فرمایئے کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل شریف میں کہاں لکھا ہے اور اس کے معنی خود حضرت مسیح کے فرمودہ سے کب اور کس وقت آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ اس عہد شکنی پر جس قدر اہل انصاف افسوس کریں وہ تھوڑا ہے۔ اور کل جو میں نے رحم بلا مبادلہ کا ذکر کیا تھا اس کا بھی آپ نے کوئی عمدہ جواب نہ دیا۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ کی صفت مالکیت

بغیر دیکھنے گناہ کے بجائے خود کام کر رہی ہے۔ مثلاً انسان کے بچوں کو دیکھو کہ صدہا صعب اور شدید اور ہولناک بیماریاں ہوتی ہیں اور بعض ایسے غربا اور مساکین کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں کہ دانت نکلنے کے ساتھ طرح طرح کے فاقہ کو اُٹھانا پڑتا ہے پھر بڑے ہوئے تو کسی کے سائیس بنائے گئے اور دوسری طرف ایک شخص کسی بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی غلام اور کنیزکیں اور خادم دست بدست گودیں لیئے پھرتے ہیں بڑا ہو کر تخت پر بیٹھ جاتا ہے اس کا کیا سبب ہے۔ کیا مالکیت سبب ہے یا آپ تناسخ کے قائل ہیں۔ پھر اگر مالکیت ثابت ہے اور خداتعالےٰ پر کسی کا بھی حق نہیں تو اتنا جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ موسےٰ کی شفاعتیں حقیقی شفاعتیں نہیں تھیں بلکہ ان پر مواخذہ قیامت کی تیغ لگی ہوئی تھی اور گو خداتعالےٰ نے سرسری طور پر گناہ بخش دیئے اور کہدیا کہ میں نے موسیٰ کی خاطر بخش دیئے لیکن اصل میں نہیں بخشے تھے پھر پکڑے گا اور جرم کرنے والوں کی طرح ناراض ہو کر جہنم میں ڈالے گا اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے براہ مہربانی وہ ثبوت پیش کریں مگر توریت کے حوالہ سے جہاں یہ لکھا ہو کہ خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ گو میں نے آج اس نافرمانی کو بخش دیا مگر کل پھر میں مواخذہ کروں گا اس جگہ آپکی تاویل منظور نہیں ہوگی اگر آپ سچ پر ہیں تو توریت کی آیت پیش کریں کیونکہ توریت کے کسی مقامات میں جو ہم پیچھے سے لکھا دیں گے یہی صاف صاف لکھا ہے کہ خداتعالےٰ بعض نافرمانیوں کے وقت حضرت موسےٰ کی شفاعت سے اُن نافرمانیوں سے درگزر کرتا رہا بلکہ بخش دینے کے الفاظ موجود ہیں گنتی ۱۴/۱۹ و ۱۲/۱۳ استثنا ۹/۱۹ سے ۲۲ خروج ۸/۸ پھر آپ فرماتے ہیں کہ "حضرت مسیح کا دوسرے گنہگاروں کے عوض میں مصلوب ہونا قانون قدرت کے مخالف نہیں ہے ایک شخص کا قرضہ دوسرا اپنی دولت سے ادا کر سکتا ہے" یہ آپ نے خوب ہی مثال دی ہے۔ پوچھا تو یہ گیا تھا کہ ایک مجرم کے عوض میں دوسرا شخص سزایاب ہو سکتا ہے۔ اسکی نظیر دنیا میں کہاں ہے آجکل انگریزی قوانین جو بڑی جستجو اور تحقیق اور رعایت انصاف سے بنائے جاتے ہیں کیا آپ نے جو ایک مدت تک اکسٹرا اسسٹنٹ رہ چکے ہیں تعزیرات ہند وغیرہ میں کوئی ایسی بھی دفعہ لکھی ہوئی پائی ہے کہ زید کے گناہ کرنے سے بکر کو سُولی پر کھینچنا کافی ہے۔

(باقی آیندہ)

دستخط
بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام

دستخط
بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

۳۱-مئی سنہ ۱۸۹۳ء

جناب کا یہ فرمانا کہ رحم اوّل اور فائق درجہ پر ہے برخلاف ہدایت ۵۴ کے ہے کیونکہ ہدایت یہ حکم کرتی ہے کہ کوئی صفت کسی دوسری صفت سے کم نہیں بجائے خود ہر ایک پورا مرتبہ رکھتی ہے یہ جناب نے حق فرمایا ہے کہ جب تک قانون کسی تک نہ پہونچے وہ قانون شکن نہیں کہلا سکتا اور گناہ اسپر عائد نہیں ہوتا اسی واسطے وہ بچے جو ماہیت گناہ سے واقف نہیں اور دیوانہ مادرزاد گناہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر کوئی شخص ماہیت کسی گناہ کی نہ جانتا ہو اور وہ اس سے سرزد ہووے مواخذہ عدل میں آوے گا اور اس کا وہ فعل گناہ نہ تصور کیا جائیگا۔ خدا اپنی مالکیت کی وجہ سے خواص اپنی صفات کے برخلاف اگر کچھ مالکیت جتائے تو سارا نقشہ اس کی قدوسی کا درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ صحیح نہیں کہ مالکیت کی وجہ سے جو چاہے سو کرے۔ حتیٰ کہ ظلم تک۔ نیز عدل کو رحم سے اس طرح کا علاقہ تو نہیں کہ جو رحم ہے وہ عدل نہیں اور جو عدل ہے وہ رحم نہیں لیکن یہ ہر دو صفات واحد و اقدس خدا کی ہیں۔ خدا غضب بیجا ہے یہ تو کلام الٰہی میں ہو نہیں سکتا مگر اس کو بھسم کرنے والی آگ بھی لکھا ہے جو گنہگاروں کو بھسم کرتی ہے استثنا ۴/۲۴ قانون فعل مقتضی ہے اور فعل ضرور ہے کہ اپنے فاعل سے بعد میں ہو لیکن عدل جو قانون بناتا ہے قانون جس کا فعل ہے ازلی و ابدی صفت ہے وہ عارضی طور سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ وہ عارضی طرح سے جا سکتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ عدل اس کو کہا جائے کہ ہرجہ باقی رہجائے اور گنہگار رہا ہو جائے۔ واضح رہے کہ دنیا کی عدالت عدالت نہیں مگر نظامت کا نام ہے کہ جس کا منشاء یہ ہے کہ جرائم رُو بہ تنزل رہیں نہ یہ کہ سزا کامل ہو جائے کیا ایک قاتل کو پھانسی دینے سے مقتول جی اٹھتا ہے۔ اور اگر قاتل کو پھانسی دیں گے تو مقتول کو اسسے کیا ہے خداوند کی عدالت ایسی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ گناہ واپس نہ ہو معاوضہ کی سزا سے بھی رہائی نہ ہووے ÷

دوم۔ جو آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نے معافی کا کیا طریق ٹھہرایا ہے اوّل تو آپ کا یہ کہنا ہی جائز نہیں اس لیئے کہ واحد خدا کی یہ ہر دو کلام ہو کر متباین طریقہ نہیں بتا سکتی کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت ہیں کیونکہ یہ فرض عین ہے کہ ہم اعمال حسنہ کریں۔ لیکن یہ بڑی ایک عجب

کی بات ہے کہ ادائے جزو کو کُل پر حاوی تصوّر کر کے وہ قرضہ بیباق سمجھا جاوے جیسا کہ ایک شخص کو سَو روپیہ کسی کے دینے ہیں اور اس میں سے پچیس روپیہ دے کر یہ کہے کہ تیرا حساب بیباق ہوا کوئی عقلمند اس امر کو مانے گا کہ ادائے جز کا حاوی بر کُل ہے۔ لہٰذا اعمال حسنہ کا ذکر آپ تب تک نہ کریں جب تک آپ یہ نہ ثابت کر لیں کہ کوئی اعمالوں کے ذریعہ سب قرضہ ادا کر سکتا ہے یعنی بے گناہ مطلق رہ سکتا ہے۔ توبہ اور ایمان بیرونی پھاٹک نجات کے ضرور ہیں جیسا کہ کوئی بغیر ان کے نجات میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن پھاٹک اندرونہ شے کا نہیں ہو سکتا۔ کیا اگر ہم ایک مکھی کو مار کر سو توبہ کریں وہ جی اُٹھتی ہے اور ایمان کی بابت میں اگر ہم ایمان لاویں۔ کہ خدائے قادر اس کو پھر جلا دے سکتا ہے یہ کچھ امکان سے بڑھکر وقوعہ ہو جاتا ہے۔ محبت و عشق فرائض انسانی ہیں ہیں ان کا ذکر اعمال حسنہ میں آچکا۔ اور ضرور نہیں۔

سوم۔ یہ آپ صریح غلط فرماتے ہیں کہ قانون قدرت خدا تعالےٰ کا کہ رحم بلا مبادلہ قدیم سے جاری ہے ہماری فطرت میں اس امر کو صداقت ادلے کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ جو کسی کا کوئی ہرجہ کریگا اُس کو معاوضہ اس کا دینا پڑے گا۔ مخلوق کا ہر زمان اطاعت اللہ کے واسطے رکھا گیا ہے اور وہ بغاوت میں اگر گناہ کے کٹتے تو اس وقت کا ہرجہ اس کو بھرنا پڑے گا اور اسکا معاوضہ یہی ہے کہ روبا بدروں سزائیں گرفتار رہے۔

چھارم۔ میں نے کل بھی عرض کیا تھا کہ دُکھ تین قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جس کو سزائیہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی معاوضہ ہرجانہ کے ہیں اور جس کی حد یہ ہے کہ جب تک وہ ہرجہ ادا نہ ہو ہرجہ رساں کی رہائی بھی نہ ہو۔ دوسری قسم مستقل سکھہ کی ہے جس سے میری مراد یہ ہے کہ محتاج بالغیر علم کسی شے کا بغیر مقابلہ ضد اسکی کے صاف نہیں پاتا۔ جیسا کہ اندھا مادر زاد سفیدی کو تو نہیں جانتا مگر تاریکی کو بھی بخوبی نہیں پہچانتا گو وہ ہمیشہ اس کے سامنے ہے۔ ایسا ہی اگر آدمی کو بہشت میں بھیجا جائے اور مقابلہ کے واسطے اُس نے کبھی دُکھ نہ دیکھا ہو تو بہشت کی قدر و عافیت نہیں جانتا۔ تیسرا دُکھ امتحان کا ہے یعنی اعمال بالقوہ کو بفعل لوانے کے واسطے باختیار اُس شخص کے کہ جس کے وہ فعل ہیں ضرور ہے کہ اس کو ایسی دو شے کے درمیان رکھا جائے جو مساوی یکدگر ہوں وضد فی الحاصل در آن واحد ہوں کہ جن میں سے احدی کا رو یا قبول کرنا بغیر توڑ اور دُکھ کے نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ تین اقسام صحیح ہیں تو آپ کا کیا حق ہے کہ جو جاندار دنیا میں دُکھ پاتے ہیں اُن کے دُکھ کو سزائیہ ہی قرار دیں۔

پنجم۔ جناب کا اس امر کا نہ سمجھنا کہ مسیح میں خصوصیت ظہور کی کیا ہے جبکہ ہر شے مظہر الٰہی ہے اس کا جواب عرض کرتا ہوں کہ خصوصیت یہ ہے کہ مسیح کے علاقہ سے اللہ تعالےٰ نے کفارہ کا

کام پورا کرایا خدا تعالیٰ دکھ اُٹھانے سے بری مطلق ہے مخلوق سب کا بوجھ اُٹھا کر باقی نہیں
رہ سکتا یہاں پر خدا تعالیٰ نے یہ کیا کہ پاک انسان نے سب بوجھ اپنے سر پر اُٹھایا اور وہ
اقنوم ثانی الوہیت کے نے اُسکو اُٹھوایا اور یوں وہ دُکھ پناہ ہوا کیونکہ اس موقعہ پر مقابلہ
روبابدرون سزا کا ساتھ ازلی و ابدی اقنوم ثانی کے ہوا یہ خصوصیت مظہریت کی اور کہاں ہے
آپ ہی اس کو دکھلادیں اور اس خصوصیت کو مسیح میں ہماری زبانی آپ قبول نہ کریں مگر تاوقتیکہ
بائبل کو آپ رد نہ کریں تو آپ کا حق نہیں کہ اسپر عذر کریں کہ کیا مسیح کا معجزہ ہے پیدا ہونا مارا جانا
جی اُٹھنا اور صعود کرنا آسمان پر۔ ان کے بھی کچھ معنی ہیں یا نہیں جناب ہی فرمادیں اور جبکہ لکھا ہے
کہ خون بہانے بدون نجات نہیں عبرانی ۹/۲۲ و احبار ۱۷/۱۱ اور کہ ساری قربانیاں توریت کی اسی پر
ایما کرتی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے دوسرا نام نہیں دیا گیا کہ نجات ہو اعمال ۴/۱۲
ان سب باتوں کے جناب کچھ معنی فرمادیں اور ایسے ہی سرسری بے جواب گذار نہ فرمادیں۔

ششم۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئی یا مابعد سکے
ہمارا اس جگہ پر جواب قیاسی ہے روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئی کلام الٰہی میں اس کا
وقت کوئی معین نہیں ہوا۔ خصوصیت کا انحصال آگے اور پیچھے مظہر اللہ ہونے پر کیا ہے جناب نے
اس امر کو مشرح نہیں فرمایا۔ اسی لیئے ہم اور زیادہ جواب نہیں دے سکتے۔

ہفتم۔ اگرچہ ہر سہ اقانیم کا مجسم ہونا آپنے بہت صحیح نہیں فرمایا لیکن تاہم مجسم ہونے سے وہ
وزنی ہو جاتے ہیں جیسا کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ برائے مثال ہر ایک تین تین سیر کا اقنوم ہو تو جملہ
اس کا ۹ سیر ہوتا ہے۔

ہشتم۔ توحید فے التثلیث کی تعلیم میں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ایک ہی صورت میں
واحد اور ایک ہی صورت میں تثلیث ہے بلکہ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک اور دوسری
صورت میں تین ہیں۔ اور جب ہمنے عرض کیا کہ ان تین میں اس قسم کا علاقہ ہے کہ جیسے بے نظیری
بے حدی سے نکل کر زمان و مکان دوسرا نہیں چاہتے تاہم ان دو صفات کی تعریف علیحدہ علیحدہ
ہے اور یہ دونوں صفات ایک جیسی ہیں ایسا ہی اقانیم کی صورت ہے کہ ایک قایم فی نفسہ ہے
اور دو لازم ملزوم ساتھ اس ایک کے اس کے سمجھنے کے واسطے آپ اس بیان پر بھی توجہ
فرمادیں کہ انتقام جو وصلح جو شخص واحد سے آن واحد میں محال مطلق ہے حالانکہ اگر گناہگار کی
مغفرت ہو تو یہ ہر دو یکساں چاہتے ہیں اور ایک اقنوم سے یہ ادا نہیں ہو سکتی اس سے لازم آتا ہے
کہ کم از کم دو اقانیم ہونے چاہئیں۔ وقت کم ہے۔ بے نظیری کی ہم تعریف کچھ کرنا چاہتے ہیں
بے نظیری مطلق وہ شے ہے جو امکان تک نظیر کا مٹا دیوے اور یہ وُہی کر سکتا ہے جو مکان

گنجایش نظیر کا مٹا دیوے - اب خدا تعالیٰ بے نظیر مطلق ہے پس ضرور ہے کہ وہ بے حد بھی ہو۔ اور یہ بے نظیری بے حدی سے نکلے بلا تفاوت زبان و مکان کے کثرت فی الوحدت کی مثالیں ہمارے پاس اَور بھی معقول ہیں مگر صرف امکان دکھلانے والی اور کہ وقوعہ اس کا دکھلانا کلام الٰہی کا کام ہے - جس کی آیات کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں چنانچہ ایک یہ ہے - کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم سے ایک کی مانند ہو گیا - پیدایش ۳ ۲۲

(باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب	از جانب
عیسائی صاحبان	اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

پہلے میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ ڈپٹی صاحب نے باوجود میرے بار بار کے یاد دلانے کے کہ ہر ایک بات اور ہر ایک دعوے انجیل سے ہی پیش کرنا چاہیئے اور دلائل معقولی بھی انجیل سے ہی دکھلانی چاہئیں پھر بھی اس شرط کو ہر ایک محل میں چھوڑ دیا ہے اور ان کے بیانات ایسی آزادی سے چلے جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک نئی انجیل بنا رہے ہیں اب سوچنا چاہیئے کہ اُنھوں نے میرے سوالات کا کیا جواب دیا پہلے تو میں نے یہ بطور شرط کے عرض کیا تھا کہ رحم بلا مبادلہ کا لفظ انجیل میں کہاں ہے اور پھر اسکی معقولی طور پر حضرت مسیح سے تشریح اور تفصیل کہاں ہے مگر آپ عمداً اس بات سے انکار کر گئے اس لیئے میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ آپ بحیثیت ایک پابند انجیل کے بحث نہیں کرتے بلکہ ایک اہل الرائے کی طرح اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں - آپ میرے اس بیان کو کہ رحم ظہور میں اوّل اور فائق درجہ پر ہے قبل اس کے کہ اس کو سمجھیں قابل جرح قرار دیتے ہیں - اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ ازلی و ابدی ہیں مگر اس عالم حادث میں ظہور کے وقت جیسا کہ موقعہ ہوتا ہے ضرورت کے رُو سے

تاخیر و تقدیم ہو جاتی ہے اس بات کو کون شخص سمجھ نہیں سکتا کہ باعتبار ظہور کے رحم پہلی مرتبہ پر ہے کیونکہ کسی کتاب کے نکلنے کا محتاج نہیں اور اس بات کی حاجت نہیں رکھتا کہ تمام لوگ عقلمند اور فہیم ہی ہو جائیں بلکہ وہ رحم جیسا عقلمندوں پر اپنا فیضان وارد کر رہا ہے ویسا ہی بچوں اور دیوانوں اور حیوانات پر بھی وہی رحم کام کر رہا ہے۔ لیکن عدل کے ظہور کا وقت گو عدل کی صفت قدیم ہے اُس وقت ہوتا ہے کہ جب قانون الٰہی نکل کر خلق اللہ پر اپنی حجت پوری کرے اور اپنا سچا قانون ہونا اور منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیوے پھر اس کے بعد جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے تو وہ پکڑا جائے گا یہی تو میرا سوال تھا کہ آپ کا سوال رحم بلا مبادلہ کا تب ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ظہور رحم اور ظہور عدل کے دونوں وقت ایک ہی زمانہ میں سمجھے جائیں اور ان میں ہر جگہ پر ایک تلازم رکھا جائے لیکن ظاہر ہے کہ رحم کا دائرہ تو بہت وسیع اور چوڑا ہے اور وہ ابتدا سے جب سے دنیا ظہور میں آئی اپنے فیضان دکھلا رہا ہے پھر عدل کا رحم سے کیا تعلق ہوا اور ایک دوسرے کی مزاحمت کیونکر کر سکتے ہیں۔ آپ کے رحم بلا مبادلہ کا بجز اس کے میں کوئی اَور خلاصہ نہیں سمجھتا کہ عدل سزا کو چاہتا ہے۔ رحم عفو اور درگذر کو چاہتا ہے۔ لیکن جبکہ رحم اور عدل اپنے مظہروں میں مساوی اور ایک درجہ کے نہ ٹھہرے اور یہ ثابت ہو گیا کہ خدا تعالےٰ کے رحم نے کسی کی راستبازی کی ضرورت نہیں سمجھی اور ہر ایک نیکوکار اور بدکار پر اس کی رحمانیت سے قدیم سے اثر ڈالتی چلی آئی ہے تو پھر یہ کیونکر ثابت ہوا کہ خدا تعالےٰ بدکاروں کو ایک ذرا رحم کا مزہ چکھانا نہیں چاہتا۔ کہ قانون قدرت جو ہماری نظر کے سامنے پکار پکار کر شہادت نہیں دے رہا کہ اس رحم کے لیئے گناہ اور غفلت اور تقصیر داری بطور روک کے نہیں ہو سکتی اور اگر ہو تو ایک دم بھی انسان کی زندگی مشکل ہے۔ پھر جبکہ یہ سلسلہ رحم کا بغیر شرط راستبازی اور معصومیت اور نیکوکاری انسانوں کے دنیا میں پایا جاتا ہے اور صریح قانون قدرت اُس کی گواہی دے رہا ہے تو پھر کیونکر اس سے انکار کر دیا جاوے اور اس نئے اور خلاف صحیفہ فطرت کے عقیدہ پر کیونکر ایمان لایا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا رحم انسانوں کی راستبازی سے وابستہ ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن شریف کے کئی مقامات میں نظیر کے طور پر وہ آیات پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکر سلسلہ رحم کا نہایت وسیع دائرہ کے ساتھ تمام مخلوقات کو مستفیض کر رہا ہے چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھٰرَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ

ما سالتموہ و ان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا (س ۱۳ - ر ۱۷) پھر فرماتا ہے۔

والانعام خلقھا لکم فیھا دف و منافع و منھا تاکلون - اور پھر فرماتا ہے وھو الذی

سخر البحر لتاکلوا منھا لحما طریا - اور پھر فرماتا ہے - واللہ انزل من السماء

ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتھا - ان تمام آیات سے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کریم میں صاف قانون قدرت کا ثبوت دیدیا ہے کہ اس کا رحم بلا شرط ہے کسی کی راست بازی کی شرط نہیں ہاں جرائم کا سلسلہ قانون الٰہی کے نکلنے سے شروع ہوتا ہے جیساکہ آپ خود مانتے ہیں اور اسی وقت عدل کی صفت کے ظہور کا زمانہ آتا ہے گو عدل ایک ازلی صفت ہے مگر آپ اگر ذرا زیادہ غور کرینگے تو سمجھ جائیں گے کہ صفات کے ظہور میں حادثات کی رعایت سے ضرور تقدیم تاخیر ہوتی ہے پھر جبکہ گناہ اس وقت سے شروع ہوا کہ جب کتاب الٰہی نے دنیا میں نزول فرمایا اور پھر اس نے خوارق و نشانوں کے ساتھ اپنی سچائی بھی ثابت کی تو پھر رحم بلا مبادلہ کہاں رہا کیونکہ رحم کا سلسلہ تو پہلے ہی سے بغیر شرط کسی کی راست بازی کے جاری ہے اور جو گناہ خدا تعالیٰ کی کتاب نے پیش کیئے وہ مشروط بشرائط ہیں یعنی یہ کہ جس کو وہ احکام پہونچائے گئے ہیں اس پر وہ بطور حجت کے وارد ہوں اور وہ دیوانہ اور مجنون بھی نہ ہو - اور مالکیت پر آپ یہ جرح فرماتے ہیں کہ اگر مالکیت کو تسلیم کیا جائے تو سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاتا ہے - تو آپ کو سوچنا چاہیئے کہ یہ کارخانہ اپنی مدکی ذیل میں چل رہا ہے - پھر درہم برہم ہونے کے کیا معنی ہیں - مثلاً جو شخص خدا تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرکے اس کے قانونی وعدہ کے موافق سزاوار کسی سزا کا ٹھہرتا ہے تو خدا تعالیٰ گو مالک ہے کہ اسکو بخش دیوے لیکن بلحاظ اپنے وعدہ کے جب تک وہ شخص ان طریقوں سے اپنے تئیں قابل معافی نہ ٹھہراوے جو کتاب الٰہی مقرر کرتی ہے تب تک وہ مواخذہ سے بچ نہیں سکتا کیونکہ وعدہ ہو چکا ہے لیکن اگر کتاب الٰہی مثلاً نازل نہ ہو یا کسی تک نہ پہونچے یا مثلاً وہ بچہ اور دیوانہ ہو تو تب اُس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ مالکیت کا معاملہ ہوگا - اگر یہ نہیں تو پھر سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کیوں چھوٹے بچے مدتوں تک ہولناک دُکھوں میں مبتلا رہکر پھر ہلاک ہوتے ہیں اور کیوں کروڑہا حیوانات مارے جاتے ہیں ہمارے پاس بجز اس کے کوئی اَور جواب بھی ہے کہ وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے - پھر آپ اپنے پہلے قول پر ضد کرکے فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو کسی کی شفاعت سے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ ایک انتظامی امر ہے افسوس کہ آپ اس وقت مقنن کیوں بن گئے اور توریت کی آیتوں کو کیوں منسوخ کرنے لگے اگر صرف انتظامی امر ہے اور حقیقت میں گناہ بخشے نہیں جاتے تو توریت سے اس کا ثبوت دینا چاہیئے توریت صاف کہتی ہے کہ حضرت موسےٰ کی شفاعت سے کئی مرتبہ

گناہ بخشے گئے۔ اور بائبل کے تقریباً کُل صحیفے خداتعالےٰ کے رحیم اور توّاب ہونے پر ہمارے
ساتھ اتفاق رکھتے ہیں دیکھو یسعیا ۵۵/۷ یرمیا ۳/۱۲ تواریخ دوم ۷/۱۴ زبور چہارم ۳۲/۵ ۱۰ امثال ۲۸/۱۳
اسی طرح لوقا ۱۷/۳و۴ ولوقا ۱۵/۲۴و۳ لوقا ۱/۲۵و۲۸ مرقس ۲۶/۱۹ اور پیدایش ۶/۵و۶ کتاب ایوب
۱/۱ حزقیل ۱۴/۱۴ دانیال ۶/۴ زبور ۱۳۰/۳و۴و۷ زبور ۸/۳۸ میکا ۷/۱۸
غرض کہاں تک لکھوں۔ آپ ان کتابوں کو کھول کر پڑھیں اور دیکھیں کہ سب سے یہی ثابت
ہوتا ہے کہ رحم بلا مبادلہ کی کچھ ضرورت نہیں اور ہمیشہ سے خداتعالےٰ مختلف ذرائع سے رحم کرتا چلا آیا
ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ توبہ اور ایمان باہر کے پھاٹک ہیں یعنی باوجود توبہ اور ایمان کے پھر بھی کفارہ
کی ضرورت ہے یہ آپ کا صرف دعویٰ ہے جو ان تمام کتابوں سے مخالف ہے جن کے میں نے
حوالہ دیدیئے۔ ہاں اس قدر سچ ہے کہ جیسے اللہ جل شانہ نے باوجود انسان کے خطاکار اور تقصیروار
ہونے کے اپنے رحم کو کم نہیں کیا ایسا ہی وہ توبہ کے قبول کرنے کے وقت بھی وُہی رحم مدنظر
رکھتا ہے اور فضل کی راہ سے انسان کی بضاعت مزجات کو کافی سمجھکر قبول فرمالیتا ہے۔ اسکی
اس عادت کو اگر دوسرے لفظوں میں فضل کے ساتھ تعبیر کردیں اور یہ کہدیں کہ نجات فضل سے ہے
تو عین مناسب ہے کیونکہ جیسے ایک غریب اور عاجز انسان ایک پھول تحفہ کے طور پر بادشاہ
کی خدمت میں لیجاوے اور بادشاہ اپنی عنایات بے غایات سے اور اپنی حیثیت پر نظر کرکے
اُسکو وہ انعام دے جو پھول کی مقدار سے ہزارہا بلکہ کروڑہا درجہ بڑھکر ہے تو یہ کچھ بعید بات
نہیں ہے۔ ایسا ہی خداتعالےٰ کا معاملہ ہے وہ اپنے فضل کے ساتھ اپنی خدائی کے شان کے
موافق ایک گدا ذلیل حقیر کو قبول کرلیتا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ دعاؤں کا قبول ہونا بھی فضل
ہی پر موقوف ہے جس سے بائبل بھری ہوئی ہے پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ مسیح میں اَور کچھ بھی
زیادتی نہیں صرف ایک انسان ہے جیسے اور انسان ہیں اور خداتعالےٰ وہی علاقہ عام طور کا
اس سے رکھتا ہے جو اَوروں سے رکھتا ہے۔ لیکن کفارہ سے اور مسیح کے آسمان پر جانے سے
اور اس کے بے باپ پیدا ہونے سے اسکی خصوصیت ثابت ہوتی ہے اس قول سے مجھے بڑا
تعجب پیدا ہوا کیا دعووں کا پیش کرنا آپ کی کچھ عادت ہے ہملوگ کب اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح
جی اُٹھا ہاں حضرت مسیح کا وفات پاجانا قرآن شریف کے کئی مقام میں ثابت ہے لیکن اگر
جی اُٹھنے سے روحانی زندگی مراد ہے تو اس طرح سے سارے نبی جیتے ہیں مُردہ کون ہے۔ کیا
انجیل میں نہیں لکھا کہ حواریوں نے حضرت موسےٰ اور الیاس کو دیکھا اور الیسا کہا کہ اے استاد
اگر فرماویں تو آپ کے لئے جُدا خیمہ اور موسےٰ کے لئے جُدا اور الیاس کے لئے جُدا اکھڑا کیا جائے پھر
اگر حضرت موسےٰ مُردہ تھے تو نظر کیوں آگئے کیا مُردہ بھی حاضر ہوجایا کرتے ہیں پھر اسی انجیل میں

لکھا ہوا ہے کہ لعاذر مرنے کے بعد حضرت ابراھیم کی گود میں بٹھایا گیا اگر حضرت ابراہیم مردہ تھے تو کیا مُردہ کی گود میں بٹھایا گیا۔ واضح رہے کہ ہم حضرت مسیح کی اس زندگی کی خصوصیت کو ہرگز نہیں مانتے بلکہ ہمارا یہ مذہب موافق کتاب و سنّت کے ہے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حیات اقوٰے اور اعلےٰ رکھتے ہیں اور کسی نبی کی ایسے اعلےٰ درجہ کی حیات نہیں ہے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ آنحضرت صلعم کو اسی بیداری میں دیکھا ہے باتیں کی ہیں مسائل پوچھے ہیں اگر حضرت مسیح زندہ ہیں تو کیا کبھی کسی نے آپ لوگوں میں سے بیداری میں اُن کو دیکھا ہے پھر آپ کا یہ فرمانا کہ آنحضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ نہیں تھے یہ اقبالی ڈگری ہے آپ نے مان لیا ہے کہ تیس برس تک تو حضرت مسیح خالص انسان تھے مظہر وغیرہ نام و نشان نہ تھا پھر تیس برس کے بعد جب روح القدس کبوتر کی شکل ہو کر اُن میں اُترا تو پھر مظہر اللہ بنے میں اس جگہ اس وقت شکر کرتا ہوں کہ آج کے دن ایک فتح عظیم ہمکو میسر آئی کہ آپ نے خود اقرار کر لیا کہ تیس برس تک حضرت مسیح مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ رہے نرے انسان تھے اب بعد اس کے یہ دعوےٰ کرنا کہ پھر کبوتر اترنے کے بعد مظہر اللہ بن گئے یہ دعوےٰ ناظرین کی توجہ کے لائق ہے کیونکہ اگر روح القدس کا اُترنا انسان کو خدا اور مظہر اللہ بنا دیتا ہے۔ تو حضرت یحیےٰ اور حضرت زکریا۔ حضرت یوسف۔ حضرت یوشع بن نون اور کل حواری خدا ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ کیا مجسم ہونے سے ورُنی ہو سکتا ہے یہ عجب سوال ہے۔ کیا آپ کوئی ایسا جسم پیش کر سکتے ہیں کہ اس کو جسم تو کہا جائے مگر جسمانی لوازمات سے بالکل مبرا ہو مگر شکریہ تو آپ نے مان لیا کہ آپ کے باپ اور بیٹا اور روح القدس تینوں مجسم ہیں پھر آپ فرماتے ہیں کثرت فی الوحدت اور وحدت میں کوئی تضاد نہیں ایک جگہ پائی جاتی ہیں یعنی بلحاظ جہات مختلفہ کے یہ آپ کا خوب جواب ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ ان دونوں میں سے آپ حقیقی کس کو مانتے ہیں آپ نے اس کا کچھ بھی جواب نہ دیا پھر آپ دعوے کے طور پر فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے دوسرا نام نہیں جس سے نجات ہو اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح گناہ سے پاک تھا اور دوسرے نبی گناہ سے پاک نہیں مگر تعجب کہ حضرت مسیح نے کسی مقام میں نہیں فرمایا کہ میں خدا تعالےٰ کے حضور میں ہر ایک قصور اور ہر ایک خطا سے پاک ہوں اور یہ کہنا حضرت مسیح کا کہ کون تم میں سے مجھپر الزام لگا سکتا ہے یہ الگ بات ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے مقابل پر اور تمہارے الزام سے میں مجرم اور مفتری نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن خدا تعالےٰ کے حضور میں حضرت مسیح صاف اپنے تقصیروار ہونے کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ

متی باب ۱۹ سے ظاہر ہے کہ اُنہوں نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا - پھر آپ فرماتے ہیں
کہ قرآن اور انجیل دونوں کلام خدا ہوکر پھر دو مختلف طریقے نجات کے کیوں بیان کرتے ہیں اسکا
جواب یہ ہے کہ جو قرآن کے مخالف انجیل کے حوالہ سے طریقہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف آپ کا
بے بنیاد خیال ہے اب تک آپ نے ثابت کرکے نہیں دکھایا کہ حضرت مسیح کا قول ہے - انجیل میں
تو نہ بالصراحت و نہ بالفاظ کہیں تثلیث کا لفظ موجود ہے اور نہ رحم بلامبادلہ کا قرآن کریم
کی تصدیق کے لیئے وہ حوالجات کافی ہیں جو ابھی ہمنے پیش کیئے ہیں جبکہ قرآن اور عہد عتیق اور جدید
کے بہت سے اقوال بالاتفاق آپ کے کفارہ کے مخالف ٹھہرے ہیں توکم سے کم آپ کو
یہ کہنا چاہیئے کہ اس عقیدہ میں آپ سے غلط فہمی ہوگئی ہے - کیونکہ ایک عبارت کے معنی کرنیمیں
کبھی انسان دھوکا بھی کھاجاتا ہے - جیسا آپ فرماتے ہیں کہ آپکے بھائیوں رومن کیتھلک اور
یونی ٹیرین نے انجیل کے سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے اور وہ دونوں فریق آپ کو دھوکا پر سمجھتے ہیں
پھر جب گھر میں ہی پھوٹ ہے تو پھر آپ کا اتفاقی مسئلہ کو چھوڑ دینا اور اختلافی خبر کو پکڑ لینا
کب جائز ہے *

(باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب	ازجانب
اہل اسلام	عیسائی صاحبان

دسواں پرچہ

مباحثہ یکم جون ۱۸۹۳ء

روئداد

آج پھر جلسہ منعقد ہوا اور ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۸ منٹ پر سوال لکھانا شروع کیا اور ۷ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعدہ مرزا صاحب نے ۸ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۹ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا بعد اس کے ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۴۷ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۶ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا بعد ازاں تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخاست ہُوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

میں نے کل کے بیانات فریق ثانی میں دو صدائیں عجیب و غریب سُنی ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ گویا میں نے آپ کے کسی امر کا جواب نہیں دیا دوسرا یہ کہ گویا میں نے اقبال کیا ہے کہ اقنوم ثانی الوہیت سے مسیح کی انسانیت تیس برس تک خالی رہی ہے اگر یہ غلط فہمی ہے تو ان دو امروں کی اصلاح اس وقت میں کرتا ہوں۔ پہلی غلطی کا میرا یہ جواب ہے کہ بعد طبع ہونے مباحثہ کل کے عام کے سامنے وہ کھا جائیگا کہ منصف مزاج آپ ہی فیصلہ کر لیں گے کہ میں نے جواب نہیں دیا کہ فریق ثانی نے جواب نہیں دیا

دوسرے بارہ میں میرا جواب یہ تھا کہ مسیحیت میں خصوصیت مظہریت کی نمودار اس وقت ہوئی کہ جب وہ بپتسما پاکر پریوں میں سے نکلا اور جس وقت یہ صدا آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں تم اسکی سنو۔ اس وقت سے وہ مسیح ہوا۔ پس اُن دونوں صداؤں کو میں مشابہ چھوٹے ڈھول یا پھٹے نقارہ کے قرار دیتا ہوں۔

دویم۔ فریق ثانی نے یقیناً میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ تقاضائے عدل الٰہی کیونکر پورا ہوا اور نہ اس کے عدل کا کچھ لحاظ فرمایا۔ اسی لیئے میں اس سوال پر اَور کچھ نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں۔ باقی سوال جو میرے ہیں اُن کو پیش کرتا ہوں۔ منجملہ اُن سوالوں کے پہلا سوال میرا یہ ہے (س ۴۔ ر ۷) یقولون ھل لنا من الامر شئ قل ان الامر کلہ للہ کہتے ہیں کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ کہہ کہ سب کام ہیں اللہ کے ہاتھ۔ انجیل میں ایسا تو لکھا ہے کہ پرہی ولج جسکا ترجمہ قریب قریب لفظ وسعت سے ہوسکتا ہے بجناب اللہ کے بخشے جاتے ہیں چنانچہ کسی کو ظرف یا عضو عزت کا بنایا گیا ہے اور کسی کو ذلت کا۔ پھر کسی کو مخدوم ہونا بخشا گیا ہے اور کسی کو خادم ہونا۔ لیکن جہنم کسی کے نصیب نہیں کیا گیا۔ اور نہ تباہ شدنی کسی کو ٹھہرایا گیا ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ فرعون کو اسی لیئے برپا ہونے دیا گیا (اصل لفظ ہے برپا کیا گیا۔ مراد اسکی ہے برپا ہونے دیا گیا) تاکہ اس میں جلال صفات الٰہی کا زیادہ ہو لیکن یہ نہیں لکھا کہ انسان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ تاہم اس کے عملوں پر مواخذہ ہے۔ غرضیکہ قرآن و انجیل قلیم کی میں فرق یہ ہے کہ قرآن تو اختیار انسانی کے متناقص تعلیم دیتا ہے اور انجیل پرہی ولجوں میں اور پرمشنوں میں اختیار فعل مختیاری انسان کا نقیض نہیں کرتی اور اگرچہ قرآن میں ساتھ جبر کے قدر بھی ہے لیکن یہ دونوں باہم متفق نہیں ہوسکتے۔

تیسرا سوال ہمارا یہ ہے کہ جبکہ قرآن کی سورۃ توبہ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون رکوع ۴ میں یوں لکھا ہے کہ قتل کرو اُن کو جو اللہ اور دن قیامت کو نہیں مانتے اور نہ حرام کرتے ہیں اُس شے کو اپنے اوپر جس کو اللہ و رسول نے حرام کیا منجملہ ان کے جو اہل کتاب ہیں جب تک دیتے رہیں جزیہ اپنے ہاتھوں اور ذلیل رہیں۔ اسمیں ایمان بالجبر کا ہمارا الزام ہے۔ موسیٰ کے جہاد اَور قسم کے تھے انمیں سے ایمان منحصر بہ ایمان کوئی نہ دکھلا سکیگا اور یہاں آیت مذکورہ میں نہ دفعیہ کا جہاد ہے نہ انتقام کا جہاد بلکہ وہ جہاد ہے جو اصول قرآنی کو نہ مانے وہ مارا جائے۔ اسی کا نام ہے ایمان بالجبر ہمارے مکرم سر سید احمد خاں بہادر نے جہاد بالجبر کو نہیں مانا اُن کا فرمانا یہ ہے کہ یا مانو یا مرو یا جزیہ گزار

ہو کر جیتے رہو۔ لیکن بابت تیسری شرط یعنی جزیہ کے ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ متعلق اہل کتاب کے
اس لفظ کو کیوں لکھا۔ من الذین میں لفظ من کا فاضل ہے اور اہل کتاب کا لفظ سارے
اس کے متن سے مستثنیٰ ہے پھر یہ کیا خوش فہمی نہیں کہ اس تیسری شرط کو بھی عامہ قرار دیا جائے
اور وہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جملہ لا اکراہ فی الدین سے سارا اعتراض ایمان بالجبر کا باطل
ہو جاتا ہے لیکن اگر ہم دکھلا سکیں کہ قرآن میں یہ حکم بھی ہے کہ اے مسلمانوں جب تمہارے
سامنے کوئی سفید پوش آوے اور تمکو سلام علیک کرے تو تم اُس کے کپڑے اُتار لینے کے لئے
یوں مت کہو کہ تو مکار ہے درحقیقت مسلمان نہیں خدا تمکو دولت اَور طرح بہت دیدیگا۔ تو کیا یہ
اکراہ نہیں کہ بہتان مکاری اُس کے کپڑے اُتار لیویں اور کیا یہ پالسی کے برخلاف نہیں۔ جو
ترقی دین کو روک دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی چند شق اس امر کے ہیں جو سمت مخالف سے پیش
ہو سکتے ہیں جن کے پیش ہونے پر ہم اس کا جواب دیں گے۔

سوم۔ نمونہ تعلیمات قرآن کا تو یہ ہے جو اوپر عرض ہوا۔ تسپر معجزات کا خفیف سا پردہ بھی کچھ
نہیں جو کچھ دھوکا دیسکے۔ چنانچہ محمد صاحب کو صاحب معجزہ ہونے کا انکار مطلق ہے۔

بعض محمدی صاحبان فاتوا بسورۃ من مثلہ میں ایک بڑا معجزہ فصاحت وبلاغت کا
بیان کرتے ہیں مگر کس امر میں مثال طلب کیجاتی ہے اس آیت میں اس کا ذکر کچھ نہیں فصاحت و
بلاغت کے دعوے کا قرآن میں کہیں لفظ تک نہیں۔ غالباً مراد قرآنی اس دعوے میں
یہ ہے کہ ازانجا قرآن خلاصہ کتب انبیا سلف کا ہے جن کو خدا کے سوا کوئی مخلوق نہیں بنا سکتا
لہذا وہ بھی قرآن بمثیل ہے یعنی اس میں تقدس تعلیمات کا دعوےٰ ہے فصاحت بلاغت کا
نہیں بلکہ برخلاف فصاحت وبلاغت کے قرآن میں یوں بھی لکھا ہے کہ وہ آسان کیا گیا عربی
زبان میں واسطے اہل عرب کے۔ اور جو فصاحت بلاغت جدید مطلق ہووے تو وہ محتاج تلقین کی
ہو جاتی ہے اور آسانی کے برخلاف آسان نہیں رہتی۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بروئے قرآن
محمد صاحب اُمی محض نہ تھے بلکہ قرآن میں یوں لکھا ہے کہ جو اہل کتاب نہیں وہ اُمّی ہے اور
فی الواقعہ علم عبرانی اور یونانی کا آنجناب کو حاصل نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ لفظ کتاب
کا باصطلاح قرآنی علی العموم بمعنی کتاب الہامی کے ہے۔ کتاب دنیاوی نہیں۔

چوتھا۔ جناب نے میرے کل کے ایک سوال کا جواب پورا نہیں دیا جس میں میرا استفسار
تھا کہ مسیح کی پیدائش معجزہ ہی تھی یا نہیں یعنی باپ اس کا نہیں تھا یا تھا۔ فرشتہ خاص کر جبرئیل
مریم آپکی والدہ کے پاس خوشخبری لائے تھے یا نہیں۔ اور وہ جو جناب اپنی روایت کا ذکر
فرماتے ہیں کہ محمد صاحب سے وہ ہمکلام ہو کے آتے ہیں ہمارے نزدیک اس کا ثبوت جناب کے

پیشوا کے معراج سے کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔ نیز یہ بھی ہمارا استفسار ہے کہ جناب یونی ٹیرین اور کیتھلک کو ہمارے اوپر حاکم کیوں بناتے ہیں وہ مسیحی تو کہلاتے ہیں مگر ہم ان کو بمعنی مسیحی کہتے ہیں۔ ہمارے آرچ بشپ ڈپٹی صاحب نے جب حلقہ اس طرح کا کھینچا کہ دین مسیح کہاں تک موثر ہے تو اُنھوں نے تو اہل اسلام کو بھی مسیحیوں میں گنا ہے اور دلائل اس کے قرآن سے دئیے ہیں لیکن ہم ان کو صحیح مسیحی نہیں مان سکتے۔

(باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
ازجانب عیسائی صاحبان	ازجانب اہل اسلام

بیان حضرت مرزا صاحب

یکم جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب اوّل یہ فرماتے رہیں کہ میں نے اس بات کا اقبال نہیں کیا کہ اقنوم ثانی یعنی حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے خالی رہے۔ اس کے جواب میں صرف ڈپٹی صاحب موصوف کی عبارت مرقومہ ۳۰ مئی ۱۸۹۳ء کو سامنے رکھ دینا کافی ہے اور وہ یہ ہے۔

ششم۔ جناب جو پوچھتے ہیں کہ مظہر اللہ مسیح بعد نزول روح القدس کے ہوئے یا ما بعد اُسکے۔ ہمارا اس جگہ پر جواب قیاسی ہے کہ روح القدس کے نازل ہونے کے وقت ہوئے۔ اب سوچنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ کیا اس عبارت کے بجز اسکے کوئی اور بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے جو کبوتر کی شکل میں اُن پر نازل ہوا مظہر اللہ نہیں تھے پیچھے سے مظہر اللہ بنے پھر جب مظہر اللہ کی مطلق نفی بغیر کسی استثنا کے ڈپٹی صاحب نے کر دی تو کیا بجز اس کے کوئی اور بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیح کبوتر نازل ہونے سے پہلے صرف انسان تھے کیونکہ مظہر اللہ کا لفظ کسی تقسیم اور تجزیہ کے قابل نہیں اور اُن کی عبارت سے ہرگز یہ نکلتا نہیں کہ مخفی طور پر پہلے مظہر اللہ تھے اور پھر علانیہ طور پر ہو گئے۔ وہ تو صاف فرما رہے ہیں کہ بعد روح القدس کے

مظہر اللہ ہوئے - اب یہ دوسرا بیان پہلے بیان کی تفصیل نہیں ہے بلکہ صریح اس کے مخالف اور اسکا ضد پڑا ہوا ہے اور اقرار کے بعد انکار کرنا انصاف پسندوں کا کام نہیں بلاشبہ وہ اقرار کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح تیس برس تک مظہر اللہ ہونے سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب تھے کیونکہ ہمارا سوال تھا کہ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے مظہر اللہ تھے یا بعد اس کے ہوئے تو آپ نے قطعی طور پر بعد کو اختیار کیا اور صاف طور پر اقرار کرلیا کہ بعد میں مظہر اللہ بنے اب اس میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں جب عام میں یہ سوال پھیلے گا اور پبلک کے سامنے آئیگا تو خود لوگ سمجھ لیں گے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ اقرار کے بعد انکار کیا ہے یا کوئی اور صورت ہے اور اب وہ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ ہمنے کہنا تھا وہ کہدیا - بعد اس کے کچھ نہیں کہیں گے مگر افسوس کہ انہوں نے یہ طرز حق پرستوں کی اختیار نہیں کی - معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو دوسروں کی تحریک اور نکتہ چینی سے بعد میں فکر پڑی کہ ہمارے اس قول سے مسیح کا انسان ہونا اور مظہر اللہ سے تیس برس تک خالی ہونا ثابت ہوگیا تو پھر اس مصیبت پیش آمدہ کی وجہ سے آج انہوں نے یہ تاویل رکیک پیش کی مگر درحقیقت یہ تاویل نہیں بلکہ صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں انکار ہے - پھر بعد اس کے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا جواب نہیں آیا یعنی تقاضائے عدل کیونکر پورا ہو میں نے کل کے بیان میں صاف لکھا دیا تھا کہ آپ کا یہ دعوے کہ رحم اور عدل دونوں دوش بدوش اور خدا تعالے کے لیئے ایک ہی وقت میں لازم پڑے ہوتے ہیں یہ غلط خیال ہے پھر مکرر کچھ لکھتا ہوں کہ رحم قانون قدرت کی شہادت سے اوّل مرتبہ پر ہے اور دائمی اور عام معلوم ہوتا ہے لیکن عدل کی حقیقت قانون الٰہی کے نازل ہونے کے بعد اور وعدہ کے بعد متحقق ہوتی ہے یعنی وعدہ کے پہلے عدل کچھ بھی چیز نہیں اس وقت تک مالکیت کام کرتی ہے اگر وعدہ سے پہلے عدل کچھ چیز ہے تو ڈپٹی صاحب ہمارے کل کے سوال کا ذرا متنبہ ہوکر جواب دیویں کہ ہزاروں انسانوں کے بچے اور پرند اور چرند اور کیڑے مکوڑے بے وجہ ہلاک کیئے جاتے ہیں وہ باوجود عدل کی دائمی صفت کے کیوں کیئے جاتے ہیں اور بموجب آپ کے قاعدہ کے کیوں عدل ان کے متعلق نہیں کیا جاتا ہے - اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالے پر کسی چیز کا حق نہیں ہے انسان اپنے حق سے بہشت کو بھی نہیں پا سکتا صرف وعدہ سے - یہ مرتبہ شروع ہوتا ہے جب کتاب الٰہی نازل ہوچکتی ہے اور اس میں وعدہ بھی ہوتے ہیں اور وعید بھی - تب تو اللہ تعالےٰ اپنے وعدہ وعید کی رعایت سے ہر ایک نیک و بد سے معاملہ کرتا ہے اور جبکہ عدل فی ذاتہ کچھ بھی چیز نہیں بلکہ وعدہ وعید پر تمام مدار ہے اور خداوند تعالے کے مقابل پر کسی چیز کا کوئی بھی حق نہیں تو پھر عدل کیونکر رکھا جاوے عدل کا مفہوم ضرور اس بات کو چاہتا ہے کہ اول جانبین میں

حقوق قرار دیئے جائیں لیکن مخلوق کا خدا تعالےٰ پر جس نے عدم محض سے اُس کو پیدا کیا کوئی حق نہیں ورنہ ایک کتا مثلاً کہہ سکتا ہے کہ مجکو بیل کیوں نہیں بنایا اور بیل کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو انسان کیوں نہیں بنایا اور چونکہ یہ جانور اسی دنیا میں جہنم کا نمونہ بھگت رہے ہیں اگر عدل خدا تعالےٰ پر ایک لازمی صفت تھوپ دیجائے تو ایسا سخت اعتراض ہوگا کہ جس کا جواب آپ سے کسی طور پر نہ بن پڑے گا پھر آپ نے جبر قدر کا اعتراض پیش کیا ہے اور فرماتے ہیں۔ کہ قرآن سے جبر ثابت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ شاید آپ کی نظر سے یہ آیات نہیں گزریں جو انسان کے کسب و اختیار پر صریح دلالت کرتی ہیں اور یہ ہیں۔

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ (س ۲۷ - ۲۷) کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے جو اُس نے کوشش کی ہو یعنی عمل کرنا اجر پانے کے لیئے ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علیٰ ظھرھا من دابۃ (س ۲۲ ر ۵) یعنی خدا اگر لوگوں کے اعمال پر جو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اُن کو پکڑتا تو کوئی زمین پر چلنے والا نہ چھوڑتا اور پھر فرماتا ہے لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔ (س ۳ ر ۴) اس کے لیئے جو اس نے کام اچھے کیئے اور اُس پر جو اس نے بُرے کام کیئے۔ پھر فرماتا ہے من عمل صالحاً فلنفسہ (س ۲۴ ر ۶) جو شخص اچھا کام کرے سو اُس کے لیئے اور جو بُرا کرے وہ اُس کے لیئے۔ پھر فرماتا ہے وکیف اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت ایدیھم (س ۹ ر ۶) یعنی کس طرح جس وقت پہونچے اُن کو مصیبت بوجہ ان اعمال کے جو اُن کے ہاتھ کر چکے ہیں۔ اب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے کاموں میں اختیار بھی رکھتا ہے۔ اور اس جگہ ڈپٹی صاحب نے جو یہ آیت پیش کی ہے۔ یقولون ھل لنا من الامر شئی۔ اور اس سے ان کا مدعا یہ ہے کہ اس سے جبر ثابت ہوتا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے در اصل بات یہ ہے کہ امر کے معنی حکم اور حکومت کے ہیں اور یہ بعض اُن لوگوں کا خیال تھا جنہوں نے کہا کہ کاش اگر حکومت میں ہمارا دخل ہوتا تو ہم ایسی تدابیر کرتے جس سے یہ تکلیف جو جنگ احد میں ہوئی ہے پیش نہ آتی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قل ان الامر کلہ للہ یعنی تمام امر خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہیں تمہیں اپنے رسول کریم (صلعم) کا تابع رہنا چاہیئے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت کو قدر سے کیا تعلق ہے۔ سوال تو صرف بعض آدمیوں کا اتنا تھا کہ اگر ہماری صلاح اور مشورہ لیا جاوے تو ہم اس کے مخالف صلاح دیں تو اللہ تعالےٰ نے اُن کو منع فرمایا کہ اس امر کی اجتہاد پر بنا نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ کا حکم ہے پھر بعد اس کے واضح رہے کہ تقدیر کے معنی صرف اندازہ کرنا ہے جیسے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ وخلق کل شیء فقدرہ تقدیراً (س ۱۸ ر ۱۰) یعنی ہر ایک چیز کو پیدا کیا تو پھر

اس کے لیئے ایک مقرر اندازہ ٹھہرا دیا۔ اِس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے اختیارات سے روکا گیا ہے بلکہ وہ اختیارات بھی اسی اندازہ میں آگئے جب خدا تعالےٰ نے انسانی فطرت اور انسانی خوئے کا اندازہ کیا تو اس کا نام تقدیر رکھا اور اسی میں یہ مقرر کیا کہ فلاں حد تک انسان اپنے اختیارات برت سکتا ہے یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تقدیر کے لفظ کو ایسے طور پر سمجھا جائے کہ گویا انسان اپنے خداداد قوٰے سے محروم رہنے کے لیئے مجبور کیا جاتا ہے۔ اس جگہ تو ایک گھڑی کی مثال ٹھیک آتی ہے کہ گھڑی کا بنانے والا جس حد تک اُس کا دَور مقرر کرتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی۔ یہی انسان کی مثال ہے کہ جو قوٰے اُس کو دیئے گئے ہیں اُن سے زیادہ وہ کچھ کر نہیں سکتا اور جو عمر دی گئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا۔ اور یہ سوال کہ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں جبر کے طور پر بعضوں کو جہنمی ٹھہرا دیا ہے اور خواہ نخواہ شیطان کا تسلط اُن پر لازمی طور پر رکھا گیا ہے یہ ایک شرمناک غلطی ہے۔ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیھم سلطان کہ اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کچھ بھی تسلط نہیں۔ دیکھئے کس طرح پر اللہ تعالےٰ انسان کی آزادی ظاہر کرتا ہے منصف کے لیئے اگر کچھ دل میں انصاف رکھتا ہو تو یہی آیت کافی ہے۔ لیکن انجیل متی سے تو اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے کیونکہ انجیل متی سے یہ بات پایۂ ثبوت پر پہونچتی ہے کہ شیطان حضرت مسیح کو آزمائش کے لیئے لے گیا تو یہ ایک قسم کی حکومت شیطان کی ٹھہری کہ ایک مقدس نبی پر اس نے اس قدر جبر کیا کہ وہ کئی جگہ اُس کو لیئے پھرا یہاں تک کہ بے ادبی کی راہ سے اُسے یہ بھی کہا کہ تو مجھے سجدہ کر اور ایک بڑے اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُن کی شان و شوکت اُسے دکھلائیں۔ دیکھو متی ۴؍۸ اور پھر غور کر کے دیکھو کہ اس جگہ پر شیطان کیا بلکہ خدائی جلوہ دکھلایا گیا ہے کہ اول وہ بھی اپنی مرضی سے مسیح کی خلاف مرضی ایک پہاڑ پر اُس کو لے گیا اور دنیا کی بادشاہتیں دکھادینا خدا تعالےٰ کی طرح اُس کی قوت میں ٹھہرا۔ اور بعد اس کے واضح ہو کہ یہ بات جو آپ کے خیال میں جم گئی ہے کہ گویا قرآن کریم نے خواہ نخواہ بعض لوگوں کو جہنم کے لیئے پیدا کیا ہے یا خواہ نخواہ دلوں پر مُہریں لگا دیتا ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ لوگ کبھی انصاف کی پاک نظر کے ساتھ قرآن کریم کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو اللہ جل شانہ کیا فرماتا ہے۔ لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین (س ۲۳ - ۵؍۷) یعنی شیطان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں جہنم کو تجھ سے اور اُن لوگوں سے جو تیری پیروی کریں بھروں گا۔ دیکھئے اس آیت سے صاف طور پر کھل گیا اللہ تعالےٰ کا یہ منشاء نہیں ہے کہ خواہ نخواہ لوگوں کو جبر کے طور پر جہنم میں ڈالے بلکہ جو لوگ اپنی بد اعمالیوں سے جہنم کے لائق ٹھہریں ان کو جہنم میں گرایا جاوے گا۔ اور پھر فرماتا ہے یضل بہ کثیرا و

یھدی بہ کثیرا ومایضل بہ الا الفاسقین - یعنی بہتوں کو اس کلام سے گمراہ کرتا ہے
اور بہتوں کو یہ ہدایت دیتا ہے۔ مگر گمراہ اُن کو کرتا ہے جو گمراہ ہونے کے کام کرتے ہیں اور فاسقانہ
چالیں چلتے ہیں یعنی انسان اپنے ہی افعال کا نتیجہ خدا تعالےٰ سے پالیتا ہے جیسے کہ ایک شخص آفتاب
کے سامنے کی کھڑکی جب کھول دیتا ہے تو ایک قدرتی اور فطرتی امر ہے کہ آفتاب کی روشنی اور
اُس کی کرنیں اُس کے مونھ پر پڑتی ہیں لیکن جب وہ اس کھڑکی کو بند کر دیتا ہے تو اپنے ہی فعل سے
اپنے لیئے اندھیرا پیدا کرلیتا ہے۔ چونکہ خدا تعالےٰ علت العلل ہے بوجہ اپنے علت العلل ہونیکے
ان دونوں فعلوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے لیکن اپنے کلام پاک میں اس نے بارہا تصریح سے
فرمادیا ہے کہ جو ضلالت کے اثر کسی کے دل میں پڑتے وہ اسی کی بداعمالی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔
اللہ تعالےٰ اسپر کوئی ظلم نہیں کرتا جیسا فرماتا ہے فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم (س ۲۸ ر ۹)
پس جبکہ وہ کج ہوگئے تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے دلوں کو کج کر دیا۔ پھر دوسرے مقام میں فرماتا
ہے۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا - اُن کے دلوں میں مرض تھی خدا تعالےٰ نے
اس مرض کو زیادہ کیا یعنی امتحان میں ڈال کر اس کی حقیقت ظاہر کر دی۔ پھر فرماتا ہے بل طبع اللہ
علیھا بکفرھم - یعنی خدا تعالےٰ نے بباعث اُن کی بے ایمانیوں کے اُن کے دلوں پر مہریں
لگادیں۔ لیکن یہ جبر کا اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو آپ کی کتب مقدسہ پر ہوگا۔ دیکھو خروج ۴/۲۱ خدا
نے موسےٰ کو کہا میں فرعون کا دل سخت کروں گا اور جب سخت ہوا تو اس کا نتیجہ جہنم ہے یا
کچھ اَور ہے دیکھو خروج ۷/۳ امثال باب ۱۶/۴ پھر خروج ۱۰/۲ استثنا ۲۹/۴ خدانے تمکو وہ
دل جو سمجھے اور آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سُنیں آج تک نہ دئیے۔ اب دیکھئے کیسے جبر
کی صاف مثال ہے۔ پھر دیکھو زبور ۱۴۸/۶ اُس نے ایک تقدیر مقدر کی جو ٹل نہیں سکتی
رومیان ۹/۱۸ کاریگری کا کاریگر پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اب ان تمام آیات سے آپکا اعتراض
اُلٹ کر آپ ہی پر پڑا اور پھر بعد اس کے آپ نے جہاد پر اعتراض کر دیا ہے مگر یہ اعتراض طریق
مناظرہ کے بالکل مخالف ہے اور آپ کی شرائط میں بھی یہی درج تھا کہ نمبروار سوالات ہوں گے
بجز اس کے کیا مطلب تھا کہ پہلے سوال کا جواب ہو جائے تو پھر دوسرا پیش ہو اور خبط بحث
نہ ہو اور آپ کے پہلے سوال کا جواب جو آپ نے عدل پر کیا کچھ نتیجہ رہ گیا تھا وہ یہ ہے کہ
آپ کے اس خود ساختہ قانون کو حضرت مسیح توڑتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے بیان کے مطابق
نجات کا مدار وعدوں پر رکھتے ہیں اور احکام الٰہی جن کی جزا وعدہ کے طور پر بیان کی گئی پیش
کرتے ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مُبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے مبارک
وے جو رحمدل ہیں کیونکہ ان پر رحم کیا جاوے گا مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وہ خدا کو

دیکھیں گے اب آپ کیا فرماتے ہیں کہ یہ وعدے جو غمگینوں اور رحمدلوں اور پاک دلوں کے لیئے وعدہ کیئے گئے تھے یہ پورے ہوں گے یا نہیں اگر پورے ہوں گے تو اس جگہ تو کسی کفارہ کا ذکر تک بھی نہیں اور اگر پورے نہیں ہوں گے تو تخلف وعدہ ٹھہرا یا جو خدا تعالے کی ہدایتوں کی نسبت تجویز کرنا ایک سخت گناہ ہے۔ غرض ہم نے آپ کے رحم بلا مبادلہ کو قرآن شریف کی کامل تعلیم اور قانون قدرت اور آپ کی کتب مقدسہ سے بخوبی رد کر دیا۔ اب ثابت شد کامر کے برخلاف اگر ضد نہیں چھوڑیں گے تو منصفین خود دیکھ لینگے خدا تعالے کی تمام تعلیمیں قانون قدرت کے موافق ہیں اور بقول ڈاکٹر مارٹن کلارک صاحب قرآنی توحید ایسی صاف اور پاک اور مطابق قانون فطرت ہے جو بچے بھی اسکو سمجھ سکتے ہیں لیکن آپ کا یہ مسئلہ تثلیث نہ بچے تو کیا آجکل کے فلاسفر بھی خلاف عقل ٹھہراتے ہیں۔ پھر کیا وہ تعلیم جو انسانی فطرت کے مطابق اور قانون قدرت کے موافق اور ایسی چمکتی ہے کہ بچے بھی اس کو قبول کر لیتے ہیں اور تمام مذاہب کے زوائد نکال کر وہی توحید باقی رہجاتی ہے کیونکر رد کرنے کے لائق ٹھہرتی ہے اور آپ کے سوال جہاد کا دوسرے موقعہ پر جواب دیا جاوے گا مگر آپ نے داب مناظرہ کے برخلاف کیا جو سوال پر سوال کر دیا اس کو ناظرین خود دیکھ لیں گے ✦

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

ازجانب ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

یکم جون سنہ ۱۸۹۳ء

۹/۲۷

جناب کا یہ فرمانا کہ مسیح تیس برس تک الوہیت سے خالی رہے بقول میرے یہ خوش فہمی ہے میرا کہنا یہ ہی تھا کہ مسیحیت کے عہدہ پر وہ تب تک نہیں آئے۔ اور یہ صحیح ہے باقی جو کچھ آپ نے فرمایا وہ زاید ہے۔ بیجدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے

خالی رہے اقنوم ثانی کا جو رشتہ انسانیت سے ہے واسطے مسیحیت کے ہے۔ اقنوم ثانی گو ساتھ الوہیت کے ہوتا ہم وہ مسیح نہیں تھا جب تک کہ تیس برس کا ہوا۔

مظہر اللہ کے معنی کیا ہیں اور کس مراد سے یہ کلمہ استعمال ہوا ہے ہماری نظر میں تو یہ معنی ہیں جائے ظہور اللہ کی اور واسطے عہدہ مسیحیت کے ہیں پھر کیوں اس پر آپ تنازعہ کرتے ہیں۔ روح القدس برائے گواہی اس امر کے آیا کہ یہ بیٹا خدا کا ہے خدا نے کہا میں اس سے راضی ہوں نہ اس لیئے کہ اس وقت آن کر اس کے بیچ میں داخل ہوا۔

(۲) آپکے دوسرے امر کا جواب یہ ہے کہ جو چاہو آپ فرماؤ لیکن اس کا جواب آپ نے نہیں دیا کہ تقاضائے عدل کا کیونکر پورا ہوا اگر آپ کے فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ تقاضائے عدل کچھ شے نہیں ہے تو ہمارا آپ سے اس صداقت اولٰے پر اتفاق نہیں۔

(۳) آپ فرماتے ہیں کہ جبر قرآن سے ثابت نہیں مجھے اس میں حیرانی ہے کہ آپ اس آیت کے لفظوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے جس میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے اور بجواب اس کے کہا جاتا ہے کہ کہدے سب کام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور آیات تو میں اس مقدمہ میں بہت قرآن سے دیکھتا ہوں لیکن حاجت نہیں پھر آپ کا عقیدہ اس میں جو لکھا ہے والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالٰی خیر اور شر اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے وہ نتیجہ منتخب قرآن سے ہے۔ جو انجیل کی آیتوں کے اوپر اپنے اپنا حاشیہ چڑھایا ہے سو صحیح نہیں میں نے عرض کر دیا ہے کہ بدی کے واسطے خدا کی طرف سے پرمشن ہوتا ہے یعنی اجازت اور پرو بچوں کے واسطے وہاں ہی تک حد ہے کہ جس میں دوزخ اور بہشت کا کچھ ذکر نہیں۔ دنیا کے اندر کمی اور زیادتی وسعت کا ذکر ہے پھر اُن کو آپ مسئلہ قرآن کا کیونکر کہتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ قرآن میں جبر اور قدر ہر دو ہیں لیکن یہ امر ہر دو باہم متفق نہیں ہوسکتے بلکہ ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسا کہ یہ کہنا کہ اختیار ہے بھی اور نہیں بھی صاف نقیض ہے۔

(۴) خداوند مسیح کی آزمائش میں شیطان نے جو انسانیت کا امتحان کیا ہے آپ کا مطلب کیا ہے کچھ ظاہر نہیں اس میں جبر و قدر کا علاقہ کیا ہے۔

آپ کی مثال آفتاب کی نہ معلوم کیونکر برمحل ہے جب آپ کہتے ہیں کہ سبب ثانی کے افعال بھی خدا تعالٰے اپنی طرف جو سبب اولٰے ہے منسوب کرتا ہے۔ نہ معلوم کیوں کرتا ہے۔ کیا ضرورت اس کی تھی۔ سبب ثانی کے افعال ایسی صورت میں سبب اولٰے سے منسوب ہوسکتے ہیں کہ جب کچھ دخل سبب اولٰے کا بھی

اس میں ہو۔
سبب اولے نے ایک شخص کو فعل مختار بنایا۔ فعل مختاری در خود جب تک کچھ اس سے ظہور نہ ہووے قابل مواخذہ کے نہیں۔ لہٰذا وہ درحقیقت بُری بھی نہیں بلکہ بھلی ہے۔ اور سبب اولے اگر اس میں دخل دیوے تو فعل مختاری کا نقیض ہو جاوے۔ یہ خود اس کے منصوبہ فعل مختار بنانے سے بعید ہے۔ اس کے معنی ہم نے کر دیئے ہیں کہ فرعون کا دل کیونکر سخت کر دیا ہمنے اس کے معنے پہلے عرض کر دیئے یعنے یہ کہ اس کو بدی کرنے سے روکا نہیں اور اپنے فضل کا ہاتھ اُس سے اُٹھا لیا۔ اسی طرح سے اس کا دل سخت ہو گیا۔ پھر اس میں خدا تعالےٰ نے کچھ نہیں کیا مگر اجازت روکنے کی نہیں دی اس کو ہمارے ہاں پرمشن کہتے ہیں۔ اور یہ کلام مجاز ہے کہ اُن کو آنکھیں دیکھنے کی نہیں دیں۔ یا کان سُننے کے نہیں دیئے جس سے یہ مراد ہوئی کہ آنکھ اور کان رکھتے ہوئے جب وہ نہیں دیکھتے اور نہیں سُنتے کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو روکا نہیں ایسا ہی کلام مجازیہ ہے کہ جس طرح باپ اپنے لڑکے سے ناراض ہو کر کہتا ہے کہ تو مر جائے اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ مر جائے۔ بلکہ یہ کہ اس کے افعال سے وہ ناراض ہے۔

(۵) میں نے دیکھا تھا کہ سوال چھوٹا ہے اور گنجائش دو کی ہے۔ تو میں نے دو سوال کر دیئے۔ آپ جب چاہیں اس کا جواب دیدیویں ہم آپ کو اس میں عاجز نہ سمجھیں گے کہ آپ نے اسی وقت اس کا جواب نہیں دیا اور پھر جب آپ جواب چاہیں گے اس کا تکرار بھی کر دیں گے۔

(۶) آپ جو ان وعدوں میں کفارہ کا ذکر پوچھتے ہیں جو مسیح نے باب ۵۔ متی میں دیئے اس میں بڑا تعجب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کیا سارے مضامین ایک ہی جگہ جمع کیئے جاتے ہیں۔ اگر اس جگہ میں ذکر نہیں تو بہت جگہوں میں ذکر ہے جن کے حوالہ ہم بار بار دے چکے آپ کے ذمہ یہ تھا کہ دکھلاویں کہ کفارہ کی نفی اُن میں ہے۔ آپ اپنا بار ثبوت دوسرے پر کس لیئے ڈالتے ہیں۔

(۷) اگر آپ نے رحم بلا مبادلہ کو قانون قدرت اور آیات قرآنی اور کتب مقدسہ سے رد کر دیا ہے تو بس خوشی ہوئی۔ ان امروں کا جب چھپ جائیں گے ہر ایک بجائے خود انصاف کرے گا۔ ہم جو دلائل اس کے دے چکے ہیں اُن کا تکرار بار بار ہر وقت پانی بلونے کی جانتے ہیں۔

(۸) مسئلہ تثلیث کے بارہ میں جو ہم نے دلائل دیئے ہیں جب تک انکا رد آپ کی

طرف سے مدلل ہو کے نہ آوے تو ہم اسپر توجہ نہیں کر سکتے - آپ نے یہ عادت اختیار فرمائی ہے کہ ثبوت کی طرف توجہ نہ کرنا اور پھر اسی امر کا تکرار کر دینا -

(۹) مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ میرے سوالات کا جواب نہیں دیتے ہیں اور نہ میرے جوابات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں - آج بھی ہمارا ایک سوال یہ پڑا ہے کہ انجیل کے رُو سے مریم کے پاس جبرائیل کا آنا آپ مانتے ہیں یا نہیں - اور یہ کہ مسیح کی پیدائش معجزہ ہی کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں - لیکن آپ نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی +

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک	غلام قادر - فصیح
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
از جانب	از جانب
عیسائی صاحبان	اہل اسلام

گیارھواں پرچہ

مباحثہ ۲۔جون ۱۸۹۳ء

روئیداد جلسہ

آج مرزا صاحب نے ۶ بجے ۹ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور ۷ بجے ۹ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۴۰ منٹ پر جواب لکھوانا شروع کیا اور ۸ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۹ بجے ایک منٹ پر جواب لکھانا شروع کیا اور ۱۰ بجے ایک منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ بعد ازاں فریقین کی تحریروں پر پریذیڈنٹ صاحبان کے دستخط ہو کے جلسہ برخواست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح۔ (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب

۲۔جون ۱۸۹۳ء وقت ۶/۱

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ "بیجدی سے خالی ہونا تو کسی کا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مسیح اس سے خالی رہے یعنی مسیح روح القدس کے نزول سے پہلے بھی مظہر اللہ ہی تھا کیونکہ عام معنوں سے تو تمام مخلوقات مظہر اللہ ہے۔" جواب میں کہتا ہوں کہ آپ کا اب بھی وہی اقرار ہے کہ خاص طور پر مسیح مظہر اللہ نزول روح القدس کے بعد ہوئے اور پہلے اوروں کی طرح عام مظہر تھے۔ اور پھر ڈپٹی صاحب موصوف تین اقنوم کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپ کا ذکر بے ثبوت ہے آپ نے اس پر

کوئی عقلی دلیل نہیں دی اور یوں تو ہر ایک نبوت کے سلسلہ میں تین جزوں کا ہونا ضروری ہے اور آپ صاحبوں کی یہ خوش فہمی ہے کہ اُن کا نام تین اقنوم رکھا - روح القدس اسی طرح حضرت مسیح پر نازل ہوا جس طرح قدیم سے نبیوں پر نازل ہوتا تھا جس کا ثبوت ہم دے چکے - نئی بات کون سی تھی -

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی پہلے لکھا ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں میں کہتا ہوں کہ گو یہ بات سچ ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے الیہ یرجع الامر کلہ ۔ خدا تعالیٰ کی طرف ہی ہر ایک امر رجوع کرتا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس سے انسان کی مجبوری لازم آتی ہے غلط فہمی ہے یوں تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ میں مینھ برساتا ہوں اور برق و صاعقہ کو پیدا کرتا ہوں اور کھیتیاں اُگاتا ہوں مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسباب طبعیہ مینھ برسنے اور رعد و برق کے پیدا ہونے کے جو ہیں اس سے اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے بالکل فضول ہے کیونکہ یہ مراتب بجائے خود بیان فرمائے گئے ہیں کہ یہ تمام چیزیں اسباب طبعیہ سے پیدا ہوتی ہیں - پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ایسے بیانات سے کہ میرے حکم سے بارشیں ہوتی ہیں اور میرے حکم سے کھیتیاں اُگتی ہیں اور برق و صاعقہ پیدا ہوتا ہے اور پھل لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور ہر ایک بات میرے ہی قبضہ اقتدار میں اور میرے ہی امر سے ہوتی ہے - یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ سلسلہ کائنات کا مجبور مطلق ہے بلکہ اپنی عظمت اور اپنا علۃ العلل ہونا اور اپنا مسبب الاسباب ہونا مقصود ہے کیونکہ تعلیم قرآنی کا اصل موضوع توحید خالص کو دنیا میں پھیلانا اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو پھیل رہا تھا مٹانا ہے - اور چونکہ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت عرب کے جزیرہ میں ایسے ایسے مشرکانہ عقائد پھیل رہے تھے کہ بعض بارشوں کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے تھے - اور بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے - اور بعض دو خدا سمجھکر اپنے ناملائم قضا و قدر کو اہرمن کی طرف منسوب کرتے تھے - اس لئے یہ خدا تعالیٰ کی کتاب کا فرض تھا جس کے لئے وہ نازل ہوئی کہ ان خیالات کو مٹاوے اور ظاہر کرے کہ اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب وہی ہے اور بعض ایسے بھی تھے جو مادہ اور روح کو قدیم سمجھکر خدا تعالیٰ کا علۃ العلل ہونا بطور ضعیف و ناقص کے خیال کرتے تھے - پس یہ الفاظ قرآن کریم کے کہ میرے ہی امر سے سب کچھ پیدا ہوتا ہے توحید محض کے قائم کرنے کے لئے تھے - ایسی آیات سے انسان کی مجبوری کا نتیجہ نکالنا تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے - اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آزادی اور عدم مجبوری جس کا ڈپٹی صاحب موصوف دعوے کر رہے ہیں دنیا میں پائی نہیں جاتی بلکہ کئی قسم کی مجبوریاں مشہود و محسوس ہو رہی ہیں - مثلاً بعض ایسے ہیں کہ اُن کا

حافظہ اچھا نہیں وہ اپنے ضعیف حافظہ سے بڑھکر کسی بات کے یاد کرنے میں مجبور ہیں۔ بعض کا متفکرہ اچھا نہیں وہ صحیح نتیجہ نکالنے سے مجبور ہیں۔ بعض بہت چھوٹے سر والے جیسے وہ لوگ جنہیں دولہ شاہ کا چوہا کہتے ہیں ایسے ہیں کہ وہ کسی امر کے سمجھنے کے قابل نہیں۔ ان سے بڑھکر بعض دیوانے بھی ہیں اور ہر خود انسان کے قوےٰ ایک حد تک رکھے گئے ہیں جس حد سے آگے وہ کام ان سے نہیں لے سکتے یہ بھی ایک قسم کی مجبوری ہے۔

پھر ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب کیسے صحیح معنی سے پھر گئے۔ واضح ہو کہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ شر کو بہ حیثیت شر پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی اے شیطان شر پہونچانے والے میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں بلکہ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک چیز کے اسباب خواہ وہ چیز خیر میں داخل ہے یا شر میں خدا تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں۔ مثلاً اگر شراب کے اجزا جن سے شراب بنتی ہے موجود نہ ہوں تو پھر شرابی کہاں سے شراب بنا سکیں اور پی سکیں لیکن اگر اعتراض کرنا ہے تو پہلے اس آیت پر اعتراض کیجئے کہ سلامتی کو بناتا اور بلا کو پیدا کرتا ہے۔ یسعیاہ ۴۵ ۔

پھر آگے ڈپٹی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ توریت میں ایسا کوئی حکم نہیں کہ دوزخ کے لئے خدا نے کسی کو مجبور کیا ہے اس کا یہی جواب ہے کہ فرعون کا دل خدا نے سخت کیا آپ اس کو مانتے ہیں پھر انجام فرعون کا اس سخت دلی سے جہنم ہوا یا بہشت نصیب ہوا پھر دیکھو امثال آپ کا خدا تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ خداوند نے ہر یک چیز اپنے لیئے بنائی۔ ہاں شریروں کو بھی اس نے برے دن کے لیئے بنایا ۱۶/۴ ۔ اب دیکھئے یہ تو گویا **اقبالی ڈگری** کی طرح آپ پر الزام وارد ہو گیا کہ شریر دوزخ کے لیئے بنائے گئے کیونکہ وہی تو برا دن ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اگرچہ اختیار کی بھی تعلیم ہے مگر پھر مجبوری کی بھی تعلیم اور یہ ایک دوسری کی نقیض ہیں۔ اس کے جواب میں میں لکھ چکا ہوں کہ آپ خلط مقاصد کرتے ہیں۔ جہاں آپ کو مجبوری کی تعلیم معلوم ہوتی ہے وہاں مذاہب باطلہ کا رد مقصود ہے اور ہر ایک فیض کا خدا تعالیٰ کو مبدا قرار دینا مد نظر ہے۔

اور آپ فرماتے ہیں کہ شیطان جو حضرت مسیح کو لیگیا اس میں کیا مجبوری تھی جواب یہی ہے کہ نور سے ظلمت کی پیروی کرائی گئی۔ نور بالطبع ظلمت سے جدا رہنا چاہتا ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر اختیار کو مانا جائے تو پھر خدا تعالیٰ کا علۃ العلل قرار دینا لغو ہے آپکی تقریر کا یہ خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بکلی خدا تعالیٰ کو معطل کر کے پورا پورا اختیار اور اقتدار چاہتے ہیں جبکہ ہمارے

قویٰ اور ہمارے جوارح کے قویٰ اور ہمارے خیالات کے مبلغ علم پر اُس کی خدائی کا تسلط ہے وہ کیونکر معطل ہو سکتا ہے - اگر ایسا ہو تو علت اور معلومات کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا - اور صانع حقیقی کی شناخت کرنے میں بہت سا فتور آئے گا اور دُعا کرنا بھی لغو ہو گا کیونکہ جبکہ ہم پورا اختیار رکھتے ہیں تو پھر دُعا بے فائدہ ہے - آپکو یاد ہے کہ خدا تعالےٰ کو علة العلل ماننا مستلزم مجبوری نہیں یہی ایمان ہے یہی توحید ہے کہ اسکو علة العلل مان لیا جاوے اور اپنی کمزوریوں کے دُور کرنے کے لیئے اس سے دعائیں کی جائیں - پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ کہ اُن کو آنکھیں دیکھنے کے لیئے نہیں دیں مجاز ہے حضرت اگرچہ مجاز ہے تو پھر کہاں سے معلوم ہوا کہ دلوں پر مہر لگانا اور آنکھوں پر پردہ ڈالنا حقیقت ہی کیا اس جگہ آپ کو مہریں اور پردے نظر آگئے ہیں - پھر آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے رحم بلا مبادلہ کو رد کر دیا ہے تو بس خوش ہو جیئے - افسوس ابھی تک آپ میری بات کو نہ سمجھے یہ تو ظاہر ہے کہ عدل کا مفہوم جانبین کے حقوق کو قائم کرتا ہے یعنی اس سے لازم آتا ہے کہ ایک خدا تعالےٰ کا بندہ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے اور ایک بندہ کا خدا تعالےٰ پر حق ہو جس حق کا وہ مطالبہ کرے لیکن یہ دونوں باتیں باطل ہیں کیونکہ بندہ کو خدا تعالےٰ نے عدم محض سے پیدا کیا ہے اور جس طرح چاہا بنایا مثلاً انسان یا گدھا یا بیل یا کوئی کیڑا مکوڑا - پھر حق کیسا - اور خدا تعالےٰ کا حق اگرچہ غیر محدود ہے مگر مطالبہ کے کیا معنی - اگر یہ معنی ہیں کہ خدا تعالےٰ کو بندوں کی فرمانبرداری کی ضرورتیں پیش آگئی ہیں اور تب ہی اس کی خدائی قائم رہتی ہے کہ ہر ایک بندہ نیک اور پاک دل ہو جائے ورنہ اُس کی خدائی ہاتھ سے جاتی ہے - یہ تو بالکل بیہودہ ہے کیونکہ اگر تمام دنیا نیک بن جائے تو اس کی خدائی کچھ بڑھ نہیں سکتی - اور اگر بد بن جائے تو کچھ کم نہیں ہو سکتی - پس حق کو بہ حیثیت حق قرار دیکر مطالبہ کرنا چہ معنی دارد - پس اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو غنی بے نیاز ہے اور اس سے برتر ہے کہ اپنی ذاتی حاجت سے کسی حق کا مطالبہ کرے - خود بندہ کے فائدہ کے لیئے اور اپنی مالکیت اور خالقیت اور رحمانیت اور رحیمیت کے ظاہر کرنے کے لیئے یہ سارا سامان کیا ہے - اوّل ربوبیت یعنی خالقیت کے تقاضا سے دنیا کو پیدا کیا پھر رحمانیت کے تقاضا سے وہ سب چیزیں اُن کو عطا کیں جن کے وہ محتاج تھے پھر رحیمیت کے تقاضا سے اُن کے کسب اور سعی میں برکت ڈالی اور پھر مالکیت کے تقاضا سے اُن کو مامور کیا اور امر معروف اور نہی منکر سے مکلف ٹھہرایا اور اس پر وعید اور مواعید لگا دیئے - اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ جو شخص بعد معصیت کے طریق ایمان اور توبہ و استغفار کا اختیار کرے وہ بخشا جائیگا پھر اپنے وعدوں کے موافق روز حشر میں کاربند ہو گا - اس جگہ رحم بلا مبادلہ کا اعتراض کیا تعلق رکھتا ہے اور قائمی حقوق کا اور خدا تعالےٰ سے متکبرانہ طور پر عدل کا خواستگار ہونا کیا علاقہ رکھتا

ہے سچی فلاسفی اس کی یہی ہے جو سورہ فاتحہ میں بیان فرمائی گئی جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین - اب دیکھئے رحمٰن اور رحیم کے بعد بظاہر یہ سمجھا جاتا تھا کہ العادل کا لفظ لانا ان صفات کے مناسب حال ہے کہ رحم کے بعد عدل کا ذکر ہو لیکن خدا تعالےٰ نے عدل سے عدول کر کے اپنی صفت مالک یوم الدین ٹھہرائی تا معلوم ہو کہ حقوق کا مطالبہ اس سے جائز نہیں اور اس سے کوئی اپنے حق کا خواستگار نہیں ہو سکتا اور نہ وہ حاجتمند ہے کہ بہ حیثیت ایک ایسے حقدار کے جو بغیر وصول حق کے مرا جاتا ہے بندوں سے فرماں برداری چاہتا ہے بلکہ بندوں کی عبادتیں اور بندوں کی طاعتیں درحقیقت اُنہیں کے فائدہ کے لیئے ہیں جیسا کہ طبیب نسخہ کسی بیمار کے لیئے تجویز کرتا ہے تو یہ بات نہیں کہ اس نسخہ کو طبیب آپ پی لیتا ہے یا اس سے کوئی حظ اٹھاتا ہے یا کہ وہ بیمار کی بھلائی کے لیئے ہے - اور پھر بعد اس کے اسلام کے جہاد پر اعتراض کیا ہے مگر افسوس کہ آپ نے اسلامی جہاد کی فلاسفی کو ایک ذرہ بھی نہیں سمجھا اور آیات کی ترتیب کو نظر انداز کر کے بیہودہ اعتراض کر دیئے ہیں -

واضح رہے کہ اسلام کی لڑائیاں ایسے طور سے نہیں ہوئیں کہ جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور لوگوں پر چڑھائی کر کے اُن کو قتل کر ڈالتا ہے بلکہ صحیح نقشہ اُن لڑائیوں کا یہ ہے کہ جب ایک مدت دراز تک خدا تعالےٰ کا پاک نبی اور اُس کے پیرو مخالفوں کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھاتے رہے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیئے گئے اور کئی بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے یہاں تک کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لیئے منصوبہ کیا گیا اور یہ تمام کامیابیاں اُن کے بتوں کے معبود برحق ہونے پر حمل کی گئیں اور ہجرت کی حالت میں بھی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو امن میں نہ چھوڑا گیا بلکہ خود آٹھ پڑاؤ تک چڑھائی کر کے خود جنگ کرنے کے لیئے آئے تو اُس وقت اُن کے حملہ کے روکنے کے لیئے اور نیز اُن لوگوں کو امن میں لانے کے لیئے جو اُن کے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اس بات کے ظاہر کرنے کے لیئے کہ ان کے معبود حق کی تائید میں یہ سابقہ کامیابیاں حمل کی گئی ہیں لڑائیاں کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - واذ

یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللہ واللہ خیر الماکرین - ۱۹/۱۸

پھر فرماتا ہے - وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان - الی آخرہ ۴/۵ -

پھر فرماتا ہے - وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ۲/۸ +

پھر فرماتا ہے۔ ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ۲/۱ ✦
پھر فرماتا ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ۱۷/۱۳ ✦
پھر فرماتا ہے۔ ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (س ۱۴ اخیر رکوع)
پھر فرماتا ہے۔ اذ جاءکم من فوقکم ومن اسفل منکم ۲۱/۱۸ -
پھر فرماتا ہے۔ یا اھل الکتاب لم تصدون ۴/۱ ✦
پھر فرماتا ہے۔ وھم بدؤکم اول مرۃ ۱/۸ ✦

اب ترجمہ کے بعد آپ کو معلوم ہو گا کہ اصل حقیقت کیا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ کفار نے کیسے ہی دُکھ دیئے تھے مگر صبر کرنا چاہیئے تھا تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ اپنی کامیابیوں کو اپنے لات عُزّے بتوں کی تائیدات پر حمل کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا پڑا ہے حالانکہ وہ صرف ایک مہلت کا زمانہ تھا اس لیئے خدا تعالےٰ نے چاہا کہ یہ ثابت کرے کہ جیسے اُن کے بُت قرآن کریم کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں ایسا ہی تلوار کے ساتھ کامیاب کرا دینے سے بھی عاجز ہیں۔ سو جسقدر اسلام میں ان پر حملے کیئے گئے اول مقصد اُن کفار کے بتوں کا عاجز ہونا تھا اور یہ ہرگز نہیں کہ ان لڑائیوں میں کسی قسم کا یہ ارادہ تھا کہ قتل کی دھمکی دیکر ان لوگوں کو مُسلمان کر دیا جائے بلکہ وہ تو طرح طرح کے جرائم اور خونریزیوں کے سبب سے پہلے سے واجب القتل ہو چکے تھے اور اسلامی رعایتوں میں سے جو اُن کے ساتھ رب رحیم نے کیں ایک یہ بھی رعایت تھی کہ اگر کسی کو توفیق اسلام نصیب ہو تو وہ بچ سکتا ہے اس میں جبر کہاں تھا عرب پر تو انھیں کے سابقہ جرائم کی وجہ سے فتوےٰ ہو گیا تھا۔ ہاں باوجود اس کے یہ رعایتیں بھی تھیں کہ اُن کے بچے نہ مارے جائیں اُن کے بُڈھے نہ مارے جائیں اور ساتھ اُس کے یہ بھی رعایت کہ بصورت ایمان لانیکے وہ بھی نہ مارے جائیں ✦

دستخط
بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح
(پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام

دستخط
بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب

۲- جون سنہ ۱۸۹۳ء

وقت ۶ بجے

جواب اوّل - عرض ہے کہ میں نے نہیں کہا کہ مظہر اللہ ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ اقنوم ثانی اور انسانیت کا باہم علاقہ رہا ہے - مظہر اللہ تو تب ہی ظاہر ہوتے کہ جب مسیح ہوتے یعنی تیتیس برس کی عمر میں -

دوم - کافی ثبوت تثلیث کا دیا گیا ہے عقل سے امکان سے اور کلام سے وقوعہ اُس کا - اگر آپ نہیں مانتے تو طبع ہونے کے بعد ہر ایک بجائے خود انصاف کر لیگا -

سوم - کسی کی نبی کے اوپر بشکل مجسم کبوتر کی مانند روح نازل ہوا - پھر آپ کوئی نشان نہیں دیتے کہ کون سا نبی اُس کے مساوی ہے - اور ناحق کی حجت پیش کرتے ہیں -

چہارم - میں نے جو آیت سند کی پیش کی ہے اُس میں مسلمانوں کا تذکرہ یہ تھا کہ کیا کوئی بھی امر ہمارے ہاتھ میں ہے - جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ سب امر اللہ کے ہاتھ میں ہے - امر کے معنی جو حکم کے جناب نے کئے ہیں - امور جس کا جمع ہے وہ بھی امر ہے یعنی کام - تو معنی یہ ہوئے کہ ہر کام اللہ کے ہاتھ میں ہے - یہ بالضرور فعل مختاری انسان میں مداخلت ہے -

جناب مرزا صاحب آپ جو حوالہ اشیاء مخلوق و مثل کھیتی و پانی وغیرہ کے دیتے ہیں وہ اختیار و نا اختیاری کی مثال نہیں میں جناب کو یہ الزام نہیں دیتا کہ جناب فریب دیتے ہیں مگر فریب کھاتے ضرور ہیں -

پنجم - توحید کا ثبوت اس سے کچھ نہیں ہوتا کہ سبب اولے ہو کر خدا تعالےٰ سبب ثانی کے واسطے کچھ گنجائش باقی نہ رکھے سبب اولے اگر قادر مطلق ہے تو دوسرے کو فعل مختار بھی پیدا کر سکتا ہے اور جب فعل مختار بنا دیا تو اُس کی فعل مختاری میں مداخلت کرنا اس کے منصوبہ بنانے کے برخلاف ہے -

ششم - ہمنے کبھی یہ نہیں کہا کہ فعل مختاری انسان کی لاحد ہے مگر اپنے حدود میں وہ فعل مختار مطلق ہے اور اس کا انکار آپ عبث کرتے ہیں -

ہفتم - یسعیا کا بیان کہ وہ سلامتی اور بلا پیدا کرتا ہے فعل مختاری کے برخلاف کچھ نہیں معلوم جناب نے کیوں حوالہ اس آیت کا دیا - فرعون کا دل سخت کیونکر ہوا - ہمنے اس کی شرح کل کر دی ہے یعنی اُس کو جب شرارت سے نہ روکا اور فضل کا ہاتھ پرے کر لیا تو اُس کا نتیجہ یہ ہے - کہ وہ خواہ نخواہ سخت دل ہو گیا - کیا جناب اس امر کو نہیں سمجھتے کہ کرنے اور ہونے دینے میں بڑا فرق ہے انگریزی میں صاف فرق ہے کہ کمشن اُس کو کہتے ہیں کہ خود کرے اور پرمشن اُس کو کہتے ہیں کہ ہونے دے

- تو سونے دینے کا کیا الزام مساوی اس کے ہے کہ اُس نے کیا - اور اگر ایسا ہی الزام ہو تو صحیح نہیں ہو سکتا -

ہشتم - آپکی تیسری شق ہیں کہ شریروں کو اپنے لیئے بنایا اسکا مطلب صاف ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شریر ہونے دیا یہ بھی وہی پرمشن ہے نہ کمشن - کلام مجازی کو اور عامہ کو چھوڑ کے آپ فلاسفی میں کیس لیئے گھستے ہیں - کیا عوام سے جناب کلام اسی طرح پر کرتے ہیں کہ ہر ایک لفظ اسکا فلوزافیکل ہووے یعنی مطابق فلاسفی کے تاہم وہ آیت جو زیر داب متنازعہ کے ہے - اس میں اصول قائم کیا گیا ہے کہ گویا خدا قرار دیتا ہے کہ ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے اور اس اصول کا بیان اس فروع پر ہے جو کہتے تھے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ میں ہے - یہاں یہ کلیہ کبریٰ ہے اور قیاس مردماں صغریٰ ہے نتیجہ جو اس کا ہے آپ انصاف کریجیئے -

نہم - مسیح بہ نسبت اپنی انسانیت کے سارے فرائض الٰہی ادا کرنے والا ہے پس وہ امتحان بھی دیگا اور شیطان سے آزمایا بھی جائیگا - لہذا کیا ضرور ہے کہ اس امر کو اختیار و نا اختیاری کی بحث میں داخل کیا جائے -

دہم - نہ ہمنے کہیں خدا کے اختیار کو کسی حد میں قید کیا مگر وہ قیود جو ہر صفت پر اُس کے خاصہ سے لازمی ہے مثلاً ہم اسکو قادر مطلق کہتے ہیں - اس کے معنی یہ نہیں ہو سکتے کہ وہ نقیضین کو آن واحد میں جمع بھی کر سکتا ہے کیونکہ اجماع نقیضین دوسرا نام بطلان کا ہے اور بطلان کوئی صفت نہیں چاہتا ہے کہ جو اُسکو بناوے - مگر صرف کھانا صداقت کا تو قادر مطلق کے یہ معنی ہیں کہ جو ممکن ہے اُسکو بناوے اور جو ناممکن ہے اُس کے بنانے کی احتیاج کچھ نہیں وہ تو صرف جھوٹ بولنے سے ہو سکتا ہے - واضح ہو کہ جیسا ہم قدرت الٰہی کو حدود مناسب میں قید نہیں کرتے ویسے ہی فعل مختاری انسان کی حدود نامناسب میں قید نہیں ہو سکتی -

یازدہم - پورے اختیار پر دُعا بیفائدہ ہے اس کے معنی یہ ہوتے کہ ہم علم و قدرت بھی اُسکی ساتھ بیحد رکھتے ہوں - لیکن ہم نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا مگر یہ کہ اُس کا علم اور اُس کی قدرت اور اُس کا اختیار کُل محدود ہیں - پس آپ کے فرائض و مسلمات محض خیالی ہیں -

دوازدہم - ہم نے کبھی نہیں کہا کہ دلوں پر آنکھوں پر مُہر کرنا کلام مجازی نہیں تو ہمپر اس کا اعتراض کیا ہے -

سیزدہم - ہم بالکل تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی ذات مستغنی الذات مطلق ہے لیکن وہ وہیں تک آزاد ہے کہ جہاں تک اُسکی ساری صفات بالاتفاق اجازت دیں چنانچہ اگر وہ کسی شخص پر ظلم کرے چاہیئے کہ عدل اُس کا مانع ہوگا یا کسی کے ایذا ناحق میں وہ خوش ہووے تو صفت گڈنس کی اس کے مانع ہوگی - علےٰ ہذ القیاس سبت ہی صفات مرکبہ اسکی ہیں جو ان کلیو سب

ہو کر چل سکتی ہیں اور اکس کلیو سب ہو کر نہیں چل سکتیں جیسا کہ اگر ایک صفت کچھ کام کرتی ہے تو ساری بالاتفاق اُس کی مدد ہیں - گو ظہور خاص اُس ایک کا ہے جو کام کر رہی ہے - اور اگر کوئی صفت کام کرتی ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اٹنک ہے اور کوئی صفت اُس کے ساتھ نہیں اور مخالف ہونا تو نعوذ باللہ دو صفات میں کہیں بھی جائز نہیں کہ ایک دوسری کی مخالف ہو۔

چہاردہم - اوّل تو جناب ہمیشہ اُن دو صفات کی تمیز کے بارہ میں جو ایک کام ہے دوسری گڈنس لاعلمی دکھلاتے ہیں - اور تمیز اس میں یہ ہے کہ رحم کسی مواخذہ اور تکلیف پر آتا ہے اور گڈنس صرف اپنے متعلقین کو خوشنود رکھنے کے واسطے ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں پکڑا ہوا ہووے اُس کی رہائی کے واسطے رحم کی صفت ہے - اور اگر کوئی اپنے جانوروں کو بھی بہرحال خوش رکھنے چاہتا ہے اور اُن غذاؤں سے جن کے وہ لائق ہیں عُمدہ تر غذائیں وہ اُن کو دیتا ہے یہ گڈنس کے باعث ہے - چنانچہ اس لفظ گڈنس کا **داؤد نبی** نے ذکر کیا ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ ارے آؤ چکھو - دیکھو کہ **یہوواہ** بھلا ہے - اب عدالت کا کام یہ ہے کہ جس وقت گناہ سرزد ہووے اُس کا تدارک فرماوے اور رحم اس ماقبل نہیں مگر مابعد اس تدارک دمواخذہ سے رہائی کرنے کو آوے - اور جب تک کوئی گناہ صادر نہیں ہوا جو بھلائی اُس سے کی جاتی ہے وہ مطابق گڈنس کے کی جاتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ جو شئے عدم سے بوجود آئی ہے اُس کا اپنے خالق پر یہ حق ہے کہ اُس سے کہے فلانا دُکھ مجکو کیوں ہوا کہ تو عادل اگر ہے اس بات کا عدل کر - بکری جو ذبح کی جاتی ہے اُس کے واسطے یہ عذر کافی نہیں کہ تیرا خالق و مالک ہوں - تھوڑی سی ایذا میں دوسروں کی معیشت کے واسطے تجھے دیتا ہوں تو ناحق کی شاکی نہ ہو - لے - عدل یہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کو ایذا ہووے جس کا وہ مستوجب نہیں یا کہ وہ ایذا اس کے واسطے کچھ زیادہ خوبی پیدا نہ کرے اور اسی لیئے ہم نے اقسام دُکھ تین بیان کر دیئے ہیں کہ جن کو آپ مٹا نہیں سکتے اور آپ پھر دُکھ کو ایک ہی قسم کا تصور فرما کر آپ خالقیت اور مالکیت کے برقعہ میں اُس کو ہر لائق و نالائق امر کی اجازت کس طرح دے سکتے ہیں - ہم نے بار بار جناب کو کہا کہ عدالت و صداقت غیر مفید الظہور نہیں ہو سکتی - پھر کس لیئے تقاضائے عقل کا لحاظ آپ چھوڑتے ہیں - کیا آپ کے چھوڑنے سے عدل بھی اُس کو چھوڑ دے گا - یقیناً جب تک اُس کا تقاضا پورا نہ ہو رحم نہ ہو سکیگا -

پانزدہم - اللہ تعالےٰ نے سورہ فاتحہ میں بقول آپ کے عدل کو عدول نہیں فرمایا اور نہ رحم کو عدل پر غالب کیا - بلکہ وہاں رحم کا آسرا لوگوں کو دلایا ہے اور یہ بجا ہے - باقی جو جناب خوش فہمیاں فرماویں آپ کا اختیار ہے -

شانزدہم - یہ تو حق ہے جو اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق سے چاہتا ہے کہ وہ ایسا یا ویسا کرے وہ اُس کے فائدہ کے لیئے بھی ہے - مگر اس سے حقوق الٰہی کا رد کرنا غلط ہے - کیا کچھ حقوق الٰہی بھی عباد اللہ کے اوپر ہیں - اگر نہیں تو گناہوں میں کیا ہرجہ خدا تعالےٰ کا ہے تو پھر کس لیئے وہ تیغ عدل سے اُس کو ڈرایا چاہتا ہے - جب ہرجہ ہی کچھ نہیں تو پھر سزا کس لیئے ہو - تنبیہ پدری واسطے بھلائی پسر کے تو ہوتی ہے - لیکن سزا کا لفظ کیا بے معنی مطلق ہے - تنبیہ کا مخرج رحم سے ہے اور سزا کا مخرج عدل سے - چنانچہ ہم بھی اپنے بچوں کو تنبیہ کرتے مارتے ہیں اُس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مر ہی جائیں - اور جب ناخلف کر کے نکال دیں تو اس کا مطلب سزا ہے - یہ تیرے اعمال کی پاداش ہے - تو پس ان دو امر میں تمیز موجود ہے تو ان کو نظر انداز کس لیئے کیا جائے -

ہفدہم - اسلام کی لڑائیاں بہت قسم کی تھیں - ہم تسلیم کرتے ہیں چنانچہ دافعیہ - انتقامیہ - انتظامیہ وغیرہ - لیکن جو آیئت داب مناظرہ میں ہے اس کی وجہ یہ دی گئی ہے کہ مارو اُن کو جو اللہ و قیامت کو نہ مانیں اور حرام و حلال کا لحاظ نہ کریں (باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان حضرت مرزا صاحب

۲- جون ۱۸۹۳ء

ڈپٹی صاحب فرماتے ہیں کہ مظہریت سے پہلے اقنوم ثانی کا علاقہ تھا مگر ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے جب تک وہ انجیل کی صریح عبارت پیش نہ کریں کہ مظہریت بعد میں آئی -

اور اقنوم ثانی کا پہلے سے علاقہ تھا - اور پھر اُن کا یہ فرمانا کہ عقل سے امکان تثلیث ہمنے ثابت کر دیا ہے اور کلام سے وقوعہ ثابت ہو گیا ہے - یہ دونوں ابھی تک دعوےٰ ہی دعوےٰ ہیں - ناظرین ان کے جوابات کی اوراق گردانی کر کے دیکھ لیں کہ کہاں عقل کے رُو سے امکان تثلیث ثابت کر دیا ہے؟ عقل کا فیصلہ تو ہمیشہ کلی ہوتا ہے - اگر عقل کی رُو سے حضرت مسیح کے لیئے داخل تثلیث ہونا روا رکھا جائے تو پھر عقل اوروں کے لیئے بھی امکان اس کا واجب کرے گی - پھر ڈپٹی صاحب

فرماتے ہیں کہ کس نبی پر بشکل مجسم کبوتر کے روح القدس نازل ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر روح القدس کسی عظیم الجثہ جانور کی شکل پر جیسے ہاتھی یا اونٹ حضرت مسیح پر نازل ہوتا تو کچھ ناز کی جگہ تھی لیکن ایک چھوٹے سے پرند پر ناز کرنا اور اُس کو بے مثل کہنا بے محل ہے۔ دیکھو حواریوں پر بقول اُن کے روح القدس بطور آگ شعلوں کے نازل ہوا اور شعلہ کبوتر پر غالب ہے۔ کیونکہ اگر کبوتر شعلہ میں پڑے تو جل جاتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ کون سا نبی مسیح کے مساوی ہے صرف اپنی خوش اعتقادی ظاہر کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا حضرت موسیٰ مسیح سے بڑھکر نہیں جن کے لئے بطور تابع اور مقتدی کے حضرت مسیح آئے اور اُن کی شریعت کے تابع کہلائے۔ معجزات میں بعض نبی حضرت مسیح سے ایسے بڑھے کہ بموجب آپ کی کتابوں کے ہڈیوں کے چھونے سے مُردے زندہ ہو گئے اور مسیح کے معجزات پراگندگی میں پڑے ہیں۔ کیونکہ وہ تالاب جس کا یوحنا ۵ باب میں ذکر ہے۔ حضرت مسیح کے تمام معجزات کی رونق کھوتا ہے اور پیش گوئیوں کا تو آگے ہی بہت نرم اور پتلا حال ہے اور پھر کس علمی اور فعلی فضیلت کے رُو سے حضرت مسیح کا افضل ہونا ثابت ہوا۔ اگر وہ ضمناً افضل ہوتے تو حضرت یوحنا سے اصطباغ ہی کیوں پاتے اُس کے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار ہی کیوں کرتے اور نیک ہونے سے کیوں انکار کرتے اگر الوہیت ہوتی تو شیطان کو یہ کیوں جواب دیتے کہ لکھا ہے بجز خدا کے کسی اَور کو سجدہ مت کر۔ اور آپ نے جو میرے اس بیان پر جرح فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیت درج ہے کہ تمہارے اختیار میں کچھ بھی نہیں یہ آپکی غلط فہمی تو نہیں مگر تجاہل عارفانہ ہے۔ میں کل کے بیان میں لکھا چکا ہوں کہ اس کے وہ معنی نہیں جو آپ کرتے ہیں بلکہ صرف اس قدر مقصود ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے امر اور حکم کے موافق چلنا چاہیئے تمہیں کچھ بھی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی دخل دو۔ اب دیکھیئے کجا یہ بات کہ بندہ مجبور محض ہے اور کجا یہ بات کہ ایک موقعہ پر بعض لوگوں کو بیجا دخل سے روکا گیا۔ اور پھر میں کہتا ہوں چاہے آپ سنیں یا نہ سُنیں کہ قرآن شریف نے بصراحت بارہا اس اختیار کا ذکر کر دیا ہے جسکی وجہ سے انسان مکلف ہے لیکن دوسرے مقامات میں بعض مذاہب باطلہ کے رد کرنے کے لئے جو عرب میں موجود تھے یہ بھی کہا گیا کہ جیسا کہ تم لوگوں کا خیال ہے کہ اور اور معبود بھی کارخانہ الوہیت میں کچھ دخل رکھتے ہیں یہ غلط محض ہے ہر ایک امر کا مرجع اور مبدا ء خدا ہے اور وہی علۃ العلل اور مسبب الاسباب ہے۔ یہی غرض تھی جس کے لحاظ سے بعض اوقات خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسایط اُٹھا کر اپنے علۃ العلل ہونے کا ذکر کیا جیسے کہ کہا "کشتی جو دریا میں چلتی ہے یہ ہمارا ہی احسان ہے"۔ غرض اس جگہ ہمنے آپ کو کافی جواب دیدیا ہے کہ قرآن شریف پر جبر کا اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہم جبریہ کہلاتے ہیں۔ آپکو ابتک مسلمانوں کے

معقیدہ کی بھی کچھ خبر نہیں - یہ بھی آپ نہیں جانتے جس حالت میں اللہ تعالےٰ چور کے ہاتھ کاٹنے کے لیئے اور زانی کے سنگسار کرنے کے لیئے قرآن کریم میں صاف حکم فرماتا ہے تو پھر اگر جبری تعلیم ہوتی تو کون سنگسار ہو سکتا تھا - قرآن شریف میں نہ ایک نہ دو بلکہ صدہا آیات انسان کے اختیار کی پائی جاتی ہیں اگر آپ چاہیں گے تو کوئی مکمل فہرست پیش کر دیجائے گی اور اس قدر تو آپ خود بھی مانتے ہیں کہ انسان من کل الوجوہ مختار مطلق نہیں اور اُس کے قوےٰ اور جوارح اور دوسرے اسباب بیرونی اور اندرونی پر خدا تعالےٰ کی حکومت کا سلسلہ جاری ہے اور یہی مذہب ہمارا ہے تو پھر کیوں ناحق کج بحثی سے بات کو طول دیتے ہیں - دیکھیئے جب الزامی طور پر آپکی خدمت میں پیش کیا گیا کہ توریت میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لیئے بنائے گئے - تو آپ کیسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں - اور پھر تعجب ہے کہ قرآن کریم کی آیات بینہ پر ایسی سخت گیری کر رہے ہیں جس نے ایک ناکردہ تعصبی حد تک آپ کو پہونچا دیا ہے - کسی کا یہ **مقولہ** ٹھیک ہے ”گر حفظ مراتب نہ کنی“ قرآن شریف صرف ایک شق کے بیان کرنے کے لیئے نہیں آیا بلکہ ایسے ایسے موقعوں پر دونوں شقوں کا بیان کرنا اُس کا فرض ہے - کبھی برعایت اپنے علۃ العلل ہونے کے اپنے تصرفات کا حال بیان کرتا ہے اور کبھی بلحاظ انسان کے مکلف باالاختیار ہونے کے اُسکے اختیارات کا ذکر فرماتا ہے - پھر ایک بات کو دوسری بات میں دُھسا دینا اور اپنے اپنے موقعہ پر چسپاں نہ رکھنا اگر تعصب نہیں تو اَور کیا ہے اور اگر اعتراض اسی کو کہتے ہیں تو ہم ایک ذخیرہ اس قسم کی آیات کا آپ کی توریت و انجیل سے ایک فہرست مرتب کر کے پیش کر سکتے ہیں مگر ان فضول اور کج بحثیوں سے ہمکو سخت نفرت ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ اس مسئلہ میں بلا تفاوت توریت و انجیل اور قرآن کا لفظاً و معناً پورا اتفاق ہے اور نزاع ایسے کھلے کھلے اتفاق میں ایک **شرمناک جھگڑا** ہے - دیکھیئے کہ توریت کے لفظ یہ موجود ہیں کہ ”میں نے فرعون کا دل سخت کر دیا“ اب آپ اُن لفظوں کو کاٹ کر اور نئے لفظ بنا کر یہ فرماتے ہیں کہ ”سخت نہیں کیا بلکہ اس کو شریر ہونے دیا“ حالانکہ پھر بھی مآل ایک جا ٹھہرتا ہے - ایک شخص کے روبرو ایک بچہ کنوئیں کے قریب بیٹھا ہے اور گرنے کو ہے اور وہ اُس کو بچا سکتا تھا - اور اُس نے نہ بچایا تو کیا اُس کا قصور نہیں - بہر حال جب آپ لفظوں پر گرفت کرتے ہیں کیا ہمارا حق نہیں کہ ہم بھی گرفت کریں اگر قرآن کے لفظوں پر پکڑ ہو سکتی ہے تو ایسے ہی لفظ توریت میں بھی موجود ہیں - خاصکر امثال کا حوالہ آپکی **توجہ** کے لائق ہے جس میں صاف لکھا ہے ”میں نے شریروں کو بُرے دن کے لیئے بنایا“ - اب آپ یہ لکھاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کہتا ہے کہ ”میں نے شریروں کو اپنے لیئے بنایا“ دیکھیئے کجا بُرے دنوں کے لیئے اور کجا اپنے لیئے - یہ اگر تحریف نہیں تو اَور کیا ہے اور پھر خدا تعالےٰ کی مالکیت پر بیجا بحث شروع کر کے لوگوں کو **دھوکا** دینا چاہا ہے - آپکو واضح ہو کہ

خداتعالےٰ اگرچہ قدوس ہے لیکن بغیر نازل کرنے اپنے قانون کے کسی کو مواخذہ نہیں کرتا اور یہ بھی بات ہے کہ وہ بجز اس کے کہ بالذات یہ چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس سے شرک نہ کرے اور کوئی اس کا نافرمان نہ ہو اور کوئی اُس کے وجود سے انکار نہ کرے اور اقسام کے معاصی کو حقیقی معصیت بجز احکام نازل کرنے کے نہیں قرار دیتا۔ دیکھئے حضرت آدمؑ کے وقت میں خداتعالےٰ اس بات پر راضی ہوگیا کہ حقیقی ہمشیروں کو اُن کے بھائیوں سے نکاح ہو جائے اور پھر مختلف زمانوں میں کبھی شراب پینے پر راضی ہوا کبھی اُس کی ممانعت کی اور کبھی طلاق دینے پر راضی ہوا اور کبھی طلاق کی ممانعت کی اور کبھی انتقام پر راضی ہوا اور کبھی انتقام سے ممانعت کی۔ اور یہ تو انسان کی نوع میں ہے۔ حیوانات کی نوع میں اگر دیکھا جائے تو ماں اور بہن وغیرہ میں کچھ بھی فرق نہیں برابر اور ہر طرح سے خداتعالےٰ کی نظر کے سامنے ناجائز کام کرتے ہیں اور انھیں سے اولاد ہوتی ہے پس اس سے ثابت ہے کہ کتاب کے نزول سے پہلے مواخذہ قائم نہیں ہوتا۔ اور یہ تو آپ اقرار کر چکے ہیں کہ یہ تمام احکام بندہ کے فائدہ کے لیئے ہوتے ہیں اور اس بات کا آپنے کوئی صحیح جواب نہیں دیا کہ جس حالت میں ان تمام امور میں بندہ کا فائدہ ہی متصور ہے اور خداتعالےٰ کے وعدہ اور وعید سے پہلے مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو پھر جبکہ بڑے آسان طریق سے یہ طریق اس طرح پر چل سکتا ہے کہ خداتعالےٰ اپنے وعدوں کے موافق توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرے تو پھر کسی دوسرے نامعقول طریق کی کیا حاجت ہے۔

اب بقیہ اس کا کسی دوسرے وقت میں بیان کیا جاوے گا۔ اس وقت ہم **جہاد** کے بارہ میں جو باقی حصہ ہے بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں جہاد کی بنا صرف امن قائم کرنے اور بتوں کی شان توڑنے اور حملہ مخالفانہ کے روکنے کے لیئے ہے اور یہ آیت یعنی

قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔

آپکو کیا فائدہ پہونچا سکتی ہے اور کون سا جبر اس سے ثابت ہو سکتا ہے اس کے معنی تو صاف ہیں کہ ان بے ایمانوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی عملی طور پر فسق فجور میں مبتلا ہیں اور حرام کو حرام نہیں جانتے اور سچائی کی راہیں اختیار نہیں کرتے جو اہل کتاب میں سے ہیں جب تک کہ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے دیں اور وہ ذلیل ہوں۔ دیکھو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ جو اپنی بغاوتوں کی وجہ سے حق کے روکنے والے ہیں اور ناجائز طریقوں سے حق پر حملہ کرنے والے ہیں اُن سے لڑو اور اُن سے دین کے طالبوں کو نجات دو۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ یہ لڑائی ابتداءً بغیر اُن کے کسی حملہ کے ہوئی تھی۔ لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا ازبس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھیں گے اپنے تئیں عمداً یا سہواً

بڑی غلطیوں میں ڈالو گے۔ **سلسلہ** تو یہ ہے کہ اول کفار نے ہمارے **نبی** (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے اُن کو مکہ سے نکال دیا اور پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی تو پہلا حکم جو لڑائی کے لیئے نازل ہوا وہ یہ تھا اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (س ۱۷ - ر ۱۳)

یعنی اُن لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جن کے قتل کے لیئے مخالفوں نے چڑھائی کی اس وجہ سے اجازت دی گئی کہ اُن پر ظلم ہوا اور خدا مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطنوں سے ناحق نکالے گئے اور اُن کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا جو ہمارا رب اللہ ہے۔ دیکھیئے کہ پہلی آیت ہے جس سے سلسلہ لڑائیوں کا شروع ہوا اور پھر بعد اس کے خدا تعالےٰ نے اس حالت میں کہ مخالف لڑائی کرنے سے باز نہ آئے یہ دوسری آیت نازل فرمائی۔ و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ یعنی جو لوگ تم سے لڑتے ہیں ان کا مقابلہ کرو اور پھر بھی حد سے مت بڑھو کیونکہ خدا تعالےٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور پھر فرمایا۔ واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم۔ یعنی قتل کرو اُنھیں جہاں پاؤ اور اسی طرح نکالو جس طرح اُنہوں نے نکالا۔ پھر فرمایا۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ یعنی اس حد تک ان کا مقابلہ کرو کہ اُن کی بغاوت دُور ہو جاوے اور دین کی روکیں اُٹھ جائیں اور حکومت اللہ کے دین کی ہو جائے۔ اور پھر فرمایا۔ قل قتال فیہ کبیر وصد عن سبیل اللہ وکفر بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ یعنی شہر حرام میں قتل تو گناہ ہے لیکن خدا تعالےٰ کی راہ سے روکنا اور کفر اختیار کرنا اور اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کو مسجد حرام سے خارج کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے اور بغاوت کو پھیلانا یعنی امن کا خلل انداز ہونا قتل سے بڑھکر ہے اور ہمیشہ قتل کے لیئے یہ لوگ مقابلہ کریں گے تا اگر ممکن ہو تو تمہیں دین حق سے پھیر دیں۔ اور پھر فرمایا ولولا دفع اللہ الناس بعضھم الخ یعنی اگر اللہ تعالےٰ بعض کے شر کو بعض کی تائید کے ساتھ دفع نہ کرتا تو زمین فاسد ہو جاتی۔ اور پھر فرمایا ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ یعنی اگر تم ان کا تعاقب کرو تو اسی قدر کرو جو اُنہوں نے کیا ہو۔ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیئے اچھا ہے اور پھر اہل کتاب کا گناہ جتلانے کے لیئے فرمایا یا اھل الکتاب لم تصدون عن سبیل اللہ من آمن تبغونھا عوجا۔ اے اہل کتاب کیوں

ایمان لانے والوں کو ایمان لانے سے روکتے ہو اور کجی اختیار کرتے ہو۔ پس یہی باعث تھا کہ اہل کتاب کے ساتھ لڑائی کرنی پڑی کیونکہ وہ دعوت حق کے مزاحم ہوئے اور مشرکوں کو انہوں نے مددیں کیں اور اُن کے ساتھ مل کر اسلام کو نابود کرنا چاہا جیساکہ مفصل ذکر اس کا قرآن شریف میں موجود ہے تو پھر بجز لڑنے اور دفع حملہ کے اور کیا تدبیر تھی مگر پھر بھی اُن کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ یعنی اُس وقت تک اُن سے لڑو جب تک یہ جزیہ ذلت کے ساتھ دیدیں اور صاف طور پر فرمادیا یعنی جہاد میں یعنی لڑنے میں اسلام سے ابتدا نہیں ہوئی جیساکہ فرماتا ہے۔ وھم بدؤکم اوّل مرۃ یعنی انہیں مخالفوں نے لڑنے میں ابتدا کی پھر جبکہ انہوں نے آپ ابتدا کی وطن سے نکالا صدہا بے گناہوں کو قتل کیا تعاقب کیا اور اپنے بتوں کی کامیابی کی شہرت دی تو پھر بجز اُن کی سرکوبی کے اور کون سا طریق حق اور حکمت کے مناسب حال تھا۔ اس کے مقابل حضرت موسیٰ کی لڑائیاں دیکھئے جن لوگوں کے ساتھ ہوئیں کون سی تکلیفیں اور دُکھ اُن سے پہونچے تھے اور کیسی بے رحمی اُن لڑائیوں میں کی گئی۔ کہ کئی لاکھ بچے بے گناہ قتل کیئے گئے۔ دیکھو ۳۱ باب ۱۷۔ آیت گنتی استثنا ۲۰ باب ایموئل اوّل $\frac{18}{17}$ پھر سموئل اول $\frac{25}{28}$ پھر استثنا $\frac{20}{10}$ اور ان آیات کے رُو سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ پہلے صلح کا پیغام بھی بھیجا جاتا تھا جیسا اشب ۱۰۲ سے ظاہر ہے اور نیز جزیہ لینا بھی ثابت ہے جیسے قاضیوں کی کتاب باب اوّل ۲۸ و ۳۰ و ۳۳ و ۳۵۔ اور یوشع $\frac{16}{10}$ ؂

(باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب	ازجانب
اہل اسلام	عیسائی صاحبان

بارھواں پرچہ

مباحثہ ۳-جون ۱۸۶۹۳

روئداد جلسہ

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے ۶ بجے ۲ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۶ بجے ۴ منٹ پر ختم ہوا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔ مرزا صاحب نے ۷ بجے ۲ منٹ پر لکھنا شروع کیا اور ۸ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور ڈپٹی صاحب نے ۹ بجے ۲۴ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۴۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور تحریروں پر میر مجلس صاحبان کے دستخط ہو کر جلسہ برخواست ہوا۔

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

از جانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

۳-جون ۱۸۹۳ء

یکم جون کا بقیہ:- ایمان بالجبر پر دیکھو (۱) سورہ انفال میں لکھا ہے کہ وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ - یعنی قتل کرو اُن کو یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور دین ہو جاوے کل اللہ کے واسطے (سورہ توبہ کا رکوع ایک)
یعنی جب گزر جائیں مہینہ پناہ کے تو مارو مشرکوں کو اور ڈھونڈھو اُن کو اور گھات پر

لگے رہو اُن کے- الا اگر تائب ہوں اور نماز و زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کی راہ کو چھوڑ دو- اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سُننے تک پناہ دو- پھر پہنچا دو اُن کو جائے امن میں-

پھر سورہ توبہ کے رکوع اوّل میں لکھا ہے کہ کہدے پیچھے رہے گنواروں کو کہ آگے تم کو مقابلہ کرنا ہوگا ایک سخت لڑائی کے گروہ کا تم اُن کو مارو گے یا وہ مانیں گے- ماسوا اس آیت متنازعہ کے یہ اور آیات ہیں جو صاف صاف ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہیں یا سوا ان کے وہ جو جہاد دفعیہ اور انتقامیہ اور انتظامیہ قرآن میں بہت سے بیان ہیں ان کا انکار ہم کو کبھی نہ تھا- اقسام جہاد سے یہ خاص قسم ہے جسپر ہمارا اندرو ہے اور جو ایمان بالجبر پر ایما کرتی ہے- کیا معنی اس کے ہیں کہ یہاں تک قتل کرو کہ مخالفت دین اللہ کی باقی نہ رہے اور کل دین اللہ کا ہی ہو جائے پھر کیا معنی اس کے ہیں کہ اگر تائب ہوں اور نماز و زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کی راہ چھوڑ دو- ورنہ ہر راہ سے اُن کو مارو- پھر ان میں سے بھی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو کلام اللہ کے سُن لینے تک اُن کو پناہ دیدو اور بعد اُسکے مامنہ میں پہونچا دو یعنی ایسے امن کی جگہ کہ غیر لوگ اُن کو تکلیف نہ دیں- اور وہ اسلام سے پھر کر مسلمانوں کو تکلیف نہ دیں پھر کیا معنی اس کے ہیں کہ تم اُن کو قتل کرو گے یا وہ تسلیم کریں گے رخلاصہ صاف صاف یہ کل امور ایمان بالجبر کے اوپر حکم کرتے ہیں ❊

پرچہ دوم - ۲ جون کا بقیہ جواب

پھر جناب نے کلام کے مجسم ہونے پر تکرار کیا ہے کلام یعنی اقنوم ثانی جبکہ پہلے باب انجیل یوحنا میں ایسا لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا مگر مظہریت اس کی واسطے عہدہ مسیحیت کے تیس برس کی عمر میں ظاہر ہوئی- جب روح القدس نازل ہوا اور آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے میں اس سے راضی ہوں جناب بار بار جو تثلیث فی التوحید کے مسئلہ پر اعتراض فرماتے ہیں جناب کو لازم ہے کہ پہلے توحید مطلق کو بدون صفات متعددہ کے اور کچھ ثابت کریں یا کسی شئے میں ماسوائے صفات متعددہ کے اور کچھ دکھلادیں- واضح رہے کہ صفت کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک قوت ہو کہ جو خاص قسم واحد پر حاوی ہو یعنی جیسے روشنی صرف روشنی ہی کا کام کرتی ہے- وغیرہ ویسے ہی ذات جو جامع صفات ہونے کا ایک ہی کام کرتی ہے-

یہ نہ بھولنا کہ ہم صفت کو اقنوم قرار دیتے ہیں ہمارے معنی اقنوم کے شخص مُعیّن کے ہیں کہ جو مجموعہ صفات ہو اور ہماری دلیل جزو صفت سے جو لی گئی ہے اُس سے ایما ہماری یہ ہے کہ جو جزو پر صادق آتا ہے وہ کُل پر بھی آتا ہے- اقانیم ثلثہ کے بارہ میں ہم یہ صورت بیان کرتے ہیں کہ جیسے ایک شے قائم فی نفسہ ہوتی ہے- اور دوسری مساوی اُس کے لازم و ملزوم اُس میں ہوتی ہے ویسے ہی اوّل اقنوم کہ جس کو اب کہتے ہیں قائم فی نفسہ ہے اور دوسرے

اقانیم یعنی ابن اور روح القدس اس میں لازم ملزوم ہیں اور ایسی چیزیں جو ایک قائم فی نفسہ ہو اور دوسری لازم ملزوم ماہیت کلی کو تقسیم نہیں کرتی گو تمیز اپنی علیحدہ علیحدہ رکھتی ہے۔

۳- روح القدس کے بشکل کبوتر نازل ہونے پر جناب نے ایک تمسخر کیا ہے کہ کبوتر کیا شے ہے ایک چھوٹا سا جانور- کیوں ہاتھی اور اونٹ کی شکل میں اس نے نزول کیا تو اس کے جواب میں آپکو واضح ہو کہ کبوتر کو بے آزار کر کے لکھا ہے اور خبر دہندہ امان کا وقت طوفان نوح کے اس لیئے اس کی ایما یہ بھی کہ وہ کبوتر کی شکل میں اتری اور ہاتھی اور اونٹ کو توریت میں ناپاک جانور کر کے لکھے ہیں ان کی شکل میں روح القدس نہیں آسکتی تھی مگر آپ کے لطافی پر اگر کوئی کہے کہ جناب کے پیشوا نبی عرب نے کس لیئے چھوٹے سے وجود انسانی میں ظہور کیا کیوں نہ سیمرغ میں ظہور فرمایا تو آپ اس لطافی کو کیا کہیں گے۔

۴- موسئے جبکہ کہتا ہے کہ آنے والے نبی کی جو میری مانند درمیانت میں ہوگا اسکی سُنو تو کون بڑا ٹھہرا وہ جس کی سُنی جائے یا وہ جس کا سُننا بند ہو جائے۔ پھر خط عبرانیوں کے ۳/۲ میں لکھا ہے کہ موسئے گھر کا خادم تھا اور یسوع المسیح مالک۔ اور پھر موسئے یسوع مسیح کو پہاڑ پر ملنے کو آیا۔ یسوع اُس کے ملنے کو نہیں گیا تو بڑائی کس کی زیادہ ہے +

۵- یہ جناب کا خیال غلط ہے کہ کوئی معجزہ چھوٹا اور کوئی بڑا بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی دست قدرت کی دو کاریگریاں ہوتی ہیں۔ مکھی کا بنانا اور ہاتھی کا بنانا ایک ہی قدرت چاہتا ہے مگر مجھکو بڑا تعجب یہاں یہ ہے کہ جناب نے نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا کوئی بھی معجزہ ثابت نہ کیا صرف دوسروں کے ہی معجزہ سے اپنا دل خوش فرمایا۔ یا اپنے کشف و کرامات کا ذکر کچھ کیا کہ جس کا ثبوت غیروں پر کبھی کچھ نہیں ہوا +

۶- یسوع مسیح نے کبھی اقرار اپنے گناہوں کا نہیں کیا نہ لفظاً نہ ضمناً اور نہ اُس کے اوپر کبھی یہ فتوے لگا +

یہ تو سچ ہے کہ قرآن انسان کو صرف جبریہ ہی نہیں ٹھہراتا بلکہ ایک طرف جبریہ اور دوسری طرف قدریہ یعنی صاحب اختیار لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جبر اس میں تقدیم رکھتا ہے۔ اور یہ دونوں باہم متناقض بھی ہیں۔ چنانچہ جبر کے غلبہ کا حوالہ ہم اور آیات سے بھی دیتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء کے رکوع ۱۱ میں ہے جس کا حاصل معنی یہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بھلائی اللہ کی طرف سے ہے اور برائی تیری طرف سے۔ تو کہہ اُن سے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (۲) پھر سورۂ نساء کے رکوع ۱۱ میں ہے کہ جس کو اللہ نے گمراہ کیا تم اُس کو راہ پر نہیں لا سکتے اور اُس کیواسطے کوئی راہ باقی نہیں (۳) پھر سورہ مائدہ کے رکوع ۷ میں ہے اگر خدا چاہتا تو ایک ہی دین ہر کو

دیتا مگر اُس کو آزمانا منظور تھا - پھر سورۂ انعام کے ۱۷- رکوع میں ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم شریک نہ ٹھہرالیتے ایسا ہی پہلے بھی کافر کہتے رہے -

۷- انسان کی فعل مختاری پر اطلاق کا لفظ جناب نے غلط لگایا ہے بلکہ وہ اپنی حدود معینہ میں پورا فعل مختار ہے - میں نے یہ کبھی نہیں مانا جو جناب فرماتے ہیں کہ فعل مختاری میں دخل غیر بھی کچھ ہے اور نہ میں کچھ پیچ بحث کرتا ہوں مگر "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" یہ ضد فعل مختاری و ناختاری انسان میں تو صرف قرآن میں ہی پائی جاتی ہے -

۸- سخت دلی فرعون کے معنی ہم بار بار کر چکے ہیں آیندہ اس کا تکرار عبث ہے -

۹- امثال کے باب ۱۶/۴ میں یہ نہیں لکھا کہ شریر کو شرارت کے واسطے بنایا گیا مگر بُرے دن کے واسطے - جس کی شرح حزقیل کے ۱۸/ ۲۳ و ۳۲ اور ۳۲/۱۱ اور پطرس کے دوسرے خط ۳/۹ میں اور پہلا طمطاؤس کے ۲/۴ میں یہ لکھا ہے کہ شریروں کو مہلت نجات کی دی جاتی ہے اور خدا کی خوشی اس میں نہیں - جیسا کہ قرآن آپ کے نبی کی بابت کہتا ہے کہ واستغفر لذنبک والمومنین والمومنات - معافی مانگ اپنے گناہوں کے لیئے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیئے - بپتسما پانے میں یسوع نے اپنی مراد آپ ظاہر کردی ہے یعنی یہ کل راست بازی پوری ہو یعنی متابعت شریعت موجودہ کی کیجائے - اور واضح رہے کہ شریعت موسوی اور انبیاء سلف کا عمل عید پنتی کوسٹ کے دن تک رہا ہے جبکہ مسیح نے جی اٹھکر آسمان کی طرف صعود کیا تب سے شریعت عیسوی جاری ہوئی - ورنہ پہلے اس کے شریعت سلف کی بھی خلاف ورزی کرتے نہ تھا اب پھر جو جناب یوحنا کو باعث بپتسما دینے یسوع کے بڑا فرماتے ہیں - یوحنا خود یہ کہتا ہے کہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں اور کہ وہ برّہ ہے جو سب کے گناہوں کے واسطے ذبح ہوگا - وہ جو جناب نے پھر لفظ نیک کے اوپر تکرار کیا ہے اُس کا جواب بتکرار دیا گیا ہے اب اور کچھ کہنا ضرور نہیں مگر اس قدر یاد دلانا کافی ہے کہ وہ خطاب جو اُس نے اُس جوان سے فرمایا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے جبکہ نیک سوائے ایک خدا کے کوئی نہیں اسی شخص سے یہ بھی اخیر میں فرمایا تھا کہ اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال عاجزوں کو تقسیم کر دے اور میرے پیچھے ہو لے - لیکن وہ دلگیر ہو کے چلا گیا - اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ جانوں اور مالوں سب کا وہ مالک تھا اور وہ جوان نہیں مانتا تھا کہ یہ مالک ہے اس لیئے اس کو متنبہ کیا گیا کہ از انجا تو مجھے خدا نہیں جانتا - بروئے اعتقاد جمہور یہود کے نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں ہو سکتا تو پھر مکاری سے مجھے تو نیک کیوں کہتا ہے یہ اُس کی مکاری کی اصلاح تھی نہ کہ الوہیت سے انکار +

۱۰- انسان مسیح کا شیطان سے آزمایا جانا کیا نقصان اُس کی الوہیت کو رکھتا ہے انسان ہوکر تو وے امتحان میں کھڑا کیا گیا اور جو آدم اول گر کر کھو بیٹھا تھا اُس نے کھڑا رہکر پالیا پھر اس میں اعتراض کی جگہ کون سی ہے اور شریر اپنی شرارت میں مرجائے پس یہ غلط ہے کہ شریر کو شریر بنایا گیا ہے۔ جیسے یہ عام غلطی ہے کہ شیطان کو شیطان بنایا گیا صحیح یہ ہے کہ شیطان کو مقدس فرشتہ بنایا گیا تھا پھر اُس نے گناہ کرکے اپنے آپ کو شیطان بنالیا۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ شریر بنانے اور شریر ہونے دینے کا مآل ایک ہی ہے۔ اور وہ بچے کی مثال بھی جو جناب نے دی اس قدر اصلاح کے لائق ہے کہ اگر وہ نیک و بد کی ماہیت سے آگاہ نہیں یا طاقت نیکی کرنے اور بدی کرنے کی نہیں رکھتا تو مواخذہ عدل سے بھی بری ہے اُس کا مرنا واسطے جہنم کے نہیں۔

۱۱- جناب نے مجھے دھوکہ باز جو ٹھہرایا ہے اس کے لیئے میری طرف سے آپ کو سلام پہنچے اور آپکے مانگنے بدون ہی میری طرف سے معافی بھی۔ (باقی آئندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

ازجانب حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب نے جس قدر پھر قرآن شریف کی ایسی آئیتیں لکھی ہیں جس سے وہ ایمان بالجبر کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ افسوس وہ اُن آیات کے پیش کرنے میں ایک ذرہ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ ہم نے صاف طور پر تحریر گزشتہ میں جتلا دیا ہے کہ قرآن شریف میں ہرگز ہرگز جبر کی تعلیم نہیں ہے۔

پہلے کفار نے ابتداء کرکے صدہا مومنوں کو تکلیفیں دیں قتل کیا۔ وطنوں سے نکالا اور پھر تعاقب کیا اور جب اُن کا ظلم حد سے بڑھ گیا اور اُن کے جرائم خدا تعالیٰ کی نظر میں سزادہی کے لائق ٹھہر گئے تب اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی۔ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر (س ۱۷ ر ۱۳) یعنی جن لوگوں پر یعنی مسلمانوں پر ظلم ہوا اور ان کے قتل کرنے کے لیئے اقدام کیا گیا۔ اب اللہ تعالیٰ بھی انہیں مقابلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے

پھر چونکہ عرب کے لوگ بباعث ناحق کی خوں ریزیوں کے جو وہ پہلے کر چکے تھے اور بُری بُری ایذاؤں سے مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے اس لیئے ایک شخصی قصاص کے وہ مستحق ہوگئے تھے۔ اور اس لائق تھے کہ جیسا اُنھوں نے ناحق بے گناہوں کو بُرے بُرے عذاب پہنچا کر قتل کیا ایسا ہی اُن کو بھی قتل کیا جائے۔ اور جیسا کہ اُنھوں نے مُسلمانوں کو اپنے وطنوں سے نکال کر تباہی میں ڈالا اور اُن کے مالوں اور جائدادوں اور گھروں پر قبضہ کر لیا ایسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے لیکن خدا تعالیٰ نے رحم کے طور پر جیسی اور رعائتیں کی ہیں کہ ان کے بچے نہ مارے جاویں اور اُن کی عورتیں قتل نہ ہوں ایسا ہی یہ بھی رعایت کر دی کہ اگر ان میں سے کوئی مقتول ہونے سے پہلے خود بخود ایمان لے آوے تو وہ اس سزا سے بچایا جاوے جو بوجہ اس کے پہلے جرائم اور خوں ریزیوں کے اُسپر واجب ہوتی تھی۔ اس بیان سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے جیسا کہ یہی آیت جو پیش کر چکا ہوں صاف صاف بیان فرما رہی ہے اور اس کے ساتھ کی دوسری آیت بھی یعنی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا ان یقولوا ربنا اللہ۔ (۱۷/۱۳) یعنی وے مظلوم جو اپنے وطنوں سے بے گناہ نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس کے بعد یہ آیت پیش کرتا ہوں یعنی قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ یعنی عرب کے اُن مشرکوں کو قتل کرو یہاں تک کہ بغاوت باقی نہ رہجاوے اور دین یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ اس سے کہاں جبر نکلتا ہے۔ اس سے تو صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ اُس حد تک لڑو کہ اُن کا زور ٹوٹ جائے اور شرارت اور فساد اُٹھ جائے اور بعض لوگ جیسے خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں۔ اگر اللہ جلّ شانہٗ کا ایمان بالجبر منشا ہوتا جیسا کہ ڈپٹی صاحب سمجھ رہے ہیں تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کے لیئے یہ اجازت دیجاتی کہ وہ جزیہ دیکر امن میں آجائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کریں اور ڈپٹی صاحب موصوف نے جو مامنہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ تشریح غلط ہے یعنی اس آیت کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو سُننا چاہے تو اس کو اپنی پناہ میں لے آؤ۔ جب تک وہ کلام الٰہی کو سُنے پھر اُس کو اُسی کے مامن میں پہونچا دو اور اس آیت کے آگے یہ آیت ہے۔ ذالک بانھم قوم لا یعلمون (سورہ توبہ رکوع ۱) یعنی یہ رعائت اس لیئے ہے کہ یہ قوم بے خبر ہے۔ اب ڈپٹی صاحب یہ معنی کرتے ہیں کہ گویا اس کو کلام الٰہی کے سُننے کے بعد ایسی جگہ پہونچا دو جہاں سے بھاگ نہ سکے۔ جبکہ انصاف اور فہم کا یہ حال ہے تو نتیجہ بحث کا معلوم۔ آپ نہیں سمجھتے کہ کلام الٰہی کے تو یہ لفظ ہیں کہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی پھر اس مشرک کو

اُس کی جگہ امن میں پہونچادے اب ایسے صاف اور سیدھے اور کُھلے کُھلے لفظ کی تحریف کرنا اور یہ کہنا کہ ایسی جگہ پہونچا دو کہ وہ بھاگ نہ سکے اور مسلمانوں کے قبضہ میں رہے کس قدر ایک بدیہی صداقت کا خون کرنا ہے۔ پھر ڈپٹی صاحب اس آیت کو پیش کرتے ہیں کہ جس میں چار مہینے کے گذرنے پر قتل کا حکم ہے۔ اور نہیں سمجھتے کہ وہ تو اُن مجرموں کے متعلق ہے جو عہدوں کو توڑتے تھے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ وعند رسولہ (توبہ۔ رکوع ۲) جس کا مطلب یہی ہے کہ بعد عہدوں کے توڑنے کے اُن کے قول و اقرار کا کیا اعتبار رہا اور پھر فرماتا ہے لا یرقبون فی مومن الا ولا ذمہ واولئک ھم المعتدون۔ یہ مشرک نہ کسی عہد کا پاس کرتے ہیں اور نہ کسی قرابت کا اور حد سے نکل جانے والے ہیں اور پھر فرماتا ہے۔ وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ایمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم وھموا باخراج الرسول وھم بدؤکم اول مرۃ (توبہ رکوع ۲) یعنی اگر یہ مشرک توڑیں قسمیں اپنی بعد عہد کرنے کے اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرداروں سے لڑو کیونکہ وہ اپنی قسموں پر قائم نہیں رہے تاکہ وہ باز آجائیں کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑوگے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول کو نکال دینے کا قصد کیا اور اُنہوں نے ہی اوّل ایذاء اور قتل کے لیئے اقدام کیا۔ اب تمام ان آیات پر نظر غور ڈال کر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس مسئلہ سے جبر کو کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ مشرکین عرب نے اپنے ایذاء اور خون ریزیوں کو یہاں تک پہنچا کر اپنے تئیں اس لائق کر دیا تھا کہ جیسا کہ اُنھوں نے مسلمانوں کے مردوں کو قتل کیا اور انکی عورتوں کو سخت بیرحمی سے مارا اور اُنکے بچوں کو قتل کیا وہ اس لائق ٹھہر گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کے قانون جہاد کے موافق اُنکی عورتیں بھی قتل کیجائیں اُن کے بچے بھی قتل کیئے جائیں اور ان کے جوان و بڈھے سب تہ تیغ کیئے جاویں اور انکو اپنے وطنوں سے جلا وطن کرکے اُن کے شہروں اور دیہات کو پھونکا جائے لیکن ہمارے نبی صلعم نے ایسا نہ کیا بلکہ ہر طرح سے ان کو رعائت دی یہاں تک کہ باوجود اُن کے واجب القتل ہونے کے جو اپنی خونریزیوں کی وجہ سے وہ اُس کے لائق ہو گئے تھے اِن کو یہ بھی رعائت دیگئی کہ اگر کوئی ان میں سے اپنی مرضی سے دین اسلام اختیار کرے تو امن میں آجائے۔

اب اس نرم اور پُر رحم طریق پر اعتراض کیا جاتا ہے اور حضرت موسےٰ کی لڑائیوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے۔ افسوس ہزار افسوس اگر اس وقت انصاف ہو تو اس فرق کو سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا تعجب کہ وہ خدا جس نے حضرت موسےٰ کو حکم دیدیا کہ تم مصر سے ناحق ناواجب لوگوں کے برتن اور زیور مستعار طور پر لیکر اور دروغگوئی کے طور پر ان چیزوں کو اپنے قبضہ میں کرکے پھر اپنا مال سمجھ لو اور دشمنوں کے

مقابل پر ایسی بے رحمی کرو کہ کئی لاکھ بچے اُن کے قتل کردو اور لوٹ کا مال لے لو اور ایک حصہ خدا کا اُس میں سے نکالو اور حضرت موسیٰ جس عورت کو چاہیں اپنے لیئے پسند کریں اور بعض صورتوں میں جزیہ بھی لیاجائے اور مخالفوں کے شہر اور دیہات پھونکے جائیں۔ اور وہی خدا ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں باوجود اپنی ایسی نرمیوں کے فرماتا ہے بچوں کو قتل نہ کرو عورتوں کو قتل نہ کرو۔ راہبوں سے کچھ تعلق نہ رکھو۔ کھیتیوں کو مت جلاؤ۔ گرجاؤں کو مسمار مت کرو اور اُنہیں کا مقابلہ کرو جنہوں نے اوّل تمہارے قتل کرنے کے لیئے پیش قدمی کی ہے اور پھر اگر وہ جزیہ دیدیں یا اگر عرب کے گروہ میں سے ہیں جو اپنی سابقہ خوں ریزیوں کی وجہ سے واجب القتل ہیں تو ایمان لانے پر اُن کو چھوڑ دو اگر کوئی شخص کلام الٰہی سُننا چاہتا ہے تو اُس کو اپنی پناہ میں لے آؤ اور وہ جب سُن چکے تو اُس کو اس کی امن کی جگہ میں پہونچادو۔ افسوس کہ اب وُہی خدا مورد اعتراض ٹھہرایا گیا ہے۔ افسوس کہ ایسی عمدہ اور اعلےٰ تعلیم پر وہ لوگ اعتراض کر رہے ہیں جو توریت کی اُن خوں ریزیوں کو جن سے بچے بھی باہر نہیں رہے خدا تعالےٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ پھر ڈپٹی صاحب نے اپنے رحم بلا مبادلہ کے بیان کی تائید میں فرمایا تھا کہ یہ بات غلط ہے کہ عدل سے پہلے رحم ہوتا ہے بلکہ عدل سے پہلے جو سلوک کیا جاتا ہے اُس کا نام گوڈنس ہے۔ رحم عدل کے بعد شروع ہوتا ہے افسوس کہ ڈپٹی صاحب موصوف غلطی پر غلطی کرتے جاتے ہیں۔ میں اُن کی کس کس غلطی کی اصلاح کروں۔ واضح ہو کہ گوڈنس یعنی نیکی یا احسان صفات میں داخل نہیں ہے بلکہ ایک کیفیت کے نتائج و ثمرات میں سے ہے وہ چیز جس کا نام صفت رکھا جائے وہ اس جگہ بجز رحم کے اسم کے اور کسی نام سے موسوم نہیں ہو سکتی اور رحم اس کیفیت کا نام ہے کہ جب انسان یا اللہ تعالےٰ کسی کو کمزور اور ضعیف اور ناتوان یا مصیبت زدہ اور محتاج مدد پاکر اُس کی تائید کے لیئے توجہ فرماتا ہے۔ پھر وہ تائید خواہ کسی طور سے ظہور میں آوے اُس کا نام گوڈنس رکھ لو یا اس کو نیکی اور احسان کہدو۔ ہو سکتا ہے۔ احسان کوئی صفت نہیں ہے اور کسی کیفیت راسخہ فے القلب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اس کیفیت راسخہ یعنی رحم کا لازمی نتیجہ ہے۔ مثلاً جب ایک بے دست و پا محتاج بھوکا ہماری نظر کے سامنے آئیگا تو اُس کی پہلی حالت ناتوانی اور ضعف کی دیکھکر ہمارے دل میں ایک کیفیت رحم کی اس کے لیئے پیدا ہوگی تب اس رحم کے جوش سے ہم نیکی کرنے کی توفیق پائیں گے اور آپ کا وہ گوڈنس ظہور میں آئے گا۔ تو اب دیکھو وہ گوڈنس رحم کی صفت کا ایک ثمرہ اور نتیجہ لازمی ہوا یا خود بجائے رحم کے ایک صفت ہے منصفین اس کو خود دیکھ لیں گے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ رحم عدل کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس تقریر سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ تا قرآن شریف یعنی سورہ فاتحہ میں جو آیت الرحمٰن الرحیم ہے

اُس پر رد کریں لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت ہے اِس سے تو خود آپ کی حالت علیت کی پردہ دری ہوئی جاتی ہے۔ اِس بات کو کون نہیں جانتا کہ رحم جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں ضعیف یا ناتوان یا مصیبت زدہ کو دیکھکر پیدا ہوتا ہے یہ نہیں کہ عدل کے بعد ظہور میں آوے۔ ایسا ہی توریت میں ہے عزرا ۳/۱۱ و نحمیاہ ۹/۳ و ۹/۱۹ زبور ۸۶/۵ و ۱۰۶/۱ اور نیز آپ کا یہ قول جو بار بار پیش کر رہے ہیں جو رحم اور عدل کی گویا باہم لڑائی ہے اور اس لڑائی کے فرو کرنے کے لیئے کفارہ کی تجویز ہوئی یہ آپ کا بیان سراسر غلط ہے اِس بات میں کچھ بھی شک نہیں کہ گناہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب اوّل قانون فرماں برداری کا شائع ہو جائے کیونکہ نافرمانی فرماں برداری کے بعد ہوا کرتی ہے۔ پھر جبکہ یہ صورت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جب قانون نازل ہوگا اور خدا تعالےٰ کی کتاب اپنے وعدوں کے مطابق عملدرآمد کرے گی یعنی اِس طرح کے احکام ہوں گے کہ فلاں شخص فلاں نیک کام کرے تو اس کا اجر یہ ہوگا یا بد کام کرے تو اُس کی سزا یہ ہوگی۔ تو اُس صورت میں کفارہ کا دخل کسی طور سے جائز نہیں جبکہ وعدہ وعید کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو اُس صورت میں ایک بیٹا نہیں اگر ہزار بیٹے بھی صلیب پر کھینچے جاویں تب بھی وعدہ میں تخلف نہیں ہو سکتا اور کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ خدا تعالےٰ اپنے وعدوں کو توڑتا ہے اور جبکہ تمام مدار وعدوں پر ہے کسی حق پر نہیں ہے تو وعدوں کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے۔ آپکا یہ بار بار فرمانا کہ حقوق کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے مجھے تعجب دلاتا ہے آپ نہیں سوچتے کہ خدا تعالےٰ کے مقابل کسی کا حق نہیں ہے اگر حق ہوتا تو پھر خدا تعالےٰ پر صدہا اعتراض ہر طرف سے قائم ہوتے جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ کیڑے مکوڑے اور ہر ایک قسم کے حیوانات جو خدا تعالےٰ نے پیدا کیئے کیا یہ مواخذہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں ایسا کیوں بنایا۔ اسیطرح خدا تعالےٰ بھی قبل از تنزیل کتاب یعنی کتاب بھیجنے سے پہلے کسی پر مواخذہ نہیں کرتا۔ اور یوں تو خدا تعالےٰ کے حقوق اُس کے بندوں پر اس قدر ہیں کہ جس قدر اُس کی نعمتیں ہیں یعنی شمار میں نہیں آسکتے لیکن گناہ صرف وُہی کہلائیں گے جو کتاب نازل ہونے کے بعد نافرمانیوں کی مد میں آجائیں گے اور جبکہ یہ صورت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالےٰ درحقیقت عام طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ وہ لاتعداد لاتحصٰی ہیں بلکہ نافرمانیوں کا مواخذہ کرتا ہے اور نافرمانیاں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں وعدہ اور وعید سے وابستہ ہیں یعنی اگر نیکی کرے تو اُس کو ضرور نیک جزا ملیگی اور اگر بدی کرے تو اس کو بد ثمرہ ملیگا اور ساتھ اس کے یہ بھی وعدہ ہے کہ ایمان اور توبہ پر نجات ملے گی تو پھر اس صورت میں کفارہ کا کیا تعلق رہا۔ کیا کسی کے مصلوب ہونے سے اللہ تعالےٰ اپنے وعدوں سے دست کش ہو سکتا ہے۔ صاحب یہ تو قانونی سزائیں ہیں جو انسانوں کو ملینگی۔ حقوق کی

سزائیں نہیں جیسا کہ آپ کا بھی یہی مذہب ہے پھر جبکہ یہ حالت ہے تو یہ جزائیں اور سزائیں صرف وعد و وعید کی رعائت سے ہو سکتے ہیں اور کوئی صورت نہیں ہے جو اُس کے برخلاف ہو اور یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالےٰ بدی پر راضی نہیں کفر پر راضی نہیں اس سے کون انکار کرتا ہے مگر جرائم اُسی وقت جرائم کہلاتے ہیں جب قانون اُن کو جرائم ٹھہراوے ورنہ دنیا میں صدہا طور کے ناجائز امور ہوتے اور ہو رہے ہیں وہ اگر کتاب الٰہی سے خارج ہوں تو کیونکر جرائم ہو سکتے ہیں مثلاً جیسے انسان قتل و خوں ریزی کرتا ہے ایک درندہ بھی مثلاً شیر ہمیشہ خوں ریزی کر کے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور جیسے انسان کو اپنے امور نکاح کے متعلق ماں بہن اور رشتوں سے پرہیز ہوتا ہے جانوروں میں یہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ بھی ہے کہ انسانوں میں شریعت کے ذریعہ سے بھی ایسے احکام بدلتے رہے ہیں کہ حضرت موسےٰ کو اجازت ہوئی کہ لڑائی میں جو عورتیں پکڑی جائیں ان میں سے جس کو پسند کریں اپنے لیئے رکھ لیں بچوں کو قتل کر دیں بیگانہ مال دروغ گوئی کے طور لیکر اپنے قبضہ میں کریں اور دُور دراز منازل تک اسپر اکل و شرب کا گذرہ ہو لوگوں کے شہروں کو پھونکدیں مگر یہ اجازت دوسری شریعتوں میں کہاں ہوئی۔ (باقی آیندہ)

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
از جانب اہل اسلام	از جانب عیسائی صاحبان

بیان ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

بقایا بیان سابقہ امروزہ

۱۲- موسیٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب نہ دکھلا سکینگے اور وباؤں میں جیسا کہ طوفان نوح تھا یا اور قربان میں جناب نہیں کہہ سکتے کہ بحکم خدا نہیں یا معصوم ان میں مارے جانے سے نامعصوم ٹھہر جاتے ہیں پس یا تو انکار فرمائیے کہ توریت کلام اللہ نہیں یا اعتراضوں کو بند کیجیئے۔ ہمارے اعتراض قرآن کے اوپر صفات ربانی کے مخالف ہونے کے باعث ہیں اور اس سے ہمارا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کلام اللہ نہیں ہو سکتا اور نبی اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ

نہیں ہو سکتے اور ان اعتراضوں کے برخلاف ہم نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ کلام الہامی ہے اور یہ قول حقیقی - پس یہ ویسے اعتراض نہیں کہ جیسے آپ توریت پر کرتے ہیں - کہ جس کو آپ بروئے قرآن کلام اللہ بھی جانتے ہیں اور موسےٰ کو رسول اللہ بھی اور پھر معترض ہوتے ہیں جیسے ہمنے صفات الٰہی کے مخالف تعلیمات قرآنی کو تھوڑا سا ظاہر کیا ہے ہم چند تعلیمات قرآنی اور بھی بیان کرتے ہیں مثلاً ایک یہ کہ قرآن بجائے حق پرستی کے ناحق کے خوف کی پرستش جائز کرتا ہے جیسے کہ سورہ نحل میں لکھا ہے کہ جو شخص ایمان اللہ کے بعد تکفیر بر نام اللہ کے کرے بشرطیکہ وہ مجبور نہ ہو اور اپنے دل میں مطمئن ہو ایسے پر اللہ کا غضب ہے یعنی حالت مجبوری میں اور اطمینان دلی میں بابت حق ہونے اللہ کے انکار اللہ سے قابل غضب الٰہی کے نہیں اور یہ صاف ناحق کی خوف پرستی ہے بجائے حق پرستی کے جو حق کہ قادر مطلق ہے اور پھر سورہ کہف میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین جب عرب میں پہونچا تو اس نے پایا کہ غروب ہوتا سورج کا دلدل کی ندی میں ہوتا ہے - اگرچہ یہاں پانا ذوالقرنین کا لکھا ہے لیکن کلام قرآنی کی تصدیق کے سوا نہیں یعنی تصدیق قرآنی اسکے ساتھ اور یہ امر واقعی نہیں پھر اس کو حق کے ساتھ کیونکر موافق کیا جائے +

(۳) روزہ کے رکھنے کی حدود زمانہ قرآن میں یہ بیان ہوئی ہیں کہ دن کی سفید دھاری کے نکلنے سے پہلے شروع کیا جائے اور شام کی سیاہی کی دھاری کے آنے تک اس کو رکھا جائے اس میں سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کل انسانوں کے واسطے ہے تو گرین لینڈ اور آئس لینڈ کا حال کیا ہو گا؟ جہاں چھ مہینے تک سورج طلوع نہیں کرتا - اگر کہو کہ وہاں وقت کا اندازہ کر لینا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن وقت کا اندازہ خود کرتا ہے اور کسی دوسرے کو اس کا اندازہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا - یہ چند برائے نمونہ وہ تعلیمات قرآنی ہیں جو بالبداہت صداقت کے برخلاف ہیں +

(۴) ماسوا اس کے ظاہر ہے کہ چھوٹا بڑے کی قسم کھا سکتا ہے اور معنی قسم کے یہ ہیں کہ اگر اس کا بیان جھوٹا ہو تو اس بڑے کی مار اس پر پڑے - لیکن جبکہ قرآن میں اونچی چھت ابلتے پانی اور زیتون اور قلم وغیرہ کی قسمیں لکھی ہیں تو یہ چیزیں خدا کو کیا نقصان پہونچا سکتی ہیں اور ایسی قسمیں صرف ہنسی کی سی معلوم نہیں ہوتیں تو اور کیا ہیں +

جواب امروزہ

۱- جناب فرماتے ہیں کہ ایمان بالجبر کی تعلیم قرآن میں نہیں ہے - اس پر اور کچھ کہنا ضرور نہیں منصف ہر دو کے بیانوں کو دیکھ لیں گے - خود ہی انصاف کر لیں گے - قہر الٰہی کے حکم کی

تعمیل اور بات ہے اور پالیسی کی تجویز کی تعبیر اور بات ہے۔ موسےٰ کو حکم الٰہی تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کر دو جیسے کہ طوفان کا حکم ہو یا خاص وبا کا حکم ہو کہ جس میں گنہگار تو مارے جاتے ہیں اور بے گناہوں کا امتحان ختم ہو جاتا ہے ان کو گنہگار نہیں بنایا جاتا مگر جناب کے حکم پالیسی کے ہیں جس میں لکھا ہے کہ بچے اور عورتیں وغیرہ محفوظ رکھے جاویں اور جو شخص اسلام پر آجاوے اس کو امان دیا جاوے۔ پس یہی تو امان منحصر بر ایمان ہے جس پر اعتراض قائم ہوتا ہے اور خدا کے وباؤں کے اوپر خواہ کسی اسباب سے ہوں کوئی اعتراض قائم نہیں ہوتا۔

مامنہ کے معنی یہ نہیں کہ اسی شخص کا وطن اور گھر امن کا ٹھہرایا جاوے بلکہ سورہ انفال میں ایک آیت ہے جس کا حوالہ میں ابھی ڈھونڈ کے دوں گا جس میں لکھا ہے کہ جو گھر چھوڑ کے ہمارے بیچ میں آ کر نہ رہے ہمارے جنگ سے محفوظ نہیں یہاں سے ثابت ہے کہ مامنہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اُن پر غیر لوگ تکلیف نہ پہونچا سکیں اور اُن کو دین سے پھر جانے کا پھر موقع نہ ملے۔

ہم نے بہت قسم کے جہاد جناب کے تسلیم کر لیتے ہیں۔ ہمارا اعتراض جہاد ایمان بالجبری پر ہے جو اس سے سوا آپ نے فرمایا وہ سوا ہی ہے۔ ہماری آیات سند کا آپ نے اچھی طرح سے جواب نہیں دیا۔ اور وہ جو آپ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ نے اچھی اچھی عورتیں جو لوٹ سے بچالی گئیں خود رکھ لیں توریت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جو اس ایک شادی رغواسیل یا تیرو کی لڑکی سے شادی کی تھی اس کے سوا اور کوئی شادی نہیں کی اور نہ لونڈی رکھی۔ البتہ اس نے بعض عورات کو جو لوٹ میں بنی اسرائیل لائے رکھ چھوڑنے کی اجازت دی لیکن اُن کا پیچھے رونے والا بھی کوئی نہ تھا کیونکہ سب کا قتل عام کا حکم تھا اور ایسا ہی ہر وبا میں ہوتا ہے کہ بمشیت الٰہی بعضے بچ بھی جاتے ہیں لیکن قرآن میں جو لوٹ کی عورتیں اور خرید کی عورتیں جائز رکھی گئی ہیں اُن کو آپ کس طرح سے چھپا سکتے ہیں کہ جن کے پیچھے رونے والے بھی موجود تھے دیکھو سورہ احزاب میں جس میں یہ لکھا ہے

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک ۔ اس میں ملک ہونا بذریعہ خرید کے ہے اور فے بذریعہ لوٹ کے ہے۔ اور جو سر سید احمد خاں صاحب نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اُس کا موقعہ ابھی نہیں مگر پیچھے سے اُن کی غلطی ہم دکھا دیں گے۔

موسےٰ کی لڑائیوں میں ہم نے فرق دکھلا دیا کہ وہ بحکم الٰہی تھیں و بانشان ۔ اور قرآن کی لڑائیاں ظاہر ہے کہ پالیسی کی تھیں۔ جس کے واسطے کبھی تصدیق کسی معجزہ کی نہیں ہوئی اور تعلیمات اس کے برخلاف صفات ربانی کے ہیں لہٰذا ہم اس کو الہامی نہیں کہہ سکتے +

۲۔ یہ تو سچ ہے کہ برتن سونے چاندی کے بنی اسرائیل نے مصریوں سے مستعار

لیئے تھے لیکن وہ سونا چاندی جس حقیقی مالک کی ملک ہیں یعنے خدا کی اُسی خدا نے اُن کو اجازت دی کہ اپنے پاس رہنے دو پھر اس میں ظلم کونسا ہے - اہل کتاب کے واسطے جزیہ گذاری اور ذلت قرآن نے قرار دی ہے وہ بے شک قتل عام سے تو مستثنےٰ کیئے گئے ہیں لیکن آپ نہیں کہہ سکتے کہ جزیہ گذاری اور ذلت خواری سے گذارنا کوئی خشکی نہیں اور وہ بے ایذا مطلق ہے خواہ نخواہ کچھ تو ایذا اس میں ہے آگے ہم تواریخ کا حوالہ آپ کو کچھ نہ دیں گے کہ کیا کچھ گذرا ہے ہم نے صرف قرآن کو لیا ہے اسی کے اوپر اعتراض کرتے ہیں اور نہیں کرتے ہیں ÷

۳ - جناب گوڈنس کو شعبہ مرسی یعنی رحم کا قرار دیتے ہیں لیکن مجھ کو معاف رکھیئے کہ یہ ایک ایسی غلطی ہے کہ عام غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے گوڈنس وہ ہے جو حق سے زیادہ احسان دکھلاتی ہے اور رحم وہ ہے جو مواخذہ عدل سے چھوڑتا ہے - لیکن جناب کو خواہ نخواہ مدنظر یہ ہے کہ کہیں تسلیم کفارہ کی ثابت نہ ہوجائے اس لیئے آپ ان باتوں کے سمجھنے کو پسند نہیں فرماتے ÷

یہ ایک عجیب امر آپ فرماتے رہیں کہ رحم کو تقدیم ہے عدل کے اوپر - اور عجیب اس میں یہ ہے کہ رحم مواخذہ پر آتا ہے یعنی مواخذہ عدل پر تو اُس کو تقدیم کیونکر ہوئی - درست کہنا تو یہ ہے کہ ہر صفت اپنے اپنے موقع پر ظہور کرتی ہے اور وہ جو چند باتیں جناب رحم کے متعلق سمجھتے ہیں - درحقیقت گوڈنس کے متعلق ہیں رحم سے ان کا علاقہ کچھ نہیں - تھوڑی سی شرح کے واسطے گوڈنس کی تعریف ہم اور بھی کر دیتے ہیں -

مثال - اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو اچھی طرح سے نہلاتا - کھلاتا - پلاتا ہے - اس سے زیادہ کہ اگر اُس کو چھوڑ دیا جائے تو کبھی میسر نہ ہو تو یہ گوڈنس ہے - اور اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کو جو اُس کی حفاظت میں ہیں ایذا دیوے اور اس ایذا میں وہ خوش ہو - یہ وہ امر ہے کہ گوڈنس کے برخلاف ہے - ہر ایک مخلوق جو عدم سے بوجود آیا ہے اس کے کچھ حقوق اپنے خالق پر ہیں - چنانچہ ایک یہ کہ وہ اُن کو ہر حاجت میں دُکھ دینے والے سے بری رکھے یہاں تک عدل ہے مگر جو اس سے بڑھکر اُن کو سُکھ کی افزونی دیوے یہ گوڈنس ہے اور جب کوئی شخص اپنے اعمال سے جو اُس نے دیدہ و دانستہ و باختیار خود کیا ہو مواخذہ عدل میں ہو اس سے چھوڑانے کو رحم کہتے ہیں ÷

۴ - جانوروں کی بابت میں جو شکم سیری و معیشت نفسی کی بابت فرمایا ہے اگر اُن کے مفعولوں کو کچھ دُکھ ہے تو جناب کو ثابت کرنا چاہیئے کہ ان تین دُکھوں کے ماسوائے

جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور مواخذہ عدل کے لائق ہے ورنہ ان پر الزام ہی کیا ہے۔ اور جو ماہیت ظلم سے بھی آگاہ نہیں یا اتفاق جناب اس کو مواخذہ ہی کیونکر ہوسکتا ہے پس اس فلاسفہ کے غواصی ہیں جناب چوطرف ایک شے کے نہیں پھرے اور اندر باہر اسکے نظر نہیں کی۔ جب کلی ماہیت اس کی معلوم کریں گے تب ایسے دلائل کو پیش بھی نہ کریں گے ✤

۵- ہمنے ایک سوال کیا تھا بابت فرشتوں اور پیدائش مسیح کے اسپر ہمارا بہت کچھ کہنا ہے۔ اس کا جواب ہنوز آپنے نہیں دیا۔ ہم انتظار اس کا کرتے ہیں ✤

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر - فصیح	ہنری مارٹن کلارک
(پریزیڈنٹ)	(پریزیڈنٹ)
ازجانب	ازجانب
اھل اسلام	عیسائی صاحبان

تیرھواں پرچہ

مباحثہ ۵-جون ۱۸۹۳ء

روئداد جلسہ

مرزا صاحب نے ۶ بجے ۱ منٹ پر جواب لکھنا شروع کیا اور ۷ بجے ۱۰ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا اور باہمی اتفاق سے قرار پایا کہ آج بحث ختم ہو اور آج کا دن بحث کا آخری دن سمجھا جاوے۔

مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب نے ۷ بجے ۵۵ منٹ پر شروع کیا اور ۸ بجے ۵۵ منٹ پر ختم کیا اور بلند آواز سے سُنایا گیا۔

مرزا صاحب نے ۹ بجے ۲۳ منٹ پر شروع کیا اور ۱۰ بجے ۲۳ منٹ پر ختم کیا۔

جناب خواجہ یوسف شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے کھڑے ہو کر ایک مختصر تقریر فرمائی اور حاضرین جلسہ کی طرف سے دونوں میر مجلسوں کا خصوصاً ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کی خوش اخلاقی اور عُمدہ انتظام کی وجہ سے یہ جلسہ ۱۵ دن تک بڑی خوش اسلوبی اور خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا اور اگر کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا تو دونوں میر مجلسوں نے ایک امر پر اتفاق کر کے ہر دو فریق کو رضامند کیا اور ہر طرح انصاف کو مدنظر رکھ کر صورت امن قائم رکھی ؂

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

ازجانب حضرت مرزا صاحب

ڈپٹی صاحب اور میرے سوال و جواب بطور حرف ع اور غ سے ہیں یعنی ڈپٹی صاحب سے

مراد ع اور مجھ سے مراد غ ہے۔

ع۔ قرآن میں لکھا ہے کہ دیکون الدّین کلہ للّٰہ یعنی یہاں تک قتل کرو کہ کل دین اللہ ہی کا ہو جائے اور زمین پر کفر باقی نہ رہے۔

غ۔ اگر درحقیقت کل دینوں سے قرآن نے یہی معاملہ کیا ہے کہ یا ایمان اور یا قتل تو آپ ایسے معنوں کے کرنے میں سچے ہیں ورنہ جو حال ہے سمجھ لیجئے +

ع۔ اگر ایمان بالجبر نہ تھا تو عربوں کے لیئے یہ کیوں شرط لگائی گئی کہ یا ایمان یا قتل +

غ۔ قتل کا حکم عربوں کی نسبت اُن کی خون ریزیوں کی وجہ سے تھا جو اسلامی لڑائیوں سے پہلے اُنہوں نے اسلام کے غریب اور گوشہ گزین جماعت کو قتل کرنا شروع کیا اور ایمان پر رہائی دینا اُن کے لیئے ایک رعایت تھی جو صفات الٰیہ کے مخالف نہیں دیکھو کتنی دفعہ توبہ کے وقت یہودیوں کو خدا تعالےٰ نے اپنے قہر سے نجات دی اور نیز شفاعت سے بھی +

ع۔ موسےٰ کی لڑائیوں میں امان بشرط ایمان جناب دکھلا نہ سکے +

غ۔ امان بشرط جزیہ تو آپ دیکھ چکے۔ دیکھو قاضیوں کی کتاب باب ۲۸ تا ۲۵/۱ پھر صُلح کا پیغام بھی سُن چکے۔ اگر قہر تھا تو پھر صلح کیسی دیکھو استثنار ۲۰ صُلح کرنے والا ایمان سے قریب ہو جاتا ہے اور پھر ایمان لانے سے کون روکتا ہے +

ع۔ معصوم بچوں کو قتل کرنا وباؤں کی موت کی طرح ہے +

غ۔ ننھے ننھے شیر خوار بچّوں کو اُن کی ماؤں کے سامنے تلواروں اور برچھیوں سے قتل کرنا ایک نہ دو بلکہ لاکھہا بچّوں کو اگر یہ خدا تعالےٰ کے حُکم سے ہے تو پھر قرآنی جہاد کیوں جائے اعتراض سمجھے جاتے ہیں کیا یہ خدا تعالےٰ کی یہ صفات ہیں اور وہ نہیں +

ع۔ موسےٰ کو حکم تھا کہ ان سات قوموں کو بالکل عدم کردیوے +

غ۔ کہاں وہ قومیں عدم کیگئیں صلح کی گئی جزیہ پر چھوڑے گئے۔ عورتیں باقی رکھی گئیں +

ع۔ اسلام لانے کے لیئے جبر کیا گیا ہے +

غ۔ جس نے لا اکراہ فی الدّین فرمایا۔ صلح کو قبول کیا جزیہ دینے پر امان دیدی اس کو کون جائز کہہ سکتا ہے +

ع۔ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ بہتان بکاری کپڑے اتارلیں میں نے ڈپٹی صاحب کے قول سے ایسا سمجھا ہے +

غ۔ اگر یہی تعلیم ہے تو آیت قرآن شریف کی پیش کیجیئے بلکہ جنہوں نے تلواروں سے قتل کیا وہ تلواروں سے بھی مارے گئے۔ جنہوں نے ناحق غریبوں کو لوٹا وہ لوٹے گئے جیسا کیا ویسا پایا بلکہ اُن کے

ساتھ بہت نرمی کا برتاؤ ہوا جسپر آج اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیوں ایسا برتاؤ ہوا سب کو قتل کیا ہوتا +

ع - قرآن نے جائز رکھا کہ خوف زدہ ایمان کا اظہار نکرے +

غ - اگر قرآن کی یہی تعلیم ہے تو پھر اُسی قرآن میں یہ حکم کیوں ہے ان یجاھدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم (سورہ توبہ رکوع ۶) اور کانہم بنیان مرصوص (۲۸/۹) اور یہ کہ ولا یخشون احداً الا اللہ (۲۲/۲) اصل بات یہ ہے کہ ایمان داروں کے مراتب ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے منہم ظالم لنفسہ ومنہم سابق بالخیرات ۲۲/۱۶ یعنی بعض مسلمانوں میں سے ایسے ہیں جن پر نفسانی جذبات غالب ہیں اور بعض درمیانی حالت کے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ انتہاء کمالات ایمانیہ تک پہونچ گئے ہیں پھر اگر اللہ تعالے نے برعایت اُس طبقہ مسلمانوں کے جو ضعیف اور بزدل اور ناقص الایمان ہیں یہ فرمادیا کہ کسی جان کے خطرہ کی حالت میں اگر وہ دل میں اپنے ایمان پر قائم رہیں اور زبان سے گو اس ایمان کا اقرار نہ کریں تو ایسے آدمی معذور سمجھے جاویں گے مگر ساتھ اِس کے یہ بھی تو فرمادیا کہ وہ ایماندار بھی ہیں کہ بہادری سے دین کی راہ میں اپنی جانیں دیتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے اور پھر پولوس کا حال آپ پر پوشیدہ نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں میں یہودی اور غیر قوموں میں غیر قوم ہوں اور حضرت پطرس صاحب نے بھی مخالفوں سے ڈر کر تین مرتبہ انکار کر دیا - بلکہ ایک دفعہ (نقل کفر کفر نباشد) حضرت مسیح پر لعنت بھیجی اور اب بھی میں نے تحقیقاً سُنا ہے کہ بعض انگریز اسلامی مُلکوں میں بعض مصالح کے لیئے جاکر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں +

ع - قرآن میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین نے آفتاب کو دلدل میں غروب ہوتے پایا +

غ - یہ صرف ذوالقرنین کے وجدان کا بیان ہے آپ بھی اگر جہاز میں سوار ہوں تو آپ کو بھی معلوم ہو کہ سمندر سے ہی آفتاب نکلا اور سمندر میں ہی غروب ہوتا ہے - قرآن نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ علم ہیئت کے موافق بیان کیا جاتا ہے ہر روز صدہا استعارہ بولے جاتے ہیں مثلاً اگر آپ یہ کہیں کہ آج میں ایک رکابی پلاؤ کی کھا کر آیا ہوں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ آپ رکابی کو کھا گئے اگر آپ یہ کہیں کہ فلاں شخص شیر ہے کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ اس کے پنجے شیر کی طرح اور ایک دُم بھی ضرور ہوگی - انجیل میں لکھا ہے کہ وہ زمین کے کنارہ سے سلیمان کی حکمت سُننے آئے حالانکہ زمین گول ہے کنارہ کے کیا معنی - پھر یسعیاہ باب ۱۴/۷ میں یہ آیت ہے ساری زمین آرام سے اور ساکن ہے مگر زمین کی تو جنبش ثابت ہو چکی +

ع - جہاں چھ ماہ تک سورج نہیں چڑھتا روزہ کیونکر رکھیں +

غ - اگر ہمنے لوگوں کی طاقتوں پر اُن کی طاقتوں کو قیاس کرنا ہے تو انسانی قوتوں کی جڑھ جہل کا

زمانہ ہے مطابق کر کے دکھلانا چاہیئے پس ہمارے حساب کی اگر پابندی لازم ہے تو ان بلاد میں صرف ڈیڑھ دن میں حمل ہونا چاہیئے اور اگر اُن کے حساب کی تو دو سو چھیاسٹھ برس تک بچہ پیٹ میں رہنا چاہیئے اور یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ حمل صرف ڈیڑھ دن تک رہتا ہے لیکن دو سو چھیاسٹھ برس کی حالت میں یہ تو ماننا کچھ بعید از قیاس نہیں کہ وہ چھ ماہ تک روزہ بھی رکھ سکتے ہیں کیونکہ اُن کے دن کا یہی مقدار ہے اور اس کے مطابق اُن کے قوے بھی ہیں +

ع - رحم عدل کے بعد ہوتا ہے اور گوڈنس یعنی احسان پہلے +

غ - احسان کوئی صفت نہیں بلکہ رحم کی صفت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً یہ کہینگے کہ فلاں شخص پر مجھکو رحم آیا۔ یہ نہیں کہیں گے کہ فلاں شخص پر مجھکو احسان آیا۔ رحم بیماروں پر آتا ہے۔ رحم کمزوروں پر آتا ہے۔ رحم بچوں پر آتا ہے اور اگر کسی بدمعاش قابل سزا پر بھی آوے تو ایسی حالت میں آتا ہے کہ جب وہ ضعیفوں اور ناتوانوں کی طرح رجوع کرے۔ پھر اصل مورد رحم ضعف اور ناتوانی ہوئی یا کچھ اَور ہوا +

ع - انسان فعل مختار ہے۔

غ - اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ جس حد تک اُس کو قوے بخشے گئے ہیں اُس حد تک وہ اس قوے کے استعمال کا اختیار رکھتا ہے تو یہ قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے اعطے کل شئ خلقہ ثم ھدی ۱۶/۱۱ یعنی وہ خدا جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال قوے اور جوارح بخشے اور پھر اُن کو استعمال میں لانے کی توفیق دی۔ ایسا ہی فرماتا ہے کل یعمل علی شاکلتہ ۱۵/۹ یعنی ہر ایک اپنے قوے اور اشکال کے موافق عمل کرنے کی توفیق دیا جاتا ہے اور سوا اگر کچھ اَور معنی ہیں تو آپ کو خوشگوار رہیں +

ع - کیا خدا تعالےٰ مالکیت کے برقعہ میں ناجائز کاموں کی اجازت دے سکتا ہے۔

غ - نالائق مت کہیئے جو کچھ اُس نے کیا اور کر رہا ہے وہ سب لائق ہے صحیفہ قدرت کو دیکھیئے کہ وہ کروڑہا پرند اور چرند اور دوسرے جانوروں کی نسبت کیا کر رہا ہے اور اُس کی عادت حیوانات کی نسبت کیا ثابت ہوتی ہے اگر غور سے آپ دیکھینگے تو آپ اقرار کریں گے کہ وضع اس دنیا کی اسطرح پائی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک حیوان کو انسان پر قربان کر رکھا ہے اور اُس کے منافع کے لیئے بنایا ہے +

ع - کلام مجسّم ہوا +

غ - اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیح کا جسم بھی خدا تھا۔ لیجیئے حضرت یک نشد دو شد +

ع - اقنوم کے معنی شخص معین ہیں سو یہ تین جُدا جُدا شخص اور ماہیت ایک ہے اب قائم فی نفسہ اور

ابن اور روح القدس اس میں لازم و ملزوم ہیں۔

ع - جبکہ یہ تینوں شخص اور تینوں کامل اور تینوں میں ارادہ کرنے کی صفت موجود ہے۔ اب ارادہ کرنے والا ابن ارادہ کرنے والا روح القدس ارادہ کرنے والا۔ تو پھر ہمیں سمجھاؤ کہ باوجود اس حقیقی تفریق کے اتحاد ماہیت کیونکر اور نظیر بیجدی اور بے نظیری کی اس مقام سے کچھ تعلق نہیں رکھتی کیونکہ وہاں حقیقی تفریق قرار نہیں دی گئی۔

ع - نبی اسلام کا چھوٹا یا بڑا معجزہ ثابت نہیں ہوا۔

ع - قرآن معجزات سے بھرا ہے اور خود وہ معجزہ ہے توجہ سے دیکھیں اور پیش گوئیاں تو اس میں دریا کی طرح بہ رہی ہیں اسلام کے صاحب نے ضعف اسلام کے وقت خبر دی۔ سلطنت روم کے غلبہ کی ان کے مغلوب ہونے کے پہلے خبر دی۔ شق القمر کا معجزہ بھی موجود ہے۔ اگر نظام کے مخالف وسوسہ گزرے تو یوشع بن نون اور یسعیاہ نبی کی نظیر دیکھ لیجئے مگر حضرت مسیح کے معجزات کا ہمیں کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بیت صدر کیعوض نے اُن کی رونق کھو دی۔ پیش گوئیاں نری اٹکل معلوم ہوتی ہیں اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ بعض پوری بھی نہ ہوئیں مثلاً یہ پیش گوئی کب اور کس وقت پوری ہوئی کہ تم سے ابھی بعض نہیں مریں گے کہ میں آسمان پر سے اُتر آؤں گا۔ بادشاہت کہاں ملی جسکے لیئے تلواریں خریدی گئی تھیں۔ بارہ حواریوں کو بہشتی تختوں کا وعدہ ہوا تھا یہودا اسکریوطی کو تخت کہاں ملا۔

ع - قرآن نے فصاحت و بلاغت کا دعوے نہیں کیا۔

ع - اگلے پرچہ میں دکھلادوں گا کہ کیا ہے۔

ع - کیا ستون میں خدا نہیں بول سکتا۔

ع - کیوں نہیں بلکہ ستون میں بول کر بھی وہ ستون سے بے علاقہ رہیگا اور ستون ابن اللہ نہیں کہلائیگا بلکہ جیسے پہلے تھا ویسے رہیگا اور ایک ستون میں بولنا ایک ہی وقت میں دوسرے ستون میں بولنے سے منع نہیں کریگا۔ بلکہ ایک ہی سیکنڈ میں کروڑہا ستونوں میں بول سکتا ہے مگر آپکا اصول اس کے مطابق نہیں۔

ع - کس نبی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میرا ہمتا۔

ع - جناب جب بعض نبیوں کو خدا کہا گیا تو کیا ہمتا پیچھے رہ گیا بلکہ خدا کہنے سے تو قادر مطلق وغیرہ سب صفات آ گئے۔

ع - مسیح کے مظہر اللہ ہونے میں بائبل میں بہت سی پیش گوئیاں ہیں۔

ع - پیش از وجود مسیح جو چودہ سو برس تک علمائے یہود کی ان کتابوں کو پڑھتے ہیں اور قریباً

کروڑ ہا علماء کی نظر سے وہ کتابیں گذریں کہ کیا کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ کوئی خدا بھی آنیوالا ہے۔ کیا یہودی لعنت نہیں جانتے تھے۔ کتابیں نہیں رکھتے تھے۔ نبیوں کے شاگرد نہیں تھے۔ پھر گھر کی پھوٹ اور بعض علمائے عیسائی کا یہود سے متفق ہونا اور بھی اس کی تائید کرتا ہے +

ع۔ شریعت موسوی کے نشانات تصویری کیسے تھے پھر قرآن کیا لایا +

غ۔ قرآن نے مُردوں کو زندہ کیا۔ باطل۔ باطل خیالات کو مٹایا +

ع۔ مذہب عیسوی میں تقدیری جبر کی تعلیم نہیں +

غ۔ انجیل سے پایا جاتا ہے کہ شیاطین ضلالت پر مجبور ہیں اور ناپاک روحیں ہیں اگر یہ بات صحیح نہیں تو ثابت کرو کہ حضرت مسیح کے ذریعہ سے کس شیطان نے نجات یافتہ ہونے کی خوشخبری پائی بلکہ وہ تو بکتے ہیں کہ وہ ابتدا سے قاتل تھا اور شیاطین میں سچائی نہیں حضرت مسیح شیاطین کے لئے بھی کفارہ تھے یا نہیں اس کا کیا ثبوت ہے۔ مگر قرآن جنات کی ہدائت کا ذکر کرتا ہے +

ع۔ مسیح زمین آسمان کا خالق ہے +

غ۔ سوال یہ تھا کہ مسیح نے دنیا میں آکر مظہر اللہ ہونے کی کون سی چیز بنائی۔ جواب یہ ملتا ہے کہ سب کچھ مسیح ہی کا بنایا ہوا ہے +

ع۔ نیک ہونے سے انکار اس لئے کیا تھا کہ وہ مسیح کو خدا نہیں جانتا تھا +

غ۔ انجیل سے اس کا ثبوت دیجئے۔ مرقس میں تو صاف لکھا ہے کہ اُس نے گھٹنے ٹیکے اور مسیح نے خدائی کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا سارا مال غریبوں کو بانٹ دے +

ع۔ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا مانتے ہیں یا نہیں +

غ۔ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا میری نگاہ میں کچھ عجوبہ بات نہیں۔ حضرت آدم ماں اور باپ دونوں نہیں رکھتے تھے۔ اب قریب برسات آتی ہے ضرور باہر جاکر دیکھیں کہ کتنے کیڑے مکوڑے بغیر ماں باپ کے پیدا ہو جاتے ہیں پس اس سے مسیح کی خدائی کا ثبوت نکالنا صرف غلطی ہے۔

ع۔ صرف توبہ سے بے ادائے ہرجہ کیونکر گناہ بخشے جا سکتے ہیں +

غ۔ کسی کے گناہ سے خدا تعالےٰ کا کوئی ہرجہ نہیں ہوتا اور گناہ پہلے قانون نازل ہونے کے کچھ وجود نہیں رکھتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ۱۵/۲ یعنی ہم گناہوں پر عذاب نہیں کیا کرتے جب تک رسول نہیں بھیجتے۔ اور جب رسول آیا اور خیر و شر کا راہ بتلایا تو اس قانون کے وعد وعید اور وعید ول کے موافق عملدرآمد ہوگا کفارہ کی تلاش میں لگنا ہنسی کی بات ہے۔ کیا کفارہ وعدوں کو توڑ سکتا ہے بلکہ وعدہ وعدہ سے بدلتا ہے اور نہ کسی اور تدبیر سے جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے سلٰم علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوء بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم ۶/۱۲

اور یہ کہنا کہ اعمال حسنہ ادائے قرضہ کی صورت میں ہیں غلط فہمی ہے قرضہ تو اس صورت میں ہوتا کہ جب حقوق کا مطالبہ ہوتا اب جبکہ گناہ صرف ترک قانون سے پیدا ہوا نہ ترک حقوق سے اور عبادت صرف کتابی فرمانوں پر عمل کرنے کا نام ہے تو نجات وعدم نجات کا صرف قانونی وعدہ وعید پہ مدار رہا۔

ع۔ قرآن کی قسمیں صرف ہنسی کی سی ہیں۔

غ۔ اسکی حقیقت آپکو معلوم نہیں یہ ایک خاص اصطلاح ہے جو قسموں کی صورت میں اللہ جل شانہٗ ایک امر بدیہہ کو نظری کے ثبوت کے لیئے پیش کرتا ہے۔ یا ایک امر مسلم کو غیر مسلم کے تسلیم کرنے کے لیئے بیان فرماتا ہے اور جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ درحقیقت قائمقام شاہد ہوتی ہے جیسا کہ میں آیت لا اقسم بمواقع النجوم میں مفصل بیان کر چکا ہوں اگر تفصیل دیکھنا ہو تو آئینہ کمالات اسلام کو دیکھیئے۔

ع۔ دُکھ تین قسم کے ہوتے ہیں۔

غ۔ آپ پر تو یہ ثابت کرنا ہے کہ جو کروڑہا حیوانات بغیر الزام کسی گناہ کے ذبح کیئے جاتے ہیں وہ اگر مالکیت کی وجہ سے نہیں تو کیوں ذبح ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد کس بہشت میں رکھا جائیگا۔ (باقی آیندہ)

دستخط بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ) ازجانب اہل اسلام

دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک پریزیڈنٹ) ازجانب عیسائی صاحبان

ازجانب ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب

جناب جو یہ فرماتے ہیں کہ وہ حکم قتل کا انھیں لوگوں کے واسطے تھا جنھوں نے ظلم کیا تھا اہل اسلام پر میرا جواب یہ ہے کہ سورہ توبہ کے رکوع ۴ میں یہ سبب نہیں دیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ جو ایمان نہ لاوے اللہ پر اور دن قیامت پر اور جو خدا رسول نے حرام کیا ہے اسکو حرام نہ مانے تو وہ قتل کیا جائے اور اسمیں استثنا صرف اہل کتاب کے لیئے ہے کہ اگر وہ ایمان لانے کو نہ چاہیں اور نہ تہ تیغ ہوں تو جزیہ گزار اور خوار ہو کر جیتے رہیں ایسی ہی اور بھی آیات جن کا میں نے حوالہ دیا ان میں یہی منشا پایا جاتا ہے اور ایمان پر امان کا منحصر کرنا گو رعایت ہے لیکن ایمان بالجبر کو اور بھی قائم کرتا ہے کہ وہ شفاعتیں اور بخششیں جو مہلت زمانہ کے واسطے دی گئیں نظیر آپ کے ایمان بالجبر کی نہیں کیونکہ وہ فیصلہ عقبیٰ تک کرتے ہیں۔

۲۔ جہاد بانشان سات قوموں سے تھا چنانچہ ان کے نام بھی درج ہیں یعنی حِتّی یبوسی وغیرہ ان سے ماسوا جو ملک موعود یا ابراہیم کے درمیان اور بھی بہت سی قومیں تھیں جن کو قتل کا حکم نہیں ہوا مگر یہ کہ وہ اطاعت قبول کریں تو کافی ہے اور اس سے ہماری وہ دلیل اور بھی قائم ہوتی ہے کہ وہ سات قومیں ایسی زیر غضب الٰہی کے تھیں کہ جیسے نوح کے زمانہ میں اور لوط کے زمانہ میں قہر آیا اور سب کو برباد کر گیا ایسا ہی ان کے واسطے بھی تیغ بنی اسرائیل سے بربادی کا حکم ہوا معصوم بچوں کا جو آپ اعتراض

پڑتے ہیں کہ موسیٰ کی جنگوں میں ہوا ایسا ہی توہر وہاں میں ہوتا ہے آپکو ماننا پڑیگا کہ یا تو موسیٰ کا بیان حکم
الٰہی مانیں اور یا اُس سے برکنار ہو کر فرماویں کہ توریت کلام الٰہی نہیں آپ ادھر میں نہیں لٹک سکتے ❖
۴- آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ جس کو اجازت صُلح کی دی گئی تو اگر ایمان کے واسطے ایسا کیا جائے تو کسی قدر
جبر جائز مانا جائے گا مگر فلسطیوں کی اُن سات قوموں کے واسطے صلح کی اجازت کبھی نہیں دی گئی اور
جزیہ دینا اُن سے قبول کبھی نہیں ہوا اور وہ شل وبا کے تہ تیغ ہی کیئے گئے - پھر جناب قرآن کی تعلیم کو
اُن کی مثال اور ان کو مشتبہ نہیں فرما سکتے ❖

۵- وہ جو آپ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کہا کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ بہانہ مکاری سفید پوشوں کے
کپڑے اُتاریں بجواب اِس کے عرض ہے کہ میں نے ایسا کبھی نہیں کہا جناب نے غلط فہمی کی ہے
یہ میں نے غور کہا کہ لا اکراہ فی الدین میں اکراہ وہ بھی تو متصور ہو سکتا ہے جو بعض اہل اسلام کسی
سفید پوش کو دیکھکر اور اُس سے سلام علیک سُن کر کہدیتے تھے کہ تو مسلمان نہیں تو مکاری سے
سلام علیک کرتا ہے اور اُسے مار ڈالتے تھے اور کپڑے اُتار لیتے تھے - ایسوں کے بارہ میں یہ
آیت ہو سکتی ہے کہ ایسا اکراہ دین کے معاملہ میں مت کرو نہ وہ اکراہ جو ایمان لانے کے لیئے ہو
جس کے واسطے ہمنے بہت سی آیات ناطق قرآن ہی سے پیش کی ہیں ❖

۶- قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی صاحب مجبوری میں خدا کا انکار کر لیوے لیکن قلب اُس کا حق
کے اوپر مطمئن رہے بوجہ اِس اکراہ کے اور اطمینان کے غضب الٰہی سے وہ محفوظ رہیگا اسپر ہمارا
اعتراض یہ تھا کہ یہ ناحق کی خوف پرستی ہے کہ جو قادر قدوس سکھلاتا ہے اور ایسا ہونا نہ چاہیئے -
اس تعلیم کو سورہ نحل کی اس آیت میں دیکھ لیں گے کہ جس میں لکھا ہے کہ من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الخ

۷- پولوس کا یہ کہنا کہ میں یہودیوں میں یہودیوں سا ہوں اور غیر قوموں میں غیر قوم سا - اس کے
یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ بے ایمان دورنگا تھا بلکہ اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جہاں تک میں کسی سے
اتفاق کر سکتا ہوں نفاق نہ کروں گا چنانچہ اُس موقع کو غور فرما کر دیکھ لیں - یہ پہلا قرنتی ۹ / ۲۰-۲۱-۲۲
اور پطرس کا انکار صاف گناہ کا ہے اور مسیح پر اُس نے لعنت نہیں کی تھی بلکہ اپنے اوپر معلوم نہیں کہ
جناب کو کس گھبراہٹ نے پکڑا ہے کہ صحیح اقتباس کلام کا بھی نہیں فرماتے - آپ کیا حوالہ بے ایمان
انگریزوں کا دیتے ہیں کیا وہ انجیل ہیں کلام بائبل اور قرآن کے اوپر ہے نہ بدچلن لوگوں کے اوپر ❖

۸- میں جہاز پر سوار ہو آیا ہوں میں نے سورج کو کسی دلدل کی ندی میں غروب ہوتے نہیں دیکھا اور
نہ کسی اَور نے دیکھا اور وہ جو اس آیت میں بیان ہے کہ اس نے پایا کہ سورج دلدل کی ندی میں
غروب ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ تصدیق خدائے قرآنی کی بھی ہے جو یہ کہتا ہے یسئلونک *
یعنی تجھ سے سوال کرتے ہیں بابت ذوالقرنین کی اور ان سے وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ابھی بیان کرینگے

پس اس میں تصدیق اُسی خدا کی ہے نہ صرف پانا ذوالقرنین کا۔ اس سے ظاہر ہو جیو کہ جناب اس اعتراض کو اُٹھا نہیں سکتے۔ یہ محاورہ کی بات نہیں بلکہ محاورہ کے برخلاف ہے کہ آفتاب دلدل کی ندی میں غروب کر گیا کیونکہ بدو نظر اور محاورہ کسی زبان یا مکان کا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سورج کسی دلدل کی ندی میں غروب کرتا ہے ہاں البتہ یہ تو عام محاورہ اور مجاز ہے جو لوگ کہتے ہیں سورج نکلا اور سورج غروب ہوا۔ اور نہ وہ محاورہ جو آپ فرماتے ہیں اور جو امور بدو نظر میں کچھ صورت ظہور کی دکھلاتے ہیں اُن کا کلام اس صورت کے مجاز میں ہوتا ہے جیسا رکابی پلاؤ کا کھانا ہر ایک سمجھتا ہے کہ بھری ہوئی رکابی میں سے کچھ نہ چھوڑنا یا جیسے کہتے ہیں کہ تپنالے چل رہے ہیں یا یہ کنُواں میٹھا یا کھارا ہے یہ بھی ایسے محاورات ہیں جو عام ہیں۔ اور سبا کی ملکہ جو زمین کے کنارہ سے آئی اس کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ دوسرے ملک کے کنارے سے آئی جو فلسطین کے دوسری طرف تھا۔ اس میں جغرافیہ اور علم ہندسہ کا کیا علاقہ ہے یہ نظیریں جناب کے دلدل کی ندی غروب کے لیئے پیدا نہیں کر سکیں گے۔ زمین کا ساکن ہونا بھی بدو نظر ہے اور عوام اس سے نہیں بولتے اور کلام الٰہی عوام کے لیئے ہے ✦

۹۔ جناب نے ایس لینڈ اور گرین لینڈ کے دنوں کی کیا اچھی تعبیر فرمائی ہے اور وہ نظیر جو حمل کی اس میں دی ہے اس سے بھی بڑھکر ہے مجھے حیرانی یہ ہے کہ کلام نص کو آپ چھوڑ کر کہاں جا پڑتے ہیں۔ قرآن کے کلام نص میں یہ لکھا ہے کہ دن کی سفیدی کی دھاری سے پہلے شروع کرکے شام کی سیاہی کی دھاری کے پیچھے روزہ افطار کرنا چاہیئے۔ کہ جن دونوں دھاریوں کا ان ملکوں میں نشان تک کچھ نہیں اور حمل کی بابت جو آپ نے نظیر دی ہے وہ زمانہ متعینہ ہمارا ہے نہ کسی کلام الٰہی کا ✦

۱۰۔ جناب فرماتے ہیں کہ گوڈنس کوئی صفت نہیں تب جب ایک شخص جو کسی مواخذہ میں گرفتار نہیں وہ کسی خوش سلوکی کے لائق بھی نہیں ہے۔ رحم کی اصطلاح صاف یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی مواخذہ میں گرفتار ہے جس کو رحم سے چھوڑایا جاتا ہے۔ آپ کا اختیار ہے جتنا چاہیں ضد فرماویں مگر یہ امور بدیہی ہیں ✦

۱۱۔ یہ ایک عجیب روک ہے کہ جو ایک امر بدیہی نالائق ہو اُس کو نالائق کہا جائے کیا اگر ہم فرض کر لیویں کہ خدا نے کوئی ظلم کیا یا جھوٹ بولا تو اسی لحاظ سے یہ فرض خدا کی بابت ہے کہ ہم لائق اس کی کا ذکر نہ کریں گے۔ ہم تو ان افعالوں کو نالائق کہیں گے اور مفروضہ خدا کو جھوٹا خدا کہیں گے یہ تو ہم ایک امر واقعی دیکھتے ہیں کہ گوشت حیوانوں کا خدا تعالےٰ نے انسانوں کے واسطے کلام الٰہی میں مباح کر دیا ہے اور بعض بعض جانوروں کو بھی جیسا کہ شیر یا باز ہے فطرت نے مباح کر دیا

ہے۔ لیکن ایک واقعہ مرئی ہے اس کا عدل نامرئی مٹ نہیں سکتا کوئی وجہ اس کے صادق ٹھہرانے کی ہوگی جو ہم کو نامعلوم ہو تو اس نامعلومی سے اس کی نفی نہیں ہو سکتی ÷

۱۲ - مجسم ہونے سے جسم کو بھی الوہیت ٹھہرانا جناب کی اصطلاح ہوگی ہمارے تو یہ معنی ہیں کہ مجسم ہونے سے مظہریت پر ایما ہے -

۱۳ - کیوں جناب آپ ہماری نظیر بے نظیری اور بیحدی کو باطل کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں جو ایک واقعہ صرہے اور کیا ان دونوں صفات کی ایک ہی ہیئت نہیں کیونکہ بے نظیر مطلق بیحدی سے نہیں ہو سکتا زمان و مکان ان ہر دو کا ایک ہی رہتا ہے - جناب غور فرما کر جواب دیں ÷

۱۴ - جب ثبوت دکھلا دیں گے کہ قرآن میں معجزہ ہیں اور قرآن خود ہی ایک معجزہ ہے تو ہم مان لیں گے لیکن کسی شخص نے ایک بادشاہ کے سامنے ایک لطیفہ کہا تھا - کہ سات رومال لپیٹے ہوئے کھول کے رکھدیئے اور کہا کہ جناب اس میں نور ظہور کی پگڑی ہے مگر وہ حرام کے کو نظر نہیں آتی الا حلال کے کو نظر آتی ہے - ایسا ہی اگر جناب کا فرمانا ہے کہ اگر ہمکو وہ معجزات نہ نظر آئیں تو ہماری نظر کا قصور ہے تو ہمکو ایک گالی کھا لینا منظور ہے مگر جھوٹا اقرار کر لینا منظور نہیں شق القمر کے معجزہ کی بابت جناب کو معلوم نہیں کہ شق القمر ہونا مستلزم ساتھ قرب قیامت کے ہے اور آگے اس کے صیغہ ان یروا صیغہ مضارع کا ہے اور اس معجزہ سے پہلے سے تحدی سے یا تعارض کسی کے نہیں ہوئی - پس ایسی نظیریں جناب دیگر کس کو اطمینان بخشیں گے سو تو معلوم - البتہ پیشین گوئیاں قرآن میں بہت سی ہیں لیکن پیشین گوئیاں دو قسم کی ہیں - ایک وہ پیشین گوئی جو علم الٰہی سے ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو عقل عامہ سے ہوتی ہیں جو علم الٰہی کا انحصار کرے اس کی نظیر اگر جناب پیش کریں گے ہم اسپر غور کریں گے اور روم کے فارس سے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی دور اندیشی عقل عامہ کی ہے (آگے ہونے نہ دیا کہ وقت پورا ہو گیا)

دستخط بحروف انگریزی	دستخط بحروف انگریزی
ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)	غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)
از جانب عیسائی صاحبان	از جانب اہل اسلام

مضمون آخری حضرت مرزا صاحب

۵ - جون ۱۸۹۳ء

آج یہ میرا آخری پرچہ ہے جو میں ڈپٹی صاحب کے جواب میں لکھتا ہوں مگر مجھے بہت افسوس

ہے کہ جن شرائط کے ساتھ بحث شروع کی گئی تھی ان شرائط کا ڈپٹی صاحب نے ذرا پاس
نہیں فرمایا۔ شرط یہ تھی کہ جیسے میں اپنا ہر ایک دعوےٰ اور ہر ایک دلیل قرآن شریف کے معقولی
دلائل سے پیش کرتا گیا ہوں ڈپٹی صاحب بھی ایسا پیش کریں۔ لیکن وہ کسی موقع پر اس شرط
کو پورا نہیں کر سکے۔ خیر اب ناظرین خود دیکھ لیں گے۔ اس جواب کے جواب الجواب میں صرف
اتنا کہنا مجھے کافی ہے کہ ڈپٹی صاحب نے یہ جو توبہ کی سورت کو پیش کر دیا ہے اور یہ خیال
کرتے ہیں کہ ایمان لانے پر قتل کا حکم ہے یہ اُن کی غلط فہمی ہے بلکہ اصل مدعا یہی اس آیت
سے ثابت ہوتا ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی جو شخص اپنی مرضی سے باوجود واجب القتل ہونے
کے ایمان لے آوے وہ رہائی پا جاوے گا۔ سو اللہ تعالےٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ جو لوگ
رعائت سے فائدہ اُٹھاویں اور اپنی مرضی سے ایمان نہ لاویں اُن کو سزائے موت اپنے
پاداش کردار میں دی جائیگی اس جگہ یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایمان لانے پر جبر ہے بلکہ ایک رعائت
ہے جو اُن کی مرضی پر چھوڑی گئی ہے اور سات قوموں کا جو آپ ذکر فرماتے ہیں کہ اُن کو قتل
کیا گیا اور کوئی رعائت نہ کیگئی یہ تو آیت کی تشریح کے برخلاف ہے۔ دیکھو قاضیوں ۱/۲۸ و ۳۰
کہ کنعانیوں سے جو ان ساتوں قوموں سے ایک قوم ہے خراج لینا ثابت ہے۔ پھر دیکھو یشوع ۱۶/۱۰
اور قاضیوں ۱/۳۵ جو قوم اموریوں سے جزیہ لیا گیا ؛

پھر آپ اعادہ اس بات کا کرتے ہیں کہ قرآن نے یہ تعلیم دی ہے کہ خوف زدہ ہونے کی
حالت میں ایمان کو چھپاوے۔ میں لکھ چکا ہوں کہ قرآن کی یہ تعلیم نہیں ہے۔ قرآن نے بعض
ایسے لوگوں کو جن پر یہ واقعہ وارد ہو گیا تھا ادنےٰ درجہ کے مسلمان سمجھکر اُن کو مومنوں میں داخل
رکھا ہے۔ آپ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ کے ایمان دار نہیں ہوا کرتے اور آپ
اس سے بھی نہیں انکار کریں گے کہ بعض دفعہ حضرت مسیح یہودیوں کے پتھراؤ سے ڈر کر اُن سے
کنارہ کر گئے اور بعض دفعہ توریہ کے طور پر اصل بات کو چھپا دیا۔ اور متی ۱۶/۲۰ میں لکھا ہے تب
اس نے اپنے شاگردوں کو حکم کیا کہ کسو نے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔ اب انصاف سے
کہیں کہ کیا یہ سچے ایمان داروں کا کام ہے اور اُن کا کام ہے جو رسول اور مبلغ ہو کر دنیا میں
آتے ہیں کہ اپنے تئیں چھپائیں۔ اس سے زیادہ آپ کو ملزم کرنے والی اَور کون سی نظیر ہوگی
بشرطیکہ آپ غور کریں۔ اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ دلدل میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات
میں داخل نہیں مگر عینٍ حمئۃٍ سے تو کالا پانی مُراد ہے اور اس میں اب بھی لوگ یہی نظارہ
اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور مجازات کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم ستاروں کو
کبھی نقطہ کے موافق کہدیتے ہیں اور آسمان کو کبود رنگ کہدیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہدیتے

ہیں پس جبکہ انہیں اقسام میں سے یہ بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جائے - آپ فرماتے
ہیں کہ کلام مجسّم بھی ایک استعارہ ہے مگر کوئی شخص ثبوت دے کہ دنیا میں یہ کہاں بولا جاتا
ہے کہ فلاں شخص کلام مجسم ہوکر آیا ہے اور گوڈنس کی تاویل پھر آپ تکلف سے کرتے ہیں -
میں کہہ چکا ہوں کہ گوڈنس یعنی احسان کوئی صفت صفات ذاتیہ میں سے نہیں ہے - یہ
کہہ سکتے ہیں کہ مجھے رحم آتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے احسان آتا ہے - مگر آپ پوچھتے ہیں کہ اگر
یونہی بغیر کسی کی مصیبت دیکھنے کے اس سے خوش سلوکی کیجائے تو اُس کو کیا کہیں گے - سو
آپ کو یاد رہے کہ وہ بھی رحم کے وسیع مفہوم میں داخل ہے - کوئی انسان کسی سے خوش سلوکی
ایسی حالت میں کرے گا جب اوّل کوئی قوت اُس کے دل میں خوش سلوکی کے لیئے وجوہات
پیش کرے اور اُس کو خوش سلوکی کرنے کے لیئے رغبت دے تو پھر قوّتِ رحم ہے جو نوع انسان
کی ہر ایک قسم کی ہمدردی کے لیئے جوش مارتی ہے اور جب تک کوئی شخص قابل خوش سلوکی کے
قرار نہ پاوے اور کسی جہت سے قابل رحم نظر نہ آوے بلکہ قابل قہر نظر آوے تو کون اس سے
خوش سلوکی کرتا ہے - پھر آپ فرماتے ہیں کہ حیوانات کو قتل ہوتے دیکھکر کیا ہم فرض کرلیں کہ
خدا نے ظلم کیا میں کہتا ہوں میں نے کب اس کا نام ظلم رکھا ہے میں تو کہتا ہوں کہ یہ عملدرآمد مالکیت
کی بنا پر ہے جب آپ اس بات کو مان چکے کہ تفاوت مراتب مخلوقات یعنی انسان وحیوانات کا
بوجہ مالکیت ہے اس کی تناسخ وجہ نہیں تو پھر اس بات کو مانتے ہوئے کون سی سدّراہ ہے
جو دوسرے لوازم جو حیوان بننے سے پیش آگئے وہ بھی بوجہ مالکیّت ہیں اور بالآخر قرآن کریم
کے بارہ میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے کلام اللہ ہونے کی نسبت جو ثبوت
دیئے ہیں اگرچہ میں اس وقت ان سب ثبوتوں کو تفصیل وار نہیں لکھ سکتا لیکن اتنا کہتا ہوں
کہ منجملہ ان ثبوتوں کے بیرونی دلائل جیسے پیش از وقت نبیوں کا خبر دینا جو انجیل میں بھی لکھا ہوا
آپ پاؤ گے دوسرے ضرورت حقہ کے وقت پر قرآن شریف کا آنا یعنی ایسے وقت پر
جبکہ عملی حالت تمام دنیا کی بگڑ گئی تھی اور نیز اعتقادی حالت میں بھی بہت اختلاف آ گئے تھے
اور اخلاقی حالتوں میں بھی فتور آ گیا تھا تیسرے اس کی حقانیت کی دلیل اس کی تعلیم کامل ہے
کہ اُس نے آکر ثابت کر دکھایا کہ موسٰے کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق سزا دہی پر زور ڈال رہے
تھے اور مسیح کی تعلیم بھی ناقص تھی جو ایک شق عفو اور درگذر پر زور ڈال رہی تھی اور گویا ان
کتابوں نے انسانی درخت کی تمام شاخوں کی تربیت کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا صرف ایک ایک
شاخ پر کفایت کی گئی تھی لیکن قرآن کریم انسانی درخت کی تمام شاخوں یعنی تمام قوے کو
زیر بحث لایا اور تمام کی تربیت کے لیئے آپ نے اپنے محل و موقع پر حکم دیا جس کی تفصیل ہم

اس تھوڑے سے وقت میں کر نہیں سکتے ۔

انجیل کی کیا تعلیم تھی جس پر مدار رکھنے سے سلسلہ دنیا کا ہی بگڑتا ہے اور پھر اگر یہی عفو اور درگذر عمدہ تعلیم کہلاتی ہے تو جین مت والے کئی نمبر اس سے بڑھے ہوتے ہیں جو کیڑے مکوڑوں اور جوؤں اور سانپوں تک آزار دینا نہیں چاہتے - قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال تفہیم ہے یعنے اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کے لیئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آ سکتے ہیں - اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق فائدہ اُٹھاتا ہے اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے اور اس نے تمام اصول ایمانیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلایا ہے اور آیت تعالوا الی کلمۃ میں ۳/۱۵ اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام وہ کامل مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھ میں ہیں ان زوائد کو نکال کر باقی اسلام ہی رہ جاتا ہے اور پھر قرآن کریم کے کمالات میں تیسرا حصہ اس کی تاثیرات ہیں اگر حضرت مسیح کے حواریوں اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایک نظر صاف سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں کچھ بتلانے کی حاجت نہیں اس مقابلہ سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ کس تعلیم نے قوت ایمانی کو انتہا تک پہونچا دیا ہے - یہاں تک کہ لوگوں نے اس تعلیم کی محبت سے اور رسول کے عشق سے اپنے وطنوں کو بڑی خوشی سے چھوڑ دیا اپنے آراموں کو بڑی راحت کے ساتھ ترک کر دیا - اپنی جانوں کو فدا کر دیا - اپنے خونوں کو اس راہ میں بہا دیا اور کس تعلیم کا یہ حال ہے - اس رسول کو یعنی حضرت مسیح کو جب یہودیوں نے پکڑا تو حواری ایک منٹ کے لیئے بھی نہ ٹھہر سکے اپنی اپنی راہ لی اور بعض نے تیس روپے لیکر اپنے نبی مقبول کو بیچ دیا اور بعض نے تین دفعہ انکار کیا اور انجیل کھول کر دیکھ لو کہ اس نے لعنت بھیجکر اور قسم کھا کر کہا کہ اس شخص کو نہیں جانتا پھر جبکہ ابتدا سے زمانہ کا یہ حال تھا یہاں تک کہ تجہیز و تکفین تک میں بھی شریک نہ ہوئے تو پھر اس زمانہ کا کیا حال ہوگا جبکہ حضرت مسیح ان میں موجود نہ رہے - مجھے زیادہ لکھانے کی ضرورت نہیں اس بارہ میں بڑے بڑے علماء عیسائیوں نے اسی زمانہ میں گواہی دی ہے کہ حواریوں کی حالت صحابہ کی حالت سے جس وقت ہم مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں شرمندگی کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حواریوں کی حالت اُن کے مقابل پر ایک قابل شرم عمل تھا - پھر آپ قرآنی معجزات کا انکار کرتے ہیں آپ کو معلوم نہیں کہ وہ معجزات جس تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو گئے اُن کے مقابل پر کسی دوسرے کے معجزات کا ذکر کرنا صرف قصہ ہے اس سے زیادہ نہیں مثلاً ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس زمانہ میں اپنی کامل کامیابی کی نسبت پیشین گوئی کرنا جو قرآن شریف میں مندرج ہے

یعنی ایسے زمانہ میں کہ جب کامیابی کے کچھ بھی آثار نہ نظر آتے تھے۔ بلکہ کفار کی شہادتیں قرآن شریف میں موجود ہیں کہ وہ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ اب یہ دین جلد تباہ ہو جائیگا اور ناپدید ہو جائیگا ایسے وقتوں میں ان کو سُنایا گیا کہ یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون (۱/۱۱) یعنی یہ لوگ اپنے مونہہ کی لاف و گزاف سے بکتے ہیں کہ اس دین کو کبھی کامیابی نہ ہوگی یہ دین ہمارے ہاتھ سے تباہ ہو جاوے گا۔ لیکن خدا کبھی اس دین کو ضائع نہیں کرے گا اور نہیں چھوڑے گا جب تک اُس کو پورا نہ کرے پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے وعد اللہ الذین آمنوا الخ (۱۵/۱۴) یعنی خدا وعدہ دے چکا ہے کہ اس دین میں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد خلیفے پیدا کرے گا اور قیامت تک اُس کو قائم کرے گا یعنی جس طرح موسٰے کے دین میں مدت ہائے دراز تک خلیفے اور بادشاہ بھیجتا رہا ایسا ہی اس جگہ بھی کرے گا اور اس کو معدوم ہونے نہیں دے گا۔ اب قرآن شریف موجود ہے حافظ بھی بیٹھے ہیں دیکھ لیجئے کہ کفار نے کس دعوٰے کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر کیں کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائیگا اور ہم اس کو کالعدم کر دیں گے اور اُن کے مقابل پر یہ پیشین گوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز تباہ نہیں ہوگا یہ ایک بڑے درخت کی طرح ہو جائے گا اور پھیل جائے گا اور اس میں بادشاہ ہوں گے اور جیسا کہ کزرع اخرج شطاہ (۱۶/۱۳) میں اشارہ ہے اور پھر فصاحت بلاغت کے بارہ میں فرمایا ھذا لسان عربی مبین (۱۹/۱۵) اور پھر اس کی نظیر مانگی اور کہا کہ اگر تم کچھ کر سکتے ہو اس کی نظیر دو۔ پس عربی مبین کے لفظ سے فصاحت بلاغت کے سوا اور کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ خاص کر جب ایک شخص کہے کہ میں یہ تقریر ایسی زبان میں کرتا ہوں کہ تم اسکی نظیر پیش کرو تو بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ وہ کمال بلاغت کا مدعی اور مبین کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے۔ بالآخر چونکہ ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمداً منکر ہیں اور اُس کی پیشین گوئی سے بھی انکاری ہیں اور مجھ سے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھا کیا گیا کہ اگر دین اسلام سچا ہے اور تم فی الحقیقت ملہم ہو تو ان تینوں کو اچھے کر کے دکھاؤ حالانکہ میرا یہ دعوٰے نہ تھا کہ میں قادر مطلق ہوں نہ قرآن شریف کے مطابق مواخذہ تھا۔ بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان کی نشانی ٹھہرائی گئی تھی کہ اگر وہ سچے ایماندار ہوں تو وہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کرینگے مگر تاہم میں اس کے لئے دعا کرتا رہا۔ اور

آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے

بہت تضرّع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دُعا
کی کہ تو اِس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں
تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تو اُس نے
مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اِس
بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً
جُھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچّے خدا کو چھوڑ رہا
ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انھی دنوں
مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر
یعنی پندرہ ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور
اُس کو سخت ذلّت پہونچے گی بشرطیکہ حق کی طرف
رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچّے
خدا کو مانتا ہے اُس کی اس سے عزّت ظاہر
ہوگی اور اُس وقت جب یہ پیشین گوئی ظہور میں

آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کیئے جائینگے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سُننے لگیں گے۔

اسی طرح پر جس طرح اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے سو الحمد للہ والمنۃ کہ اگر یہ پیشین گوئی اللہ تعالےٰ کی طرف سے ظہور نفرماتی تو ہمارے یہ پندرہ دن ضائع گئے تھے۔ انسان ظالم کی عادت ہوتی ہے کہ باوجود دیکھنے کے نہیں دیکھتا اور باوجود سُننے کے نہیں سُنتا اور باوجود سمجھنے کے نہیں سمجھتا اور جرأت کرتا ہے اور شوخی کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا ہے لیکن اب مَیں جانتا ہوں کہ فیصلہ کا وقت آگیا۔ مَیں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اب یہ حقیقت کھُلی کہ اس نشان کے لیئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالےٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کے لیئے تیار ہوں مجھ کو ذلیل کیا جاوے روسیاہ کیا جاوے میرے گلے میں رسّا ڈال دیا جاوے مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کریگا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اُس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔

اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ نشان پورا ہو گیا تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشین گوئی اور خدا کی پیشین گوئی ٹھہرے گی یا نہیں ٹھہرے گی۔ اور **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونہ بائبل میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہو جاوے گی یا نہیں ہو جائیگی۔ اب اس سے زیادہ میں کیا لکھ سکتا ہوں جبکہ اللہ تعالےٰ نے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ناحق ہنسنے کی جگہ نہیں اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لیئے سُولی تیار رکھو۔ اور تمام شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو لیکن اگر میں سچا ہوں تو انسان کو خدا مت بناؤ۔ توریت کو پڑھو کہ اُس کی اوّل اور کھُلی تعلیم کیا ہے اور تمام نبی کیا تعلیم

دیتے آئے اور تمام دنیا کس طرف جھک گئی - اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں - اس سے زیادہ نہ کہوں گا - والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ؎

دستخط	دستخط
بحروف انگریزی	بحروف انگریزی
غلام قادر فصیح (پریزیڈنٹ)	ہنری مارٹن کلارک (پریزیڈنٹ)
ازجانب اہل اسلام	ازجانب عیسائی صاحبان

تمام شُد

خاتمہ

الحمد للہ والمنۃ کہ اُنیسویں صدی مسیحی کی مشہور و معروف مذہبی جنگ یا **جنگ مقدس** یعنی مباحثہ دینی مابین **حضرت حجۃ اللہ امام الوقت حضرت میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود دام اللہ فیوضہم** و عیسائی صاحبان نہایت اہتمام اور صفائی کے ساتھ سہ بارہ چھپ کر شائع ہوا - انسان پرستی اور صلیب پرستی کی ہیکل کو منہدم کرنے کے واسطے جو نمایاں خدمت اس **اسلامی ہیرو** نے کی ہے وہ دیکھنے سے معلوم ہوگی قرآن کریم کے معارف اور اسلام پر مختلف اعتراضوں کے فلسفیانہ اور زندگی کی رُوح بخشنے والے لطیف جوابات قرآن کریم سے بیان کیئے ہیں جو لوگ اپنی اولاد - اپنی قوم - اپنے مُلک کو عیسائیت کی الحادی آگ سے بچانا چاہتے ہیں وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں واعظین رد نصاریٰ کے لیئے یہ کتاب بطور قطب نما ہے - اسلامی انجمنوں اور اسلامی مدرسوں میں اس کی اشاعت بطور درسی کتاب ہونی چاہیئے ؎

ہماری اپنی جماعت کی توجہ خصوصاً اس کتاب کی طرف ہونی چاہیئے

(قیمت فی جلد ۸ر)

نام کتاب	زبان	قیمت
شحنۂ حق۔ رد آریہ	اردو	۶ر
ازالہ اوہام حصہ اول و دوم جواب تضعیف وفات مسیح و حقیقت دجال و یاجوج ماجوج و تفسیر چند آیات	″	۱۴ر
فتح اسلام۔ دعویٰ خود و ذکر پنج شاخ۔	″	۲ر
توضیح مرام۔ حقیقت نزول ملائک و تفسیر چند آیات		۲ر
اتمام الحجۃ۔ مولوی رسل بابا امرتسری کو تحدی۔	عربی اردو	۲ر
حجۃ الاسلام۔ رد عیسائی۔	اردو	۱ر
انجام آتھم۔ رد نصرانیت و علماء کو دعوۃ۔	عربی اردو	۱۴ر
حجۃ اللہ۔ رد شیعہ وغیرہ۔	عربی مترجم	۶ر
تقریر جلسہ اعظم مذاہب ہوتی لاہور مقصود حیات انسان و حقیقت اسلام و حیوان سے انسان بننے و انسان سے با اخلاق انسان بننے و با اخلاق انسان سے با خدا انسان بننے کی تفصیل و تفسیر چند آیات	اردو	۴
فیصلہ آسمانی۔ دعا کے ذریعہ مخالفین سے فیصلہ کرنے کی تفصیل۔	″	۲ر
دافع البلاء۔ طاعون سے بچنے کا طریق۔	″	۱ر
ضیاء الحق۔ رد عیسائی۔	″	۲ر
نشان آسمانی۔ گذشتہ اولیاء کی پیشگوئیاں مسیح موعود علیہ السلام کے لئے۔	″	۲ر
سر الخلافہ۔ رد شیعہ۔	عربی	۸ر
شہادۃ القرآن۔ حضرت اقدس کے مسیح موعود ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے۔	اردو	۴ر
سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب	″	۲ر
ضرورۃ الامام۔ امام کی ضرورت اپنا ثبوت	″	۲ر
رسالہ جہاد مع ضمیمہ ممانعت جہاد پر۔	″	۱ر
راز حقیقت۔ ثبوت قبر حضرت عیسیٰ سری نگر کشمیر میں۔	″	۱ر

نام کتاب	زبان	قیمت
ست بچن۔ رد آریہ و سکھ	اردو	۱۰ر
آریہ دھرم۔ رد آریہ	″	۴ر
مواہب الرحمٰن۔ نشانات صداقت حضرت اقدس و پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔	عربی مترجم	۸ر
اعجاز احمدی۔ مباحثہ مد کا ذکر اور مولوی ثناء اللہ کو تحدی۔	عربی اردو	۳ر
کشتی نوح۔ طاعون سے بچنے کا طریق۔	اردو	۳ر
خطبہ الہامیہ۔ قربانی کی اصل حقیقت و ثبوت خود و تفسیر چند آیات۔	عربی مترجم فارسی و اردو	۱ع
تحفہ گولڑویہ۔ مفتری و صادق میں مابہ الامتیاز	اردو	۱۰ر
تحفہ غزنویہ۔ جواب اشتہار مولوی عبد الحق غزنوی	″	۴ر
تحفہ ندوہ۔ ندوۃ العلماء کو تبلیغ۔	″	۱ر
الہدیٰ۔ اخبار المنار کا جواب اور اسکو تحدی	عربی مترجم	۱۲ر
تریاق القلوب۔ چند پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی تفصیل	اردو	۱۲ر
جنگ مقدس۔ مباحثہ حضرت ہمراہ عبد اللہ آتھم	″	۷ر
الحق بحث لودہیانہ مابین حضرت اقدس و مولوی محمد حسین بٹالوی لودہیانہ میں۔	″	۸ر
تذکرۃ الشہادتین مع رسالہ علامات المقربین اپنی جماعت کو دونوں شہیدوں کے ایمان نمونہ کی طرف تحریک و ترغیب	″	۵
تذکرۃ الشہادتین ″	فارسی	۳ر
کشف الغطاء	اردو	۲ر

جاری

نام کتاب	زبان	قیمت
براہین احمدیہ حصہ دوم و سوم	اردو	۴ر
		۲ر
مسیح ہندوستان میں۔ الحق مباحثہ دہلی	″	۲ر
منن الرحمٰن عربی اردو + البلاغ فریاد درد	″	۱ر
ترغیب المومنین عربی مترجم اردو) نزول المسیح	″	
نجم الہدیٰ۔ چار زبان عربی فارسی انگریزی	″	۱ر
حجۃ النور۔ عربی اردو۔ [illegible]		

مصنفہ حضرت حکیم الامت مولانا نور الدین صاحب

نام کتاب	زبان	قیمت
تفسیر سورہ جمعہ	اردو	۱؍
تصدیق براہین احمدیہ ۔ رد آریہ	اردو	عہ
رد تناسخ ۔ رد آریہ	"	۲؍
نور الدین بجواب ترک اسلام ۔ رد آریہ	"	۸؍
رد نسخ و شیعہ	"	۲؍
فصل الخطاب ۔ رد عیسائی	"	عہ
ابطال الوہیت مسیح "	"	۱؍

مصنفہ [illegible]

نام کتاب	زبان	قیمت
لیکچر برگناہ ۔ ۱ردو ، ر خلافت راشدہ رد شیعہ	اردو	۸؍
سیرۃ مسیح ۔	"	۸؍
دعوۃ الندوہ ۔	"	۱۰؍

مصنفہ حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب

نام کتاب	زبان	قیمت
اعلام الناس حصہ دوم	اردو	۶؍
شمس بازغہ ۔ رد کتاب گولڑوی	"	عہ
فک الشک ۔ چند اعتراضوں کا جواب	"	۱؍
تحذیر المومنین ۔	"	۸؍
احسن الکلام ۔	"	۔؍
سواء السبیل نمبر ۲	"	۱۰؍
مسک العارف چہل حدیث تصنیف حضرت	"	۱۰؍
ایقاظ النائمین	"	۱؍
آیات الرحمن ۔ رد عصائے موسیٰ	"	۸؍
صیانۃ الناس ۔	"	۱۰؍
صیان القرآن ۔ رد چکڑالوی	"	۳؍

مصنفہ [illegible]

نام کتاب	زبان	قیمت
لیکچر اسلام	اردو	۔؍
مسلمانوں کا خدا اور اسکے حضور دعا	"	۱؍
پنج ارکان اسلام منظوم	"	۱؍
سخن معقول منظوم اردو ۔ ر دعوت ولیمہ	"	۱؍

نام کتاب	زبان	قیمت
غسل مصفےٰ ۔ مصنفہ مرزا خدا بخش صاحب	اردو	۱۲؍
دیگر تصانیف سلسلہ احمدیہ کے متعلق جو احباب نے کی ہیں		
وفات نامہ مسیح معہ پیشگوئی لیکھرام و آتھم	نظم پنجابی	۴؍
پیغام حق یعنی سچ کا سودا	"	۔؍

نام کتاب	زبان	قیمت
وفات مسیح ۔ پسندیدہ حضرت اقدس ؑ	نظم پنجابی	۲؍
کامن احمدی ۔ عورتوں کے لئے مفید ۔	"	۱؍
عاقبۃ المکذبین ۔ چمکار حق ۔ کامن سراج بی بی	"	۱۸؍
سچ بیان پنجابی نظم ۔ امر حقیقۃ نزول المسیح	"	۱۴؍
دعوۃ الحق نمبر ۱ ۔ رد عیسائی	اردو	۵؍
قاعدہ یسرنا القرآن	"	۲؍
رسالہ سراج الحق نمبر ۳	اردو	۱؍
واقعات صحیحہ مع ضمیمہ متعلق فرار پیر گولڑوی	"	۲؍
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب منعقدہ لاہور ۔	"	۸؍
حمائلیں و قرآن مجید مترجم و غیر مترجم ۔	از ۱۲؍	تا للعہ
رسالہ فضل حق ۔ اردو ۱؍ ۔ دعوۃ الحق مع ضمیمہ	اردو نظم	۱؍
تائید حق ۔ اردو ۴؍ ۔ سلاسل التعلیم	عربی	۲؍
سیرۃ النبی ۔ عربی مترجم اردو ۔ سلاسل الفضائل	مترجم اردو	۶؍
قرآن مجید مطبوعہ رزاقی ۱۱ مہری نقل نظامی ۔ ۲ مہری	قیمت مجلد	عہ ۲

مصنفہ [illegible]

نام کتاب	زبان	قیمت
تفسیر القرآن بالقرآن پارہ اول ۔	اردو	۱۴؍
تفسیر سورہ فاتحہ یعنی ذکر الحکیم نمبر ۲ ۔	"	۴؍
تفسیر القرآن بالقرآن پارہ عم	"	۲؍
ذکر الحکیم نمبر ۱ ۔ ۲ ۔ مفتاح القرآن [1]	"	۴؍
مفید عام [2] ۔ ڈاکٹری کی بینظیر کتاب ۲ جلد	"	للعہ
مفید النساء و الصبیان ۔ ڈاکٹری کی کتاب	"	۴؍
تشخیص الامراض	"	۱۲؍

[1] اسکے اچھی طرح پڑھنے سے آدمی چند ماہ میں قرآن مجید کے ترجمہ پڑھنے پر قادر ہو سکتا ہے ۔

[2] اسکی تعریف کی حاجت نہیں کہ اسکا نام الہامی ہے گویا اسکے مفید عام ہونیکی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے دیدی ہے

المشتہر ۔ فضل الدین حکیم مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان ۔